مغربی میڈیا
اور اس کے اثرات



نذر الحفیظ ندوی

اضافہ شدہ جدید ایڈیشن

مغربی میڈیا اور اس کے اثرات

تالیف

نذر الحفیظ ندوی

ناشر

معظم ومحمد اعظم شرقی

دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

طبع سوم
۲۰۰۲ء مطابق ۱۴۲۳ھ

نام کتاب	:	مغربی میڈیا اور اس کے اثرات
نام مؤلف	:	نذر الحفیظ ندوی
طباعت	:	کاکوری پریس، لکھنؤ
کمپوزنگ	:	ناشر کمپیوٹر امین آباد، لکھنؤ۔ فون:281223
صفحات	:	۳۷۰
قیمت	:	۸۰/روپئے
ناشر	:	معظم و محمد اعظم شرقی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
تعداد	:	تین ہزار
طبع اول	:	ایک ہزار۔ ۲۰۰۱ء
طبع دوم	:	دو ہزار۔ ۲۰۰۱ء

ملنے کے پتے

- مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام۔ پوسٹ بکس ۱۱۹، لکھنؤ
- ندوی بک ڈپو، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
- الفرقان بک ڈپو، نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ
- مکتبۂ اسلام۔ گوئن روڈ، لکھنؤ

مصنف ایک نظر میں

نام	:	نذر الحفیظ بن مولانا قاری عبد الحفیظ حافظ
پیدائش	:	بمقام ململ، مدھوبنی (بہار) ۱۹۳۹ء
تعلیم	:	عالمیت (۱۹۶۲ء) فضیلت ۱۹۶۴ء
		دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
		بی۔ایڈ۔کلیۃ التربیۃ۔عین شمس یونیورسٹی، قاہرہ۔۱۹۷۹ء
		ایم۔اے (عربی ادب وتنقید) از ہر یونیورسٹی۔قاہرہ ۱۹۸۲ء
موجودہ مشغلہ	:	تدریس عربی ادب۔دار العلوم ندوۃ العلماء
		مدیر المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی
		ممبر عالمی رابطہ ادب اسلامی۔لکھنؤ
		رکن مجلس ادارت۔سہ ماہی کاروان ادب
		جوائنٹ سکریٹری مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

تصنیفات :

- الزمخشری کاتباو شاعرا
- ابوالحسن الندوی کاتباو مفکرا
- مغربی میڈیا اور اس کے اثرات

اہل ایمان میں فواحش و منکرات کا رواج

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والآخرة والله یعلم وانتم لاتعلمون (سورة النور:۱۹)
(جولوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، انکو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا۔ اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

یہ آیت ایک معجزہ ہے۔ جس وقت یہ آیت ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا نازل ہوئی تھی، مدینہ طیبہ کے محدود معاشرے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کا لوگ اپنی مجلسوں میں چرچا کرنے لگے، مجلسیں کتنی بڑی تھیں، وہ واقعہ کتنا بڑا تھا، کن افراد سے اس کا تعلق تھا، یہ ساری چیزیں ایسی تھیں کہ قرآن مجید کی اس آیت کی وسعت اس سے زیادہ تھی، وہ قرنوں سے بڑھ کر اور تاریخی اور جغرافیائی فاصلوں سے آگے بڑھ کر کچھ اور چاہتی تھی۔ آج ہم اس آیت کی تفسیر دیکھ رہے ہیں۔ "ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا" جولوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فواحش اور منکرات کی محبت کا رواج ہو، اس کا تصور آج صحافت، ٹیلی ویژن، ریڈیو کے اس دور میں ناولوں کے اس دور میں، پکچر اور فلم کی ترقی کے اس دور میں اور لٹریچر

اور فلسفوں کے اس دور میں اس کی جیسی تفسیر نہیں، بلکہ تصویر دیکھی جاسکتی ہے، کسی اور زمانہ میں مشکل ہے، مدینہ کے اس ماحول میں لوگوں نے ایمان بالغیب سے کام لیا ہوگا اور انھوں نے اس کا انطباق کیا ہوگا۔ کسی مخصوص واقعہ پر، لیکن آج دنیا کی ساری طاقتیں جس طرح ان تشیع الفاحشة پر لگی ہوئی ہیں اس کا اس سے پہلے کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں تخریبی طاقتیں جس طرح اخلاقی انارکی اور بغاوت پھیلا رہی ہیں ان کے پاس وہ وسائل ہیں جو رات کو دن اور دن کو رات ثابت کرسکتے ہیں، نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور بنا سکتے ہیں۔

دنیا کی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی تنظیمات سب کا حال یہی ہے۔ یورپ، امریکہ اور روس کی حکومتوں کو دیکھئے، اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھئے کہ وہ فاسق الخیال فاسد المقصد، جن کے مقاصد تخریبی، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکار وخیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنالیا ہے اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کررہا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے جس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں جن کی تعریف قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

" ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا"(۱)

---

(۱) افسوس ہے کہ کرکٹ اور فٹ بال میچوں اور ٹورنامنٹ سے سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں کی دلچسپی بڑھتی جارہی ہے اور ان پر گرانقدر وہوش ربا رقمیں صرف ہوتی ہیں، تماشہ دیکھنے والوں کا ہجوم ناقابل قیاس ہے، وقت اور مال کا یہ زیاں ہر طرح افسوسناک ہے، معلوم نہیں کتنے آدمیوں کی نمازیں قضا ہوتی ہوں گی، ان ممالک کے علماء اور ذمہ داروں کے سوچنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

جدید ترین اسالیب وآلات تسلی وتفریح

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم۔ ویتخذھا ھزواً، اولئک لھم عذاب مھین (سورہ لقمان: ٦)

اور کوئی انسان ایسا بھی ہے جو اللہ سے غافل کرنے والی باتیں خریدتا ہے تا کہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے (دوسروں کو) گمراہ کرے اور اس راہ کی ہنسی اڑائے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

لہو ولعب اور تمتع وتفریح کے ساز وسامان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق کھیل مقابلوں اور مظاہروں سے بڑھی ہوئی دلچسپی اور محویت وانہماک سے ہے۔ دوسری قسم لطف وتفریح کی گفتگو ہے جس میں پڑ کر لوگ فرائض وواجبات اور ذکر اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں، اس میں کہانی قصے اور فحش روایات آتے ہیں، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں لہو لعب، کہانی قصے دونوں کو یکجا کر دیا ہے اور اس کو "لھو الحدیث" سے تعبیر فرمایا ہے۔

قرآن کا معجزہ یہ بھی ہے کہ یہ آیت جو آج کے جدید ترین اسالیب وآلات تسلی وتفریح پر بھی منطبق ہوتی ہے، خصوصاً ویڈیو، ٹیلی ویژن پر تو پوری طرح منطبق ہوتی ہے، اس لئے یہ بیک وقت لہو بھی ہے اور حدیث بھی، تطبیق کی تکمیل آیت کریمہ کے اگلے لفظ سے مزید ہو جاتی ہے کہ فرمایا:

"ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ"

(اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بیہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تا کہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستے سے گمراہ کریں۔

اب دیکھئے کہ اس کے حصول کے لئے رقم خرچ کرنے اور بازار سے خریدنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا ویڈیو اور ٹی وی کا، قرآن تو عربی زبان میں ہے، اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا، عقل کی بات نہیں تھی، لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اس لئے قرآن میں کہا گیا "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں اہل زبان کی طرح اور محض اللہ کا شکر و انعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز ویمن کا فیض پہونچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے، ہمارے استاذ عرب تھے (۱) ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی الحمدللہ! ہم "لھو الحدیث" کا لطف لے رہے ہیں۔ ہمارے عربی کا ذوق "لھو الحدیث" دائرہ کی وسعت کو دیکھ رہا ہے، میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کرسکتا حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں "لھو الحدیث" کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کرسکتا، اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتایئے کہ ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ میں کیا ہے، اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا مگر باتوں کا کھیل کہا گیا، یہ وہ ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹیں ساتویں، آٹھویں یہاں تک کہ میں کہوں گا کہ شیخ الاسلام بن تیمیہ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا، (یعنی ویڈیو، ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے، "حدیث" کا "لہو" باتوں کا کھیل اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو، یہ ریکارڈ جو سنے جاتے ہیں سب "لھو الحدیث" ہیں۔

آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا بہت سے لوگ ہیں جو "لھو الحدیث" خریدتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) شیخ خلیل بن محمد یمانی (مستقل مضمون ملاحظہ ہو "پرانے چراغ اول"۔

(۲) اخذ تلخیص ا۔ کاروان زندگی کا حصہ چہارم، ص ۴۱۔۴۲

(۲) قرآن کا مطالبہ، مکمل اطاعت و کامل سپردگی۔ ص ۲۶۔۲۸

فہرس

نیا عالمی نظام (۶۱-۱۰۶)

پہلا باب : مغربی میڈیا کا تاریخی پس منظر

۱۰۷-۱۴۳

دوسرا باب : میڈیا کے کردار کے بارے میں یہودی عزائم

۱۴۵-۱۶۱

تیسرا باب : دُنیا کے پردۂ سیمیں پر مسلمانوں کی تصویر

۱۶۳-۱۸۳

چوتھا باب : عالم عربی پر مغربی میڈیا کی یورش

۲۲۱-۱۸۵

پانچواں باب : ہندوستانی میڈیا مغرب کے نقش قدم پر

۲۵۵-۲۲۳

چھٹا باب : ٹی وی کے منفی اثرات

۲۵۷-۲۶۵

ساتواں باب : ذرائع ابلاغ کا علمی وفنی تجزیہ

۲۶۷-۳۰۶

آٹھواں باب : اسلامی میڈیا۔ نظریہ اور عمل

۳۰۷-۳۲۷

نواں باب : شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

۳۲۹-۳۷۰

عرضِ مرتب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔امابعد

ثقافت اور فکر دو بنیادیں ہیں جو کسی معاشرہ کے شعور اور روح کی ترجمانی کرتی ہیں، جو ملک ان دونوں پر حاوی ہوگا وہی شعور پر حاوی ہوگا، پھر اس کے ذریعہ وہ انسانی سوسائٹی کے دوسرے مراکز تک بآسانی پہونچ سکتا ہے، سیاسی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور فکری امور میں مداخلت سیاسی واقتصادی مداخلت سے مختلف ہوتی ہے، ثقافتی اور فکری مداخلت اندر سے ہوتی ہے، چنانچہ جو قومیں اپنی ثقافت اور فکر کے مقابلہ میں دوسری قوموں سے متاثر ہوتی ہیں وہ اپنے تشخص سے محروم ہو جایا کرتی ہیں، اس وقت عالم اسلام کی جو صورت حال ہے وہ اس اعتبار سے انتہائی سنگین اور دوررس نتائج کی حامل ہے کہ اسلامی ثقافت وتہذیب کے خلاف زبردست مغربی یلغار ہے، اس میں عالم اسلام نہ صرف مادی اور انسانی خسارے سے دوچار ہو رہا ہے بلکہ اس کو اپنی تہذیب وثقافت اور عقائد سے بہت دور بلکہ ان کا دشمن بنا دیا گیا ہے، مادی، اعتقادی، تہذیبی، ثقافتی اور لسانی اعتبار سے جنگ جاری ہے، ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ مسلمانوں کو اپنے عقائد اور تہذیب سے بیگانہ بنا رہا ہے اور دوسری طرف ثقافتی اور تہذیبی رنگارنگی اور تنوع کو ختم کر کے ایک عالمی (امریکی یہودی) ثقافت کو پورے انسانی معاشرہ پر مسلط کیا جا رہا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان ہی نہیں ہر ملک کے باشندے کے لئے اس کی تہذیب وثقافت اجنبی اور نامانوس ہوتی جا رہی ہے، جو قومیں اس امریکی کلچر کو قبول کرنے سے کسی درجہ میں بھی انکار کرتی ہیں ان کو پوری دنیا سے کاٹ دیا جاتا ہے اور سابق امریکی صدر بل کلنٹن کے بقول ان قوموں کو بدمعاشوں کہ فہرست میں درج کر دیا جاتا ہے، اس وقت اقوام متحدہ کے ذریعہ قوموں کے خاندانی نظام کے شیرازہ کو بکھیرنے کی زبردست کوشش کی جا رہی ہے۔ قاہرہ، استنبول اور بیجنگ کانفرنسوں کے ذریعہ خاندان کا مغربی تصور مشرق کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور سیاسی واقتصادی دباؤ کے ذریعہ مشرقی قوموں کو بھی اباحیت کے راستے پر ڈالا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی مغربی معاشرہ کی طرح

زبردست سماجی، اخلاقی اور نفسیاتی بھونچال سے دوچار ہو جائے اور ایسے کھوکھلے سماج کی طرح ہو جائیں جہاں انسانی قدروں کی نہ قیمت ہوتی ہے او نہ ہی باہمی الفت ومحبت کی گرمی اور نہ اخلاص ودلسوزی اور ہمدردی وتعاون کا جذبہ ہوتا ہے، مادہ پرستی اور بے لگام آزادی پرمبنی فلسفوں اور اخلاقی وانسانی وجود کے عدم تحفظ نے جو زبردست اخلاقی بحران مغربی معاشرہ میں پیدا کر دیا ہے وہی بحران اس وقت مشرق میں پیدا ہو رہا ہے۔

دوسری طرف فوجی اور اقتصادی میدان میں بھی امریکہ میڈیا کی طاقت کے ذریعہ فتوحات کا دائرہ بڑھاتا جارہا ہے جیسا کہ خلیجی جنگ کے کامیاب تجربے نے اس کی ہمت افزائی کی اور اس نے ورلڈ آرڈر (عالمی نظام) کے بجائے گلوبلائزیشن کی اصطلاح اپنا کر اپنی فتوحات کے دائرے کو مزید وسیع کر لیا ہے۔

عراق وایران کی جنگ کے بعد امریکہ نے عربوں کے ساتھ جنگ لڑنے کا جو منصوبہ بنایا اس میں اس نے میڈیا کو ہراول دستہ کے طور پر استعمال کیا۔ امریکی صدر کلنٹن کے یہودی مشیر جان روس نے خلیجی جنگ کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ بش نے فوجی جنگ چھیڑنے سے پہلے امریکی میڈیا کے ذریعہ بڑے پیمانے پر رائے عامہ کو گمراہ کرنے کی خاطر جنگ چھیڑ دی تھی۔ ٹی وی اور پریس کے ذمہ داروں سے کہا گیا تھا کہ وہ نئی صلیبی جنگ کے لئے تیار ہو جائیں، جب عملی طور سے جنگ ہوگی تو انھیں پہلی صف میں رکھا جائے گا، اس لئے اس خلیجی جنگ کو ٹیلیویژن کی جنگ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جنگ بذریعہ ٹیلیویژن

خلیجی جنگ کی رپورٹنگ کے لئے مغربی ٹی وی کمپنیوں کے درمیان جو زبردست مقابلہ ہوا اس کے پس پردہ سیاسی، اقتصادی اور مغربی مصالح کام کر رہے تھے۔ امریکی ٹی وی کمپنی .C.B.S خلیجی جنگ کی رپورٹنگ پر ہفتہ دس لاکھ ڈالر خرچ کر رہی تھی، تیرہ سو اخباروں کے نمائندے پوری دنیا سے رپورٹنگ کے لئے خلیجی ملکوں میں پھیل گئے برطانوی ٹی وی کمپنی .E.T.V اس گراں قدر اخراجات کی متحمل نہ ہو سکی، میدان میں صرف C.N.N ہی رہ گئی جس نے چوبیس گھنٹے براہ راست ان ایر رپورٹنگ کا رکارڈ قائم کر دیا، کہا جاتا ہے کہ .C.N.N نے ایک ہزار ملین ڈالر خلیجی جنگ کی رپورٹنگ پر خرچ کئے، لیکن ا

سکو نو ہزار ملین ڈالر کا نفع ہوا، اسکے ساتھ جھوٹ اور مکر و فریب اور جاسوسی کا رکارڈ بھی اس کمپنی نے پوری دنیا میں قائم کر دیا، جس کی نظیر نہیں ملتی۔

خلیجی جنگ میں جو کچھ پیش آیا اس کا اندازہ مشہور امریکی ایڈیٹر رانڈ ولف کے اس ٹیلیگرام سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے کوبا میں مقیم اپنے اخباری نامہ نگار کو بھیجا تھا کہ تم تصویر بھیجو ہم جنگ کا میدان فراہم کریں گے۔

مغربی ذرائع ابلاغ کے ماہرین کا اب نظریہ یہ ہو گیا ہے کہ موافق اور مخالف دونوں طرح کی خبریں فراہم کرو تا کہ مثبت اور منفی دونوں طرح کی خبروں کے ذرائع پر تمہارا ہی قبضہ برقرار رہے اور اپنی مرضی کے مطابق تصرف کر سکو۔ اس نظریہ پر عمل کرتے ہوئے امریکی وزارت دفاع پنٹاگن نے خلیجی جنگ میں تمام صحافیوں پر پابندی لگادی کہ اس کی مرضی کے مطابق ہی اس جنگ کی رپورٹنگ کی جائے گی، چنانچہ امریکی وزارت دفاع کے منتخب اخباری نامہ نگاروں کو محاذ جنگ پر بھیجا جاتا تھا وہ جو رپورٹیں تیار کرتے ان میں پنٹاگن کی مرضی کا لحاظ کرتے۔ خلیجی جنگ کے خاتمہ کے بعد جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی نگرانی کے لئے جنرل شوارزکوف کو متعین کر دیا گیا۔ امریکی پالیسی کے خلاف فرانس، برطانیہ اور یورپ کے دوسرے ممالک کے اخباری نامہ نگاروں نے زبردست احتجاج کیا، امریکی وزیر دفاع ڈک چینی کو ٹیلیگرام دیکر اس پابندی کے خلاف احتجاج بھی کیا، صحافیوں کی بین الاقوامی تنظیم نے بھی (جس کے ایک ہزار سے زائد صحافی رکن ہیں) احتجاج کیا کہ صرف C.N.N کو کیوں اس جنگ کی رپورٹنگ کے سارے حقوق دیدیئے گئے ہیں۔ امریکی رسالہ ٹائم کے نامہ نگار ڈیسکے بوکس کو چھبیس گھنٹے امریکی فوجیوں نے روکے رکھا، اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی، اس لئے کہ وہ ان نامہ نگاروں سے علیحدہ کیوں ہو گیا جن کو امریکی فوجی محاذ جنگ پر لیجا رہے تھے، اس یکطرفہ رپورٹنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی صدر ریگن کے پریس سکریٹری، نیکل ڈیوڈ نے کہا تھا کہ جارج بش نے امریکہ میں صحافتی رپورٹنگ کی نئی تاریخ بنائی ہے، ایک طرف امریکہ صدام کی فوجی قوت کو بھیانک بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر رہا تھا، دوسری طرف امریکی بمباری سے ہزاروں عراقی عورتوں بچوں کی ہلاکت کی خبروں کو ایسا دبا گیا کہ اگر وہ پھیل جاتیں تو بش کو

صدارت کی کرسی چھوڑنی پڑتی...... ماہرین ذرائع ابلاغ نے خلیجی جنگ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغربی میڈیا کے پاس جو زبردست ترقی یافتہ ٹکنالوجی ہے اس نے یہ بات ساری دنیا سے منوالی ہے کہ حق وانصاف کا پیمانہ اس کے پاس ہے، دوسری حقیقت یہ اس نے تسلیم کرالی ہے کہ جدید ٹکنالوجی اور مصنوعی سیاروں نے اسلحہ کی ٹکنالوجی کے استعمال کو بہت موثر اور زیادہ نتیجہ خیز بنادیا ہے، خلیجی جنگ میڈیا کے لحاظ سے تاریخ میں پہلی ٹی وی جنگ ہے، ویٹنام کی خبریں اور تصاویر ریکارڈنگ اور حذف وترمیم کے بعد ٹی وی اسکرین پر دکھائی جاتی تھیں، لیکن خلیجی جنگ براہ راست ٹی وی پر میدان جنگ سے دکھائی جارہی تھی ...... اس کی صورت یہ تھی کہ ٹی وی نامہ نگاروں کے پاس جیپ میں ۱۸۰ اسینٹی میٹر سائز کے ڈش انٹینا فٹ تھے، ان کے ذریعہ نامہ نگار براہ راست مصنوعی سیاروں سے رابطہ قائم کر کے اپنی خبریں اور تصاویر اسی وقت ٹی وی اسٹیشنوں کو بھیج دیا کرتے تھے، اس طرح براہ راست میدان جنگ کی معرکہ آرائی، حملہ، جوابی حملہ بموں کے دھاکے، ان سے ہونے والی تباہی اسی وقت ہزاروں میل دور گھروں میں بیٹھے ہوئے مشاہدین کر رہے تھے، اگرچہ اس میدان میں وائس آف امریکہ، بی، بی، سی، مونٹے کارلو (فرانس) اسرائیلی ٹی وی سب ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کررہے تھے، لیکن CNN کو سب پر فوقیت اور برتری حاصل تھی، اس لئے کہ پنٹاگن سے اس کا خاص معاہدہ تھا، اس کو جو غیر معمولی سہولتیں اور زبردست وسائل حاصل تھے وہ کسی اور ٹی وی کمپنی کو میسر نہ تھے، عراق نے بھی CNN کے نامہ نگاروں کو چھوڑ کر باقی تمام اخباری نمائندوں کو ملک سے نکال دیا تھا، اس بنا پر تنہا سی، ان ان ہی کے ذریعہ پوری دنیا کو عراق کے اندر کی خبریں دی جارہی تھیں لیکن اس رپورٹنگ پر بھی پنٹاگن کا سایہ تھا۔

CNN کا مرکز اٹلانٹا (امریکہ) میں تھا وہاں اس کا ایک مخصوص چینل سی، ان، ان ایشیا کے نام سے قائم تھا جو چوبیس گھنٹے عراق سے بھیجی ہوئی خبریں اور تصاویر نشر کرتا تھا، اس کے علاوہ انٹرنیشنل سی، ان، ان کے اناؤنسر کا تعلق اٹلانٹا کے اسٹوڈیو کے ذریعہ سے براہ راست بغداد، ریاض، بحرین، اور ظہران میں موجود CNN کے نامہ نگاروں سے قائم تھا۔ ۱۷؍جنوری ۱۹۹۱ء کو بغداد پر حملے کی رپورٹ بغداد میں متعین CNN کے نامہ نگار

پیٹر آرنٹ نے تفصیل سے اٹلانٹا بھیجی جس میں اس نے بغداد پر فضائی بمباری کی تفصیلات تصاویر کے ذریعہ دیں، پھر کیمرے کا رخ ظہران ایرپورٹ کی طرف پھیر دیا جہاں پر امریکی اور برطانوی بمبار جہازوں سے اترتے ہوئے ہوابازوں کو دکھایا جو کامیاب فضائی حملے کے بعد مسرور اپنے اپنے جہازوں سے اتر رہے تھے، اس خلیجی جنگ کی رپورٹنگ کرنے والے چار ہزار چھ سو نامہ نگاروں کی معلومات کا واحد ذریعہ CNN کی رپورٹیں ہوا کرتی تھیں، CNN کی غیر معمولی کامیاب رپورٹنگ کا حوالہ امریکی صدر جارج بش نے بھی دیا، انہوں نے ایک سربراہ مملکت سے فخریہ انداز میں کہا کہ .C.I.A سے زیادہ بہتر معلومات ہمیں CNN سے مل رہی ہیں خود سی، آئی۔اے کے ڈائرکٹر ولیم وسٹر نے قومی سلامتی کے مشیر برنٹ اسکوکرافٹ سے فون پر کہا کہ آپ CNN کھولئے تاکہ یہ دیکھیں کہ ہمارے میزائل بغداد پر کہاں کہاں نشانہ لگا رہے ہیں۔عراق پر فضائی بمباری سے تین دن قبل CNN نے تل ابیب سے اپنے نامہ پیٹر آرنٹ کو بغداد بھیجدیا، جہاں مزید دو نامہ نگار جان ہولیمن اور برنارڈ شا پہلے سے مقیم تھے یہ تینوں رشید ہوٹل کی نویں منزل پر مقیم تھے، ان کے ساتھ کچھ ٹکنیشین بھی تھے جو جاسوسی کا کام بھی کرتے تھے۔

جب ۱۷ جنوری کی شب میں بغداد پر فضائی حملہ ہوا تو پہلے ہی مرحلے میں لاسلکی تنصیبات، ٹی وی ٹاور اسٹیشن تباہ کردیئے گئے تھے، اس طرح مصنوعی سیاروں سے روابط کے سارے مراکز برباد کردیے گئے، بغداد کی حکومت کا سارا رابطہ بیرونی دنیا سے ختم ہوگیا، لیکن CNN کے نامہ نگاروں کے پاس ڈش انٹینا موجود تھا، جس کے ذریعہ وہ بغداد کے لاسلکی نظام سے آزاد اور مستغنی ہوکر براہ راست اٹلانٹا سے رابطہ قائم کرکے جنگ کی خبریں اور تصاویر پوری دنیا کے مشاہدین کو دے رہے تھے، اٹلانٹا کے اسٹوڈیو میں بیٹھے اناؤنسر کے سوالوں کے جوابات جس نوعیت کے ہوتے اس کے مطابق پنٹاگن بمباری کی ہدایت اسی وقت جاری کردیتا تھا...... اس ایک دن ۱۷ جنوری ۱۹۹۱ء کی رپورٹنگ میں جو سوالات وجوابات بغداد اور اٹلانٹا کے درمیان ہوئے ان کا لفظی ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

نامہ نگار ہولیمن: میں رشید ہوٹل سے دیکھ رہا ہوں کہ بغداد کے متعدد علاقوں پر بمباری ہورہی ہے۔

اناؤنسر: میں نے سنا ہے کہ صدام حسین نے عوام کے نام کوئی پیغام نشر کیا ہے۔

نامہ نگار: میں نے بھی یہ سنا ہے کہ آج صبح چار بج کر بیس منٹ پر صدام حسین ٹی وی اسٹیشن پر اپنا پیغام رکارڈ کرانے گئے تھے۔

اناؤنسر: کیا ابھی تک صدام حسین ٹی وی اسٹیشن پر موجود ہیں۔

نامہ نگار: مجھے یقینی طور پر نہیں معلوم، البتہ ہمارے ساتھ جو ٹکنیشین موجود ہیں انہوں نے ہمیں خبر دی ہے کہ صدام آج صبح چار بجکر بیس منٹ پر ٹی وی اسٹیشن آئے اور انہوں نے عراقی عوام کے نام پیغام رکارڈ کرایا۔

اناؤنسر: کیا آج دوبارہ صدام ٹی وی اسٹیشن آئیں گے؟

نامہ نگار: مجھے نہیں معلوم، ہوسکتا ہے دوبارہ آئیں۔

اناؤنسر: ہم نے سنا ہے کہ صدارتی محل پر بھی بمباری ہوئی ہے۔

نامہ نگار: ہم کو یہاں سے جو نظر آرہا ہے وہ یہ کہ صدارتی محل کے دائیں طرف کے علاقوں پر بمباری ہوئی ہے، ہوسکتا ہے اس حملہ کا نشانہ صدارتی محل رہا ہو، لیکن زبردست بمباری کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بمبار طیاروں نے صحیح نشانہ پر بمباری نہیں کی۔

اناؤنسر: کیا ابھی تک صدارتی محل پر بمباری نہیں ہوئی۔

نامہ نگار: میرا خیال ہے کہ قصر صدارت سے متصل علاقوں پر بمباری ہوئی ہے۔

اناؤنسر: براہ کرم آپ تفصیل سے بتائیے کہ کہاں کہاں بمباری ہوئی ہے۔

نامہ نگار: ہر جگہ بمباری ہورہی ہے، جنوبی حصوں پر شدید بمباری ہورہی ہے، طیارہ شکن توپوں سے بھی آسمان پر روشنی ہورہی ہے، میرا خیال ہے کہ مواصلات کا مرکز تباہ کردیا گیا ہے۔

اناؤنسر: کیا آپ خطرہ محسوس کررہے ہیں۔

نامہ نگار: ہم ایسا محسوس کررہے ہیں، اگر کوئی جہاز ملا تو آج دو بجے دوپہر تک بغداد چھوڑ دیں گے۔

اناؤنسر: کیا بغداد ایرپورٹ ابھی تک محفوظ ہے، اسپر بمباری نہیں ہوئی؟

نامہ نگار: ہاں ابھی تک وہاں بمباری نہیں ہوئی، اگر دو بجے تک بغداد ایر پورٹ محفوظ رہ گیا تو ہوسکتا ہے کوئی جہاز مل جائے۔

اناؤنسر: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ صدام حسین اس وقت کہاں ہونگے، کیا صدارتی محل میں ہیں، یا فوجی ہیڈ کوارٹر میں یا ٹی وی اسٹیشن میں؟

نامہ نگار: متعین طور پر ہم بتا نہیں سکتے، جیسے ہی ہم کو معلوم ہوگا آپ کو ہم مطلع کریں گے۔

اناؤنسر: آپ چوکنا رہیں، اپنی سلامتی کا خیال رکھیں، آپ سے ہم رابطہ قائم رکھیں گے۔

یہ گفتگو ٹی وی رپورٹوں کے درمیان پانچ بجے صبح سے دس بجے تک ہوتی رہی، شام ہونے سے پہلے بغداد ایر پورٹ، ٹی وی عمارت قصر صدارت اور اس سے متصل مختلف وزارتوں کے مراکز بمباری سے تباہ و برباد کردیے گئے، جب بغداد تباہ و برباد ہو چکا تب عراقی حکام کو ہوش آیا کہ CNN کے نامہ نگاروں نے چند گھنٹوں کے اندر کس طرح بغداد کو تباہ کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، اسی دن شام کو عراقی حکام نے تمام اخباری نامہ نگاروں کو بغداد چھوڑنے کا حکم دیدیا۔ CNN کے ایک نامہ نگار پیٹر آرنٹ کو اسلئے باقی رہنے دیا گیا کہ وہ عراقی صدر کے بیانات اور انٹرویو کو بڑی اہمیت کے ساتھ نشر کرتا تھا...... پنٹاگن کی ہدایت پر پیٹر آرنٹ نے صدام حسین سے بمباری کے دوران تفصیلی انٹرویو بھی لیا، لیکن چونکہ مواصلاتی مراکز تباہ ہو چکے تھے اسلئے دشواری یہ تھی کہ اس انٹرویو کو اٹلانٹا کیسے بھیجا جائے، پیٹر نے پنٹاگن سے درخواست کی کہ چار گھنٹے تک بمباری روک دی جائے تاکہ وہ ڈش انٹینا کے ذریعہ انٹرویو بھیج سکے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جنگ کے بعد جان ہولیمن اور برنارڈ شا سے اٹلانٹا کے مرکز نے تفصیلی انٹرویو لیا، اس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کہا جاتا ہے کہ آپ دونوں نے حلیف مغربی ملکوں کو قیمتی معلومات فراہم کیں۔ دونوں نے اعتراف کیا کہ اگر ایسا سمجھا جاتا ہے تو ہمارے خیال میں صحیح ہے، اور CNN نے دنیا کی جنگی تاریخ میں نئی مثال قائم کی ہے، امریکہ ٹکنالوجی اور فوجی حکمت عملی، دونوں ہی اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

امریکی فضائیہ کے ایر مارشل نے ریاض میں ایک پریس کانفرنس میں اعتراف کیا کہ CNN کے نامہ نگاروں نے مغربی ممالک کو قیمتی معلومات فراہم کیں تھیں، ہم CNN کے پرگرام دیکھ کر آپریشن کے احکامات جاری کرتے تھے، اور جن علاقوں کی

نشاندہی کی جاتی تھی ان پر بمباری کے لئے جہازوں کو بھیجتے تھے۔ امریکی وزیر دفاع ڈک چینی نے بھی اعتراف کیا کہ بغداد پر بمباری کی تفصیلات ہم CNN پر دیکھتے تھے، بعد میں C.I.A. نے یہ تسلیم کیا کہ CNN اور پنٹاگن کے درمیان مکمل تعاون اور ہم آہنگی تھی، امریکی حکومت نے جنگ کے بعد جان ہولیمن اور برنارڈ شا کو پنٹاگن میں اُونچا عہدہ بھی دیا۔

....

عالمی قوت کی حیثیت سے سویت یونین کے منتشر ہونے کے بعد امریکہ نے جس نئے عالمی نظام کا خاکہ تیار کیا ہے اُس کے چار اہم ستون ہیں، ان چاروں کا اصل مقصد یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں جب تک ممکن ہو امریکہ کو واحد سپر پاور کی حیثیت حاصل رہے اور کوئی متبادل قوت وجود میں نہ رہے۔

یہ چار ستون جن پر امریکی عمارت تعمیر ہوگی اس طرح ہیں :

۱۔ عالمگیریت GLOBALISATION جس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں ایک ایسا معاشی نظام قائم کیا جائے جس میں آزاد تجارت، سرمایہ کی آزاد حرکت اور کثیر المقاصد بین الاقوامی کمپنیوں کے ذریعہ عالمی معیشت پر مغربی اقوام اور خصوصیت کے ساتھ امریکہ کے تسلط کو دائمی شکل دی جائے۔

۲۔ اس نظام کا دوسرا ستون سیاسی ہے، یعنی انفرادی آزادی، جمہوریت، حقوق انسانی کا تحفظ اور مذہبی رواداری کی ترویج، اور اس کے پردے میں ان ممالک میں ایسے نظاموں کا قیام عمل میں لایا جائے جن کو سیاسی جوڑتوڑ، مالی وسائل، معاشی مراعات اور ذرائع معلومات کے توسط سے فکری کنٹرول اور تہذیبی غلبے کے ذریعہ بہ آسانی متاثر کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اس نظام کا تیسرا ستون ٹکنالوجی ہے، خصوصیت سے نیوکلیر اور ہائی ٹک (HI-TECH) کمپیوٹر ٹکنالوجی پر مغربی اقوام کی اجارہ داری ہے، نئے دفاعی نظام کا بنیادی ستون امریکہ کی مستقل اور ناقابل چیلنج عسکری قوت کا استحکام اور اسے جہاں سے بھی کوئی خطرہ ہو (خواہ وہ کتنا ہی موہوم کیوں نہ ہو) اسے ختم کرنے کا ہے۔

۴۔ اس نظام کا چوتھا ستون نئی سیاسی حصار بندی ہے جسے بہت ہی ہوشیاری لیکن عیاری کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے، اس میں ناٹو کی توسیع، مشرق وسطی میں اسرائیل کی عسکری بالادستی کے قیام کے بعد اس کے معاشی غلبہ کیلئے عربوں کے ساتھ صلح کے معاہدہ کی کوشش، وسط ایشیا میں ایک بار پھر روس اور مغرب سے منسلک ریاستوں کے مسلمان ریاستوں پر اثر انداز ہونے کے نظام کے درو بست، ہندوستان کو ایک ایشیائی قوت کے طور سے آگے لانے کی کوشش تا کہ اسلامی ممالک اور وہاں سرگرم عمل اسلامی تحریکوں پر قابو پانے کا منصوبہ پورا کیا جائے۔

مغربی میڈیا کے ذریعہ مندرجہ بالا چاروں ستونوں کو مستحکم بنانے میں امریکہ اور اس کی حلیف طاقتیں اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر رہی ہیں۔

....

کتاب کا پس منظر

''مغربی میڈیا اور اس کے اثرات'' کے عنوان سے چند سال قبل راقم سطور نے ایک محاضرہ دار عرفات (رائے بریلی) کی ماہانہ نشست میں دیا تھا، اس وقت ہمارے سامنے چند نوٹس تھے، بعد میں ان کو پھیلا کر سات قسطوں میں تعمیر حیات میں مضمون لکھا گیا جو ہندوستان و پاکستان کے اخبار اور رسائل میں کثرت سے نقل کیا گیا، دوستوں نے اس مقالہ کو کتابچہ کی شکل میں اور بعض نے مزید تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر کتاب شائع کرنے کا تقاضا کیا لیکن تدریسی مشغولیات نے اس کا موقع نہیں دیا کہ مزید مضامین کا اضافہ کیا جائے۔ اب کئی گنا اضافوں کے بعد یہ کتاب ان سب حضرات کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

یہ تقدیری بات ہے کوئی اتفاق نہیں کہ اس راقم کا سب سے پہلا مضمون ندائے ملت میں ۱۹۶۳ء میں جس موضوع پر شائع ہوا تھا اس کا عنوان بھی تقریباً یہی تھا یعنی ''عالمی یہودی صحافت'' اس وقت ہم نے ایک عربی کتابچہ الصحافۃ الیہودیۃ فی العالم کو سامنے رکھ کر تلخیص کر کے مضمون تیار کیا تھا، پھر جب ۱۹۶۹ء میں ندائے ملت میں عالم اسلام کا

"لکھنے لگا تو مزید معلومات کے لئے عربی اخبارات و رسائل کے مطالعہ کے ساتھ عرب ممالک کے ریڈیو بھی سنا کرتا تھا، مولانا سیّد محمد الحسنی مرحوم سے بنیادی رہنمائی حاصل ہوتی تھی، وہ ہمیشہ سنجیدہ، مثبت اور تعمیری و دعوتی موضاعات پر مضامین لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں سہ روزہ دعوت کے مدیر، جناب محمد مسلم صاحب سے تعارف اتفاق ہوا تو مرحوم نے بعض جذباتی مضامین کے بارے میں ایسے صائب اور مفید مشورے دیئے جن کے فائدے ابھی تک محسوس کرتا ہوں، مرحوم نے بنیادی بات منجملہ اور باتوں کے ایک یہ بھی بتائی کہ مغربی نیوز ایجنسیوں کی دی ہوئی خبروں کو بنیاد بنا کر کوئی فیصلہ کن مضمون نہ لکھنا اور نہ ہی سو فیصدی ان پر یقین کرنا اسلئے کہ ان کے ہر لفظ کے پس پردہ مغربی ملکوں کے اپنے مفادات مضمر ہوتے ہیں، وہ خبریں کچھ دیتی ہیں، اندرونی حقائق اس کے برعکس ہوتے ہیں، انہوں نے یہودی میڈیا کے اسلوب پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا جو ایک ملک کے ایرپورٹ پر پیش آیا تھا کہ اس کے پس پردہ فلاں حکومت ہے، بنیادی مقصد اس کا یہ ہے کہ اس حادثہ کے ذریعہ مخالف پارٹی پر وار کیا جائے، لیکن ان حقائق کا انکشاف دس سال کے بعد ہوگا۔

مصر کے دوران قیام تعلیم کے ساتھ قاہرہ ریڈیو کے اردو شعبہ سے کچھ عرصہ وابستگی رہی تو ذرائع ابلاغ کے موضوع پر بہت سی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا، کام کے دوران ذاتی طور پر اس کا تجربہ ہوا کہ حقائق کو کس طرح مسخ کر کے خوب صورت انداز میں بار بار پیش کیا جاتا ہے، عالم عربی کے چوٹی کے روز ناموں الاہرام، الاخبار اور الشرق الاوسط کے مقالات و مضامین اور خبریں نظر سے گذرتیں، مغربی میڈیا کے نقش قدم پر عالم عربی کے ذرائع ابلاغ کو پوری طرح گامزن پایا، بلکہ حائق کو یکسر بدلنے اور چھپانے میں عرب میڈیا کو مغربی ذرائع ابلاغ پر فوقیت حاصل ہے ان میں نام نہاد جمہوری اور شخصی حکومتوں میں کوئی فرق نہیں۔

خلیجی جنگ کے دوران ایک طرفہ خبروں نے ذرائع ابلاغ کی دنیا میں نئی اور انوکھی مثال قائم کی، پوری دنیا کی رہنمائی کرنے والے جینئس صحافیوں کو امریکی پنٹاگن کی اس نئی پالیسی نے چونکا دیا کہ اس دور میں بھی یہ ممکن ہے کہ ذرائع ابلاغ پر سو فیصدی امریکی

وزارت دفاع کا قبضہ ہو جائے اور کوئی کتنا ہی ہاتھ پاؤں مارے اور احتجاج کرے اس کی آواز صدا بصحرا ثابت ہو، عملاً ایسا ہی ہوا اور ہو رہا ہے کہ ساری دنیا کی خبریں پہلے امریکہ بھیجی جاتی ہیں جہاں مخصوص سانچوں میں ڈھال کر انھیں پوری دنیا میں ارسال کر دیا جاتا ہے، اس طرح گلوبلائزیشن کے نقشے میں رنگ بھرا جا رہا ہے۔

لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ہم یہودی عزائم کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا مایوس ہو جائیں، انفرادی او اجتماعی کوششیں ہو رہی ہیں اور ہر سطح پر یہ تعمیری اور مثبت جدوجہد کی جا رہی ہے، اگر چہ یہ اونٹ کے منہ میں زیرا کے برابر ہے لیکن بہر حال یہ زیرا دیا جا رہا ہے، ان کوششوں کے مراکز زیادہ تر مغربی ممالک میں ہیں، ریڈیو ٹی وی اسٹیشن امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ، اور ترکی میں قائم کر کے ان کے ذریعہ اسلام کی تعلیمات کو موثر ڈھنگ سے پیش کیا جا رہا ہے، ترکی اور قطر سے مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ٹی وی پروگرام یورپ میں مقبول ہو رہے ہیں، جب سے سعودی حکومت نے حج کے شعائر کو مصنوعی سیاروں کے ذریعہ پوری دنیا میں CNN اور STAR.T.V. سے معاہدہ کر کے نشر کرنا شروع کیا ہے تب سے اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا ایک عالمگیر رجحان پیدا ہو گیا ہے، بلاشبہ یہ سعودی حکومت کا تعمیر حرمین کے بعد دوسرا بڑا کارنامہ ہے، ایسا غیر معمولی کارنامہ جس کے بڑے گہرے اور دور رس اثرات مرتب ہو رہے ہیں، کویت، قطر اور ترکی میں موجود دعوتی اور تعلیمی ادارے اور اہل خیر کی خاصی تعداد مصر، سوڈان، نائیجریا اور برصغیر میں موجود ہے۔ انفرادی اور اجتماعی طور سے امکانی حد تک لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں، ہم نے آخری باب میں ان کی طرف اجمالی اشارے کئے ہیں۔

کتاب میں زیادہ تر معلومات مختلف عربی انگریزی اور اردو رسائل و اخبارات کے تراشے سے لی گئی ہیں، ان کی فہرست آخر میں دیدی گئی ہے۔

کتاب کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے دشمنوں کی سازشوں سے واقف ہوں اور مغربی ذرائع ابلاغ کی مہیا کی ہوئی خبروں کو وحی کا درجہ نہ دیدیں اور نہ ہی نئی نسل کو اس کے بنائے ہوئے سانچے میں ڈھل جانے کی کھلی چھوٹ یہ کہہ کر دیدیں کہ اگر بچے ہمارے گھر میں ٹی وی نہیں دیکھیں گے تو دوسری جگہ چھپ کر دیکھیں گے۔

تمنا تھی کہ یہ کتاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں ہی شائع ہوجاتی، حضرت والا کے علم میں یہ بات تھی کہ کتاب زیر طبع ہے، قدر افزائی کے کلمات بھی فرمائے تھے، اور ارشاد فرمایا تھا کہ پیش لفظ لکھیں گے، اس کی تلافی تو ممکن نہیں البتہ بطور تبرک حضرت والاؒ کی دو تحریریں پیش کی جارہی ہیں جو چشم کشا اور اس موضوع پر منارۂ نور ہیں۔

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے شکر گذار ہیں جنہوں نے اپنے قیمتی مقدمہ سے اس کتاب کو زینت بخشی۔

مغربی میڈیا کے ذریعہ پھیلائی گئی عالمگیر تباہی کو سمجھنے اور اس کے دوررس اور گہرے اثرات کا تجزیہ کرنے میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ایڈیٹر الرائد (عربی) کو بڑی غیر معمولی بصیرت حاصل ہے، اس کتاب کی ترتیب میں مولانا موصوف کی رہنمائی سے بڑی مدد ملی ہے، جزاهم الله خير الجزاء.

میڈیا ہمارا خصوصی موضوع نہیں ہے، لیکن موضوع سے ذاتی دلچسپی نے یہ کتاب ہم سے لکھوائی ہے، اس فن کے ماہرین سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مفید مشوروں سے نوازیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو دعوتی مقاصد کے لئے مفید بنائے۔ اور کوتاہیوں سے درگذر فرمائے۔

نذر الحفیظ ندوی
استاذ عربی ادب
دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۲۱ھ
۱۷ر ستمبر ۲۰۰۰ء

مقدمہ

حضرت مولانا سیّد محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حدیث شریف میں عہد اوّل کے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے واقعات میں غزوہ تبوک سے تعلق رکھنے والا ایک واقعہ اپنی ایک خاص خصوصیت کا حامل رہا ہے، وہ واقعہ یہ تھا کہ غزوۂ تبوک شدید گرم موسم، پھلوں کے پکنے اور باغات کے گھنے سایے سے لطف لینے کے زمانہ میں پیش آیا تھا اس کے اثر سے چند افراد غزوہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ جہاد کیلئے جانے سے رہ گئے تھے، ان میں سے چند تو وہ تھے جو دل سے اسلام نہیں لائے تھے اور دوہری پالیسی رکھتے تھے ان کے اسلام کے جھوٹے دعوے سے حضور ﷺ واقف بھی تھے لیکن چونکہ وہ اپنے جھوٹے طرز عمل کو چھپاتے تھے اسلئے حضور ﷺ بھی ان سے ردوقدح نہیں فرماتے تھے، انکے علاوہ تین حضرات ایسے بھی تھے جو اسلام کا سچا جذبہ رکھتے تھے۔ جھوٹے لوگ تو جان بوجھ کر تبوک سے غیر حاضر ہوئے تھے لیکن یہ تین سچے لوگ معمولی رکاوٹ اور قدرے سستی کی بنا پر سفر نہ کر سکے تھے، غزوہ سے واپسی پر جھوٹے عذر والوں نے حضور ﷺ سے اپنا جھوٹا عذر بیان کیا حضور ﷺ نے سن لیا اور ان کو نظر انداز کر دیا لیکن تین سچے لوگوں نے کوتاہی کا اعتراف کر لیا، آپ ﷺ نے ان کی گرفت فرمائی اور کہا کہ انتظار کرو اب خدا ہی فیصلہ کریگا۔ اور تمام اہل ایمان کو ان تینوں کا بائیکاٹ کرنے کا حکم دے دیا۔ تینوں نے سزا کو صبر وایمان کے ساتھ چالیس روز تک برداشت کیا، اس واقعہ کو حضرت کعب نے اس طرح بیان کیا ہے کہ مجھ سے جب حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ جہاد میں کیوں نہیں نکلے تو میں نے عرض کیا کہ حضور اگر میں عذر بیان کرنا چاہوں تو ایسا عذر پیش کر سکتا ہوں کہ آپ اس کو مان لینگے کیونکہ مجھ کو اپنی بات کو مناسب دلیل کے ساتھ مؤثر

ڈھنگ سے کہنے کی صلاحیت حاصل ہے، لیکن ایسا کرونگا تو جھوٹ کہونگا، اس سے دھوکہ تو دے سکتا ہوں لیکن خدا کو راضی نہیں کر سکتا، سچی بات یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا صرف کوتاہی تھی، حضورﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے تو سچ بتا دیا اچھا انتظار کرو اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوگا، اور تینوں اشخاص سے بات کرنے کو منع کر دیا۔ حضرت کعب کا یہ کہنا کہ ہمکو مطمئن کر دینے والی بات کرنے کی صلاحیت حاصل ہے، یہی وہ صلاحیت ہے جو موجودہ دور میں میڈیا کے راستے سے ظاہر ہوتی رہتی ہے یہ صلاحیت اگر صالح اور مفید مقصد کے تحت ہو تو صالح میڈیا ہے ورنہ فاسد اور مضر میڈیا ہے، میڈیا کی اس کارکردگی کو عام طور پر اختیار کر لیا گیا ہے اسلام دشمن لوگ اس کو عام طور پر اسلام کو نقصان پہونچانے کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

اس کی وجہ سے زندگی کے حقائق بدل کر سامنے آتے ہیں اور حق بات چھپی رہ جاتی ہے، اس طرح کی میڈیا کا موجودہ عہد میں بہت چلن ہو گیا ہے بلکہ اب اس کو مستقل فن بنالیا گیا ہے۔ کہ واقعہ کچھ بھی ہو اس کو اپنے مقصد کیلئے مفید بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ اس میں جھوٹ، نفاق، حق تلفی اور خلاف حقیقت بات کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، ظاہر ہے کہ اسلام اس کو نہیں پسند کرتا وہ کہتا ہے کہ سچی پکی بات کہو ورنہ نہ کہو اور دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ لیکن یورپ نے ہوشیاری اور چالاکی سے بات کرنے کو اور واقعات کو اپنے پسندیدہ مقاصد کے تحت ہی پیش کرنے کو ایک فن کے طور پر اختیار کر لیا ہے یہ وہ میڈیا ہے، جو مغربی اقدار اور جاہلیت کی باتوں کی ترویج کیلئے دنیوی دانشوروں نے اختیار کیا اور رواج دیا ہے، جس نے اخلاقی تو اخلاقی انسانی قدروں کو بھی پامال کر دیا ہے اسی کے ساتھ ساتھ کچھ سر پھرے لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے پروردگار کے ڈر سے جھوٹ سے بچتے ہیں اسطرح ان کا میڈیا اسلامی میڈیا ہوا۔ جھوٹ والا میڈیا ایسی خوبصورتی کے ساتھ چلتا جا رہا ہے کہ اچھے اچھے آدمی دھوکہ کھاتے ہیں، مسلمانوں کو اور اسلام کو آجکل اس کا سخت مقابلہ ہے۔

مولانا نذر الحفیظ صاحب نے میڈیا کو یہودیوں کی طرف سے اپنا لینے کے وقت سے آج تک کا اس کے موثر اور تخریبی رول کا جائزہ لیکر بہت جامع اور مفید کتاب تیار کی ہے، اس کو یہودی کوششوں کے پس منظر میں بیان کیا ہے پھر آخر میں اسلام کی طرف سے حق پسندی کا طور وطریقہ واضح کیا ہے۔

اس طرح یہ کتاب بہت سے قارئین کے سامنے نئے انکشافات پیش کرتی ہے، اور اسمیں دعوت کے صحیح انداز عمل کی نشاندہی کی ہے، اس طرح اس زمانہ میں سامنے آنے والے اور انسانوں کے رایوں اور خیالات کی تشکیل جدید کرنے والے اس اہم ذریعہ کی وضاحت کی ہے۔ جسکو پڑھ کر قارئین کے سامنے نئی حقیقتیں آجاتی ہیں۔ اللہ تعالٰی اس کو حق وایمان کے مقصد کیلئے مفید بنائے اور لوگوں کیلئے اس کو صحیح فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنادے۔

دیباچہ

(طبع سوم)

۱۱ر ستمبر کے ڈرامہ پر ایک نظر

نحمده ونصلّي علىٰ رسوله الكريم!امّا بعد

مصنف کا قلم اور قلب دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے شکر وسپاس سے معمور ہے کہ محض اس کے فضل وکرم سے ایک سال کے اندر کتاب کے دو ایڈیشن ہندوستان میں اور ایک ایڈیشن پاکستان میں شائع ہوکر مقبول ہوئے اب یہ تیسرا ایڈیشن ترمیم واضافہ کے بعد بصد مسرت شائع کیا جارہا ہے، کتاب کی جو بھی پذیرائی ہوئی ہے اس میں مصنف کو کوئی دخل نہیں تھا، یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور توفیق ہے، دوسرے مرشد ومربی حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ کی توجہ، دعاؤں کا صدقہ اور مادرِ علمی دار العلوم ندوۃ العلماء کی تربیت کا فیض کہ وقت کے فتنوں اور ہر دور کے تقاضوں کو سمجھ کر حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت واستعداد وہ اپنے فرزندوں میں پیدا کرتا ہے۔

جن حضرات نے بھی اپنے تاثرات سے ہمیں ذاتی طور پر مطلع کیا یا ہندو پاکستان کے رسائل واخبارات نے تبصرے کئے ان سب نے اس کتاب کو وقت کی ضرورت قرار دیا حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحریروں اور مجلسوں میں برابر فرمایا کرتے تھے کہ امریکی (عیسائی) وسائل اور یہودی دماغ دونوں ہی اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے میں پوری قوت سے لگ گئے ہیں۔'' ایک طرف فوجی طاقت کے ذریعہ مسلمانوں کی نسل کشی کی جارہی ہے تو دوسری طرف عالمگیریت GLOBALIZATION کے نام سے اعتقادی اور تہذیبی ارتداد کے سانچہ میں انہیں ڈھالنے کی سرتوڑ کوشش کی جارہی ہے اقتصادی شکنجہ میں عالم اسلام کو پہلے ہی سے کسا جاچکا ہے۔

۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگن پر حملے کا جو ڈرامہ اسٹیج کیا گیا اس کے پس پردہ امریکی وسائل اور یہودی دماغ کام کر رہے تھے، اس سازش کے بارے میں ذہن سازی اور منصوبہ بندی برسوں سے ناولوں اور فلموں سے کی جارہی تھی، یہودی دانشوروں، مفکروں، شاعروں اور فلم ساز اداروں نے یہ کام آج سے بائیس سال قبل ہی شروع کردیا تھا، انھوں نے روس کے زوال کے بعد اسلام کو اپنا نشانہ بنایا اور ہر طرف بڑے زور شور سے یہ پروپگنڈہ کرنے لگے کہ آئندہ صدی اسلام کی ہوگی، وہی ایک طاقتور نظریہ اور دلکش تہذیب کی صورت میں پوری دنیا پر چھا جائے گا، اگر اس کا مقابلہ ہوگا بھی تو مغربی تہذیب سے ہوگا یہودی دانشوروں میں سرفہرست برنارڈ لویس اور صمویل ہنٹنگٹن ہیں جنھوں نے تہذیبوں کے تصادم CLASH OF CIVILIZATION کا نظریہ پیش کیا، عالمی صہیونیت نے اس نظریہ کو اپنے عالمی ذرائع ابلاغ کے سپرد کردیا جس نے مختلف طریقوں وفلموں ڈراموں، ناولوں، افسانوں، خبروں اور تجزیاتی مقالات) سے مغربی ملکوں کے دل ودماغ میں اس نظریہ کو پیوست کرنے کی زبردست کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمیونزم کے خاتمہ کے بعد دشمنی کا رخ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہوگیا۔

۱۹۹۰ء کے موسم بہار میں امریکی خارجہ پالیسی کے یہودی گرو ہنری کیسنجر نے بین الاقوامی ایوان تجارت کی سالانہ کانفرنس کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اب صورت حال یہ ہے کہ مغرب کے سامنے عالم عربی واسلامی میں جو نیا دشمن ہے اور جس کا اس کو سامنا ہے وہ اسلام ہے''۔

کیسنجر کا دوسرا بیان ۱۵ر ستمبر ۲۰۰۱ء کو اس طرح سامنے آیا کہ ''اسلامی تشدد اور دہشت گردی کے خلاف کل کے بجائے آج ہی جنگ کا آغاز کردینا چاہئے'' اس تاریخ میں برطانوی روزنامہ سنڈے ٹیلیگراف نے ایک کلیدی مقالہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے ''کیا اسلام ہم کو دفن کردے گا؟ ۱۵ر ستمبر ہی کو سنڈے ٹائمس لندن نے افتتاحی مقالہ میں مغرب کو متوجہ کیا کہ ''شمالی افریقہ میں بحرابیض متوسط کے ساحل سے لیکر وسطی ایشیا کے چینی حدود تک اسلامی فنڈا منٹلزم پھیل گیا ہے، اس سے جلد سے جلد نمٹنے کی ضرورت ہے''

اپریل ۱۹۹۲ء میں اکنامک نے اپنے پہلے صفحہ پر اسلام ہی کو موضوع بناتے ہوئے ایک تصویر شائع کی جس میں ایک شخص عربی لباس میں بندوق لئے ایک مسجد کے سامنے کھڑا

ہے۔اس تاریخ کو ہفت روزہ ٹائم نے ایک رپورٹ شائع کی جس میں کہا گیا کہ پوری دنیا کو اسلام سے ڈرنا اور اس کے خطرات سے چوکنا رہنا چاہئے۔رسالہ نے اپنے ٹائیٹل کے صفحہ پر مسجد کے منارے کی تصویر شائع کی اس کے پہلو میں ایک ہاتھ کو مشین گن لئے دکھایا گیا ہے۔

دسمبر ۱۹۹۳ء میں ایک فرنچ رسالہ لے مونڈ ڈپلومیٹ نے ایک مضمون شائع کیا جس میں اس نے لکھا کہ ''اسلام کے خلاف جنگ صرف فوجی میدان میں نہیں ہوگی بلکہ ثقافتی اور تہذیبی میدان میں بھی معرکہ آرائی ہوگی اور اس کی اہمیت ہوگی''۔

سابق امریکی صدر کلنٹن نے عالمی دہشت گردی کے خلاف جس جنگ کے آغاز کی دعوت دنیا کی تمام قوموں کو دی تھی بلکہ انہوں نے اسلامی ملکوں کے رہنماؤں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی تھی اس میں اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا جذبہ اور نیت بھی شامل تھی۔

اگر ہم اس سے آگے بڑھ کر یہودی سازشوں کی گہرائی تک جائیں تو ہالی وڈ کی فلموں کے ذریعہ یہودیوں نے جس طرح کی جنگ مسلمانوں پر مسلط کی ہے وہ اچھی طرح سب کو معلوم ہے، اس میں شک نہیں کہ ہالی وڈ کو یہودیوں کا قلعہ اور اسلام کے خلاف سازشوں کا بہت بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے، ایک صدی سے زائد سے یہاں فلموں کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف نفرت وکدورت بغض وکینہ اور کراہیت ودشمنی پوری دنیا میں پھیلائی جارہی ہے۔

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں ''ڈیلٹا فورس'' نامی فلم، ''انتقام'' ۱۹۸۶ء ذلت سے پہلے موت'' ۱۹۸۷ء آسمان کی چوری'' ۱۹۸۸ء جیسی فلمیں بنائی گئیں ان سب کا بنیادی محور یہی تھا کہ عرب بدو تباہ کن اسلحہ کے مالک ہیں، وہ اس کے ذریعہ معصوم اور بے گناہ انسانوں کو دھمکی دیتے ہیں، لیکن مغربی ممالک ان معصوم انسانوں کو عربوں کی درندگی سے محفوظ رکھنے کی خاطر مداخلت کرتے ہیں یہ مغربی ممالک تمام انسانوں کے بنیادی حقوق کے لئے لڑتے ہیں، انہیں دوطرفہ مشکلات کا سامنا ہے۔ایک طرف سرخ کمیونزم ہے تو دوسری طرف سبز اسلامی پرچم جو سراپا شر اور بدی کا محور ہے۔

۱۹۹۲ء میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے تجرباتی ڈرامہ اسٹیج کرنے کے بعد ہالی وڈ نے ''حقیقی جھوٹ'' (ڈائرکٹر اور ہیرو آرنلڈ شورزگر) نامی فلم بنائی جس میں امریکہ میں سرگرم ایک عرب ملیشیا کا ذکر کیا گیا ہے اس ملیشیا نے اپنا شعار اور نعرہ یہ بنا رکھا ہے ''اسلام پسندوں کی

آزادی''۔ یہ لوگ نیویارک کے عالمی تجارتی مرکز کے قریب عمارتوں کو ہوائی جہاز سے ٹکرا کر تباہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس مقصد کے لئے شدید دھماکہ خیز بم اور ہوائی جہاز امریکہ سے اغوا کر کے لاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ عالمی تجارتی سنٹر اور اس کے قریبی عمارتوں کو تباہ کردیں لیکن امریکی جاسوسی کے ادارے کے ایک افسر اور اس کی بیوی ہوا باز کے ارادے سے باخبر ہو جاتے ہیں دونوں اس کو مجبور کرتے ہیں کہ اس خطرناک ارادے سے باز آجائے پھر وہ دونوں اس بم کو ناکارہ بنا دیتے ہیں، اس طرح نیویارک کو تباہی سے بچا لیا جاتا ہے۔

دوسری فلم ''امریکی صدر کے جہاز کا اغوا'' کے نام سے بنائی جاتی ہے (ہیرو ہارین فورڈ) ڈائرکٹر اسٹیفن سپلبرگ (یہودی) اس فلم میں بنایا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست داغستان کے لوگ بش کو قتل کرنے کی سازش کرتے ہیں وہ امریکی صدر کے جہاز کو اغوا کر کے قتل کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید ترین نفرت وکینہ اور بغض وعداوت کا اظہار ایک دوسری فلم ''حصار'' میں کیا گیا ہے یہ ۱۹۹۸ء کی نمائش میں سب سے کامیاب ترین فلم تھی اور اس نے رکارڈ توڑ کامیابی حاصل کی یہاں تک کہ ہالی وڈ نے اس کی غیر معمولی مقبولیت کا جشن بھی منایا۔ اس فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ امن وسلامتی کے داعی اور ساری انسانیت کے خیر خواہ اور خوش حال مثالی امریکی معاشرہ کو تباہ وبرباد کرنے کے لئے بغض وعداوت اور نفرت وکینہ اور حسد سے بھرے انسانیت کے دشمن مسلمان عالمی تجارتی مرکز کے گیراج پر حملہ کر کے اپنی تخریبی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہیں، یعنی پوری دنیا کو اگر خطرہ ہے تو صرف مشرق وسطیٰ کے عربوں سے یہودی شاطروں نے پہلی عالمی جنگ عظیم کے بعد اسلام اور مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے فرسودہ طریقوں کے بجائے نئی ٹکنک اختیار کی۔ میڈیا پر قبضہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ذہن سازی۔ شہرت اور جاہ طلبی کے خواہشمندوں کی مغرب دشمنی کا غیر معمولی پروپیگنڈہ کر کے مسلمانوں کی نظر میں ہیرو بنانا پھر اس سے اسلام دشمنی کا کام لینا اور ان کو آلہ کار بنا کر اسلام اور مسلمانوں کا قلع قمع کرنا، کمال سے جمال اور قذافی سے صدام تک کے کارناموں سے یہی تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بقول امریکی رسالہ نیوز ویک کے اگر صدام نہ ہوتا تو امریکہ کو نیا صدام ایجاد کرنا پڑتا۔

ترک ناداں مصطفیٰ کمال پاشا کو غازی بنا کر قبائے خلافت کو چاک کرادیا۔ جمال

عبدالناصر کو امریکہ دشمن بتا کر اس کے ہاتھوں ہزاروں فرزندان مصر کو تہ تیغ کرایا، اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلامی دنیا کے باقی رہنماؤں نے بھی اپنے نامہ اعمال سیاہ کرنے میں بازی لیجانے کی کوشش کی۔ تیسرا طریقہ ان یہودی شاطروں نے یہ اختیار کیا کہ اپنی ناک اپنے ہی ہاتھوں کاٹ کر دشمنوں کو ملیا میٹ کرنے کا بہانہ بنایا جائے، چوتھا طریقہ یہ اپنایا کہ مقابل کے بارے میں موافق اور مخالف دونوں طرح کی خبریں اس تسلسل اور منصوبہ بندی سے دی جائے کہ کوئی تیسری آواز سنائی نہ دی جائے، چنانچہ امریکہ اور مغربی ملکوں میں مقیم مسلمانوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافے، اسلام کے بطور مذہب مقبولیت کا ہوّا بھی اس مغربی میڈیا نے بنایا اور یہ بتانے کی بھرپور کوشش کی کہ یورپ وامریکہ کو جہاں خارجی خطرات مشرق ومغرب سے لاحق ہیں وہیں اندرونی خطرات بھی کچھ کم نہیں ہیں، دانشوروں کے علاوہ مغربی اور امریکی سیاستدانوں نے بھی ان خطرات کی نشاندہی کرتے ہوئے اعداد وشمار کی زبان میں بتایا کہ ۲۰۵۰ء تک مغربی ممالک اور امریکہ کی حالت اس وقت کے ترقی پذیر ممالک کی طرح ہو جائے گی جیسا کہ امریکی ریپبلیکن پارٹی کے صدارتی امیدوار مسٹر پیٹرک بیوکانن (۱) اپنی کتاب ''مغرب کی موت'' میں لکھتے ہیں ۲۰۵۰ء میں امریکہ کی حیثیت ایسے ہی ہو جائے گی جو اس وقت تیسری دنیا کی ہے۔ ۲۰۵۰ء تک عرب مسلمان اور افریقی یورپ پر قابض ہو جائیں گے، اس وقت اصل یورپی باشندوں کی تعداد صرف دس فیصدی ہوگی۔ اس میں سے بھی ایک تہائی ایسی ہوگی جن کی عمریں ساٹھ سے زیادہ ہوں گی، جاپان کا وجود بھی مغربی ملکوں کی طرح مٹ جائے گا اس لئے کہ اس کے یہاں انسانی پیدائش کا تناسب یورپ اور امریکہ کی طرح خوفناک حد تک گھٹ رہا ہے''۔

مسٹر بیوکانن کا تجزیہ اعداد وشمار اور موجودہ سماجی واخلاقی تناظر میں اسطرح ہے:

۲۰۵۰ء میں یورپ کے باشندوں کی کل تعداد ۱۳۵ ملین رہ جائے گی، اس میں سے ۲۳ ملین جرمن کی آبادی گھٹ جائے گی، روس کی آبادی میں تیس ملین، اٹلی کی آبادی ۱۳ ملین گھٹ جائے گی۔ روس کی آبادی اتنی غیر معمولی سرعت سے گھٹے گی کہ وہاں دھماکہ خیز انداز میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے گا، مسٹر پیٹرک بیوکانن کی پیشین گوئی کے مطابق یورپ کے سامنے آبادی کی کمی پر قابو پانے کے صرف دو ہی راستے ہیں، یا تو

(۱) مسٹر بیوکانن تین بار صدارتی امیدوار بنے لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔

بیکاری اور صحت کے مسائل و مشکلات پر جتنے اخراجات کر رہا ہے اس میں غیر معمولی کٹوتی کر دے اور ریٹائرڈ ملازمین کی پنشن میں کمی کر دے یا لاکھوں کی تعداد میں عربوں کو لا کر بسا لے تا کہ اس کی اقتصادی خوش حالی برقرار رہے۔

مسٹر پیٹرک بیوکانن اسرائیل کے متعلق بھی پیشینگوئی کرتے ہیں کہ ۲۰۵۰ء تک فلسطینیوں کی تعداد پندرہ ملین یعنی یہودیوں سے دوگنا ہو جائے گی جو اس کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہے، اس وقت تحریک انتفاضہ کی وجہ سے جس سرعت سے اسرائیلی بسے بسائے گھر چھوڑ کر فلسطین سے باہر جا رہے ہیں اس نے اور بھی آئندہ کے اندیشوں کو بڑا بھیانک بنا دیا ہے۔

مسٹر بیوکانن کا کہنا ہے کہ تمام عیسائی فرقوں میں کیتھولک فرقہ کے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کیتھولک فرقہ کے مقابلہ میں دوگنی ہو گئی دوسری تلخ حقیقت یہ ہے کہ مسیحی قوم زوال و انحطاط کے راستے پر تیزی سے جا رہی ہے، اس کے سامنے آبادی میں کمی پر قابو پانے کا کوئی حل نہیں ہے، یہ سب سے بڑی پیچیدگی ہے جو خود اس کے کئے کا پھل ہے، اس لئے لامحالہ اس کی آبادی سمٹ کر رہ جائے گی۔ وہ آبادی میں کمی کا بنیادی سبب جنسی اباحیت، اخلاقی انارکی اور انسانی معاشرہ (۱) مذہبی عقائد کی گرفت ڈھیلی پڑ جانے کو عقائد کی موت مانتے ہیں۔ مسٹر بیوکانن موجودہ حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے پیشینگوئی کرتے ہیں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور مکسیکو

---

(۱) سائنسی تحقیق سے بغیر کسی شبہ کے ثابت ہوتا ہے کہ پائدار ازدواجی اور خاندانی تعلقات معاشرتی ترقی کے لئے ازبس ضروری ہیں، تحقیقات نے دستاویزی ثبوت فراہم کئے ہیں کہ فطری خاندانی بندھن بچہ کو ہمہ جہتی بہبود کا فائدہ دیتے ہیں اس میں زیادہ تعلیمی مواقع، بہتر جذباتی اور جسمانی صحت، کمسنی میں لڑکیوں کی کم جنس سرگرمی اور لڑکوں میں کم بے راہ روی شامل ہے، امریکہ میں پچاس فیصدی بچے اپنے والدین کے گھروں میں صرف ماں کے ساتھ غربت کے ماحول میں رہ رہے ہیں جب کہ صرف ۱۰ رفیصدی بچے والدین کے گھروں میں غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں، اقوام متحدہ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ سائنسی لٹریچر کے ایک بنیادی سروے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شادی شدہ عورتوں کی بہ نسبت بے نکاحی عورتوں سے جنسی تعلقات جسمانی اور جنسی اعتبار سے زیادہ نقصاندہ ہے، ایسی مجامعت کے نتائج بچوں کے لئے اور بھی بھیانک ہیں۔ جبکہ یورپ و امریکہ میں ۲۰ راور ۲۵ رسال عمر کے لوگ بغیر شادی کے مجامعت کرتے ہیں اور اس زندگی کو پسند کرتے ہیں شمالی یورپ میں ایسے لوگوں کا تناسب ۴۰ تا ۹۰ فیصدی ہے یعنی ایک ہزار میں صرف ۳۶ لوگ شادی کرتے ہیں ۱۹۹۶ء کے اعداد شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ۷۵ فیصدی غیر شادی شدہ لڑکیاں اسقاط کراتی ہیں، حکومت دو لاکھ قانونی اسقاط کرانے والیوں پر پچپن ملین ڈالر خرچ کرتی ہے، ۷۵ رفیصدی شادی شدہ عورتیں اسقاط کراتی ہیں دو تہائی سفید فام عورتیں اسقاط کراتی ہیں، ان میں دو تہائی کی عمر ۱۵ راور ۲۴ کے درمیان ہوتی ہے۔

کے درمیان جنگ ہوگی جس میں مکسیکو کو اس پر غلبہ ہو جائے گا اس لئے کہ وہ تعداد اور اپنے کلچر نیز اقتصادی خوش حالی میں دوسروں سے ممتاز ہوں گے۔ آخر میں بیو کانن مذہبی و اخلاقی نقطہ نظر سے تجزیہ کر کے یہ کہتے ہیں کہ جب عقائد کا خاتمہ ہو جاتا ہے تو ان کے ماننے والوں کا وجود بھی لا یعنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ ملحدانہ ثقافت وتہذیب کا بول بالا ہو رہا ہے۔ مسیحی عقائد اور اخلاقی قدروں کا جنازہ نکال کر رکھدیا گیا ہے، اس کا جلد ہی یہ نتیجہ نکلے گا کہ عدالتیں بھی مسیحیت کو ہمارے تمدن اور ثقافت کے دائرے سے نکال باہر کر دیں گی۔

امریکی آبادی کو ماہرین سلاد کی ایسی پلیٹ سے تشبیہ دیا کرتے تھے جس میں تمام عناصر ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ تھے ان کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں تھا لیکن یہ صورت عرصہ تک باقی نہ رہ سکی اس لئے کہ سفید فام نسل کی بالاتری کو ایشیائی مہاجرین کی طرف سے زبردست چیلنج کا سامنا اس وقت کرنا پڑا جب ۱۸٪ کے تناسب سے ان کی شرح پیدائش میں اضافہ ہونے لگا۔ ہسپانوی لوگوں میں پیدائش کا تناسب ۵۴٪ کالوں میں پیدائش کا تناسب ۱۳٪ ہونے لگا۔ اس کے بالمقابل سفید فام کی آبادی میں جو شرح پیدائش نوٹ کی گئی وہ صرف ۶٪ تھی، اس صورت حال کی بنا پر یہ اندیشہ ابھر کر سامنے آ گیا کہ بیس پچیس سال کے اندر سفید براعظم کا رنگ ہی تبدیل ہو جائے گا۔ تازہ ترین اعداد وشمار سے جو بنیادی حقائق سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

کل آبادی ۲۶۷ ملین۔ سفید فام کی تعداد ۱۹۴ ملین، سیاہ فام کی آبادی ۸ء۳۳ ملین، ہسپانوی نسل کے لوگوں کی تعداد ۹ء۲۹ ملین ایشیائی ۵ء۱۰ ملین، ستائیس لاکھ ریڈ انڈین ہیں۔

آبادی میں کمی کے خوف کے (۱) علاوہ امریکہ کو تیزی سے گرتی ہوئی معیشت اور اقتصادی میدان میں مسلسل خسارہ اور بھیانک گراوٹ کا سامنا ہے جو روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ مشہور یہودی مفکر ناعزم چومسکی کا کہنا ہے کہ عالمی نظام کا دعویدار امریکہ فوجی اعتبار سے طاقتور ہے لیکن وہ اس میدان میں بالکل تنہا ہے جبکہ جاپان و جرمنی اور امریکہ اقتصادی مثلث کی حیثیت رکھتے ہیں، جاپان و جرمنی کو امریکہ نے فوجی صلاحیتوں سے محروم کر رکھا ہے، اس وجہ سے دونوں ممالک اقتصادی میدانوں میں امریکہ سے فائق

---

(۱) آبادی میں کمی کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب منشیات کی عادت ہے، تازہ اعداد وشمار کے مطابق امریکہ میں پینتیس لاکھ خاندان ایسے ہیں جو اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

اور ممتاز ہیں، جبکہ امریکہ سپر پاور ہونے کے دعوے کو باقی رکھنے کی خاطر اپنے فوجی بجٹ پر دوسو ارب ڈالر سالانہ خرچ کرنے پر مجبور ہے اس بجٹ میں سے ۶۵٪ وہ جدید اسلحہ کی تیاری پر خرچ کر رہا ہے، اس کے بالمقابل وہ صنعتی تحقیقات وترقی پر صرف دو فیصدی خرچ کر رہا ہے، اس کی وجہ سے صنعتی میدان میں امریکہ جاپان وجرمنی سے پیچھے رہ گیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ صنعتی پیداوار میں بھیانک حد تک کمی ہوگئی اس کے ساتھ سالانہ بجٹ بیرونی قرضے، تجارتی خسارہ اور ادائیگی کے توازن میں گھاٹا ہوتا رہا، ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں کہ امریکہ کی اقتصادی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے، ملٹی نیشنل کمپنیاں (جن پر یہودیوں کا غلبہ ہے) چاہتی ہیں کہ امریکہ کی اقتصادی حالت جوں کی توں رہے اس کے دوررس اثرات سفید فام نسل پر ہوں گے، اس لئے کہ ان کی آبادی میں غیر معمولی کمی کا طبعی اور فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ صنعتی ترقی کے میدان میں پسماندہ ہوجائیں گے اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ امریکہ پر بیرونی قرضوں کا جو بوجھ ہے وہ ۳ء۴ کھرب ڈالر ہے، ماہرین قانون واقتصادیات کہتے ہیں کہ امریکہ کی اقتصادی بدحالی کو قانون سازی سے دور نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ کوئی قومی سانحہ پیش آجائے بظاہر یہ قومی سانحہ (یعنی اپنے ہی ہاتھوں اپنی ناک کاٹنا) ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پینٹاگن پر حملے کی صورت میں پیش آگیا ہے اس کو بنیاد بنا کر امریکہ جنوب وسطی ایشیا۔ بحر قزوین۔ پر قبضہ کرنے کے لئے افغانستان کو قربانی کا بکرا بنا رہا ہے۔

امریکی خوف کا ایک اور سبب یہ بھی ہے کہ یورپ ہی نہیں پورے امریکہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ یہودی لابی مسلمانوں کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ اس لئے بھی کررہی ہے، کہ خود اس کی تعداد گھٹ رہی ہے، سیاسی اور سماجی سطح پر ان سے امریکیوں کو نفرت ہونے لگی ہے، امریکہ میں مقیم مسلمانوں سے روابط وتعلق کی وجہ سے عیسائیوں کے سامنے اسلام کی حقیقت واضح ہونے لگی ہے، یہودیوں نے صدیوں سے یہ پروپیگنڈہ کر رکھا ہے کہ حضرت مسیح کی دوبارہ آمد اسی صورت میں ہوگی جب تمام یہودی اپنے اصل وطن فلسطین واپس چلے جائیں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اصل میں یہودی ہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، خدا کی رحمت امریکیوں پر اس وقت تک رہے گی جب تک وہ یہودیوں کی حمایت وتائید کرتے رہیں گے۔ خلیجی جنگ میں

جن امریکی فوجیوں نے شرکت کی تھی اور بعد میں ان کا قیام سعودی عرب اور کویت میں رہا ان کی خاصی تعداد نے اسلام قبول کرلیا، اس کے غیر معمولی اثرات امریکی معاشرے پر پڑ رہے ہیں یہودیوں نے روایتی حسد اور اسلام دشمنی کے جذبے سے کام لے کر اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیا اور میڈیا کے ذریعہ یہ تاثر عام امریکیوں کو دینے کی کوشش کی کہ مشرق سے خطرہ بالکل قریب ہے اور آج ہی کل میں حملہ ہونے والا ہے، چنانچہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ماحول کو تیار کرنے کے لئے خبریں تسلسل کے ساتھ آنے لگیں اور سرکاری وغیر سرکاری تنصیبات پر حملہ کے اندیشے ظاہر کئے جانے لگے اور اوکلا ہو ما حادثہ کو سرتوڑ کوششوں کے باوجود عربوں کے خلاف استعمال کرنے میں یہودی لابی کامیاب نہ ہوسکی، لیکن اس ناکامی نے ان کے اندر بغض ونفرت کی آگ کو اور زیادہ تیز کر دیا اس لابی نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور پنٹاگن کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا تاکہ ایک تیر سے دو شکار کئے جائیں۔

پہلا شکار عالمی سطح پر مسلمانوں کو بنایا جائے، دوسرا شکار امریکہ یا اپنے قدیمی حریف عیسائیوں کو بنایا جائے اس طرح دونوں حریفوں اور ازلی دشمنوں سے خوفناک انتقام لیا جائے۔

سرد جنگ کے خاتمے کے بعد کمیونزم کے بجائے سیاسی اسلام (Political Islam) مغرب کو درپیش نئے خطرے کی حیثیت سے مغربی میڈیا، علم ودانش کے حلقوں اور پالیسی ساز اداروں کا وقفہ وقفہ سے مرکزی موضوع رہا ہے تہذیبوں کا تصادم" نظریہ بنیادی طور پر برنارڈ لویس (Bernard Lewis) کی اختراع صمویل ہنٹنگٹن کے نام سے معروف ہوا اسے بڑی ہوشیاری سے اسلام اور مغرب کے درمیان ناگزیر تصادم پر منطبق کر دیا گیا ہے۔ ابھی تک یہ مغرب میں بہت سے مفکرین کی سوچ پر چھایا ہوا ہے، افغانستان پر امریکی حملہ اسی پس منظر میں کیا گیا ہے۔

امریکہ میں جو کتابیں اسلام اور مغرب کے تعلقات کے موضوع پر شائع ہوئی ہیں ان میں دو کتابیں (۱) ایسی ہیں جن کے مصنفین اسلام کے بارے میں امریکی حکام کے تصورات کو محاذ آرائی اور مصالحت پسندی کے درمیان تقسیم کرتے ہیں جو لوگ اسلام کو محاذ آرا سمجھتے ہیں وہ فطری طور پر اسلام کو آمریت پسند، تشدد پسند، جمہوریت مخالف

---

(1)AMRICA AND POLITICAL ISLAM : CLASH OF CULTURES OR CLASH OF INTERSTS FAWAZ.A.GERAGES..POLITICAL ISLAMA AND THE UNITED STATES.BY.MARIA D.PINTO

اور مغربی تہذیب سے مطابقت نہ رکھنے والا پاتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ سب ایک ہی موقف رکھتے ہیں اور ناگزیر طور پر مغرب دشمن اور اسرائیل دشمن ہیں، امریکی فیصلہ سازوں کو ان کی یہ ہدایت ہے کہ وہ اسلام کا ہر سطح پر مقابلہ کریں، وہ اسلامی دنیا کی ان حکومتوں کو باقی رکھنے کی وکالت وحمایت کرتے ہیں جو مغرب کے سیاسی، جغرافیائی اور اقتصادی مفادات کا تحفظ کرتی ہیں چاہے وہ کتنی ہی مطلق العنان اور جابرانہ پالیسی پر گامزن ہوں، ان مصنفین کو یہ خدشہ ہے کہ اگر اسلام پسند اقتدار میں آ گئے تو اللہ کے نام پر جمہوریت کا خاتمہ ہو جائے گا، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومتوں کے قیام سے مغرب کے مفادات کو خطرہ لاحق ہوگا۔

دوسری طرف جو لوگ مصالحت پسند ہیں وہ اسلام کو خطرہ سمجھنے کو ایک وہم سمجھتے ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پولیٹیکل اسلام دراصل سماجی، اقتصادی اور نوآبادیاتی دور کی سیاسی محرومیوں کا نتیجہ ہے اور اسلام جمہوریت سے مطابقت رکھتا ہے اور مسلم ممالک میں جمہوریت کے فروغ سے مغرب کی وابستگی کا سوال اٹھاتے ہیں اور مسلم ممالک میں ان کے دوہرے معیار پر مبنی پالیسی پر تنقید کرتے ہیں۔

ان مصنفین کا خیال ہے کہ امریکہ کی فکری قیادت کے نقطۂ نظر کے مآخذ مختلف ہیں، وہ امریکہ میں مروجہ کلچر سے متاثر ہیں جس کے مطابق اسلام ایک معاندانہ کلچر ہے اور مسلمان مذہبی انتہا پسند، جمہوریت مخالف متشدد، دہشت گرد، ناقابل اعتماد اور صلیبی جنگوں کے بعد سے یورپ اور اسلام کے باہمی عمل کا ورثہ ہیں۔

گرجیز (مصنف) امریکہ میں اسلام کے بارے میں عوامی تاثرات معلوم کرنے والے بہت سے قومی سروے حوالہ کے طور پر پیش کرتا ہے جن کے مطابق ۳۶ فیصدی امریکی اسلام کو امریکہ کے لئے "ایک شدید خطرہ" سمجھتے ہیں اسرائیل اور امریکہ کی اسرائیلی لابیاں بھی ایک اہم ذریعہ ہیں، گرجیز کا اسرائیل اور اسرائیل کے حلیفوں کے کردار کے بارے میں تجزیہ مختصر اور مبہم ہے وہ اس امکان کو نظر انداز نہیں کرتا کہ تجزیہ نگار اسرائیل کے اثرات کو مبالغہ کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرے مصنف پنٹو (Pinto) کا تجزیہ نہ صرف تفصیل بلکہ چبھتا ہوا ہے، وہ تفصیل سے بتاتا ہے کہ کس طرح اسرائیل اور اس کی لابیاں امریکہ کے اسلام کے حوالہ سے نقطہ نظر اور پالیسی تشکیل دیتے ہیں جو ایسے دباؤ کی شکل اختیار کر لیتے

ہیں جس سے ان کی ترقی اور آزادیٔ عمل متاثر ہوتی ہے، مصنف تجزیہ کر کے واقعات ودلائل کی روشنی میں بتاتا ہے کہ سرحد جنگ کے بعد اسرائیل اسلام کو امریکہ کے لئے اگلے نظریاتی خطرے کے طور پر پیش کرنے اور اپنے سیاسی واقتصادی مفادات کو محفوظ کرنے میں کامیاب رہا ہے۔

مغرب نواز حکومتوں نے بھی امریکہ کے اسلام مخالف نقطۂ نظر کو تقویت پہونچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے مصر والجزائر، ٹونس، ترکی۔ اردن اور پاکستان کے حکمراں امریکی قیادت کو مغرب کو درپیش ''بنیاد پرست'' اسلام کے خطرے سے آگاہ کرنے کے لئے بڑے بے چین رہتے ہیں ساتھ ہی اس خطرے کو دبانے اور محدود رکھنے میں اپنے کردار کی اہمیت بھی بتاتے رہتے ہیں۔

گرجیر نے بتایا ہے کہ کلنٹن انتظامیہ نے محاذ آرا اور مصالحت پسند مکاتب فکر کے درمیان توازن پیدا کرنے کی کمزور سی کوشش کی، اسلام پسندوں سے گفتگو بھی کی، لیکن الجزائر، مصر، ترکی، ایران اور سوڈان کی حکومتوں کی طرف سے احتجاج اور ان کے تنہا رہ جانے کے خوف سے امریکہ نے مزید قدم آگے نہیں بڑھایا، دوسری طرف خود اسرائیل لابی نے اس کو اپنے لئے خطرہ تصور کیا۔ ایسا بھیانک خطرہ کہ جس کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کا اس نے منصوبہ بنالیا جو ۱۱ر ستمبر کے ڈرامہ کی شکل میں سامنے آیا۔ اس لئے کہ امریکی پالیسی سازوں (یہودیوں) کو یقین تھا اور ہے کہ اگر اسلام پسند اقتدار میں آجاتے ہیں تو وہ اسرائیل کو مٹادیں گے اور مغرب کے خلاف تیل کا ہتھیار استعمال کریں گے، ہولناک ہتھیار استعمال کریں گے، ہولناک تباہی والے ہتھیار بنائیں گے جس سے اسرائیل کو شدید خطرہ لاحق ہوگا(۱)۔

اس خطرے پر بندھ باندھنے بلکہ کلی طور پر اس خطرے کے سرچشموں ہی کو خشک کرنے کے لئے یہودیوں نے جو منصوبہ بنایا ہے اور وہ اس کی تنفیذ امریکی وسائل سے کر رہے ہیں وہ فنڈ امنٹلوم یا اصول پسندی کا خطرہ ہے، یہودیوں نے امریکہ اور اس کے ذریعہ پوری دنیا کے دل ودماغ میں یہ بات اتار دی ہے کہ امن پسند اور خوش حال دنیا کو اصل خطرہ اسلام اور مسلمانوں سے ہے۔ جب تک مسلمان دینی تعلیم حاصل کرتے رہیں گے ان کے اندر ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جو امریکی کلچر یا مغربی ثقافت اور

(۱) ملاحظہ ہو: ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور، شمارہ مارچ ۲۰۰۰ء مضمون امریکہ اور اسلامی تحریکیں''

تہذیب سے نفرت کرتے رہیں گے، اس نفرت وکراہیت کا سرچشمہ قرآن ہے، اس کو پڑھنے سے دہشت گردی کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے(۱) یہودیوں اور عیسائیوں سے دشمنی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ جب تک قرآن کی تعلیمات کو لوگ پڑھتے رہیں گے ساری دنیا کی قوموں کے درمیان نفرت وکراہیت اور عداوت باقی رہے گی۔ دشمنی کی اس دیوار کو ہمیشہ کے لئے گرانے کی ضرورت ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ دینی تعلیم کے سوتے خشک کردیئے جائیں اس بنیادی رکاوٹ کو دور کردیا جائے اسلام کے اس آخری قلعہ دین اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے۔ اس مقصد کی تنفیذ کے لئے سب سے پہلے مصر اور اسرائیل کے درمیان سمجھوتہ کرایا گیا، پھر دونوں کے درمیان تعلقات استوار و مستحکم بنانے کی خاطر یکطرفہ طور پر مصر سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے نصاب تعلیم سے ایسے بنیادی دینی عقائد اور اخلاقی تعلیمات کو حذف کردے جو دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کی استواری میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔ سابق اسرائیلی وزیراعظم مناحم بیگن نے سابق مصری صدر انوار السادات سے مصر کے دورے کے موقع پر کہا کہ اسرائیل اور مصر کے درمیان تعلقات کیسے معمول پر آسکتے ہیں جبکہ قرآن مجید کی وہ آیت مصری پڑھا کرتے ہیں۔ جس میں اسرائیل کی مذمت کی گئی ہے۔ لُعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی بن مریم ذلك بما عصوا و کانوا یعتدون۔ کانو لایتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ما کانوا یفعلون (المائدہ)

سادات نے اسی وقت مصر کے وزیر تعلیم کو ہدایت دی کہ نصابی کتابوں پر نظر ثانی کی جائے چنانچہ ایک ایسی کمیٹی بنائی گئی جس میں امریکہ اسرائیل اور مصر کے ماہرین تعلیم لئے گئے تاکہ ان کی سفارش کی روشنی میں ایسا نصاب وضع کیا جائے جو سیکولر اور لادینی ہو۔ اس کو مزید یقینی بنانے کے لئے امریکہ نے تعلیمی اور اقتصادی امداد کے لئے یہ شرط لگادی ہے کہ جو مسلم اور عرب ممالک اپنے نصاب تعلیم میں تبدیلی کرکے عصر حاضر کے تقاضوں سے اس کو ہم آہنگ بنائیں گے ان ہی کو مدد دی جائے گی۔ چونکہ مصر نے اپنی آمادگی ظاہر کی تھی

(۱) بعض عرب ممالک کی اسلام دشمنی اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ غیر ممالک سے آنے جانے والوں کے ساتھ اگر قرآن مجید کا نسخہ ہوتا ہے تو اس کو ضبط کرلیتے ہیں یہ کہہ کر کہ اس کے پڑھنے سے دہشت گردی کی ذہنیت پیدا ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اب تو داڑھی کا رکھنا بھی ایسا جرم قرار دیدیا گیا ہے کہ ایسے شخص کو ملک میں داخل ہوتے ہی دہشت گرد قرار دیکر جیل میں ڈالدیا جاتا ہے۔ الی اللہ المشتکی۔

اس لئے اس کو ۱۹۸۱ء سے ۲۰۰۱ء تک ۱۸۵ ملین ڈالر کی امداد صرف تعلیم کی ترقی کے لئے دی ہے اس کے علاوہ ۱۸۰ ملین ڈالر فنی تربیت کے لئے، ساٹھ ملین ڈالر لڑکیوں کی تعلیم کے لئے، باون لاکھ ڈالر لڑکیوں اور خواتین کی فلاح و بہبود اور ان کی صحت پر اخراجات کے لئے۔ مصر کے علاوہ پاکستان اور ہندوستان کو دہشت گرد گروہ سے نمٹنے کے نام پر سو ملین ڈالر دیئے گئے ہیں اور یمن اور اردن نے اعتراف کیا ہے کہ انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ سے انہیں تعلیمی ترقی کے نام پر سالانہ رقومات ملا کرتی ہیں۔ مصری وزیر ڈاکٹر عمر دموسیٰ بھی نصاب تعلیم میں تبدیلی کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اب اس کا وقت آ گیا ہے کہ مشرق وسطیٰ کے بارے میں نئے تصورات سامنے لائے جائیں تاکہ عرب اسرائیل کے درمیان کشمکش کے اسباب کا خاتمہ ہو جائے''۔

تل ابیب میں ایک سیمنار ہوا جس میں سابق مصری وزیر اعظم مصطفیٰ خلیل اور بطرس غالی نے شرکت کی تھی اس کا موضوع تھا ''قرآن کے اثرات عرب اور اسرائیل تعلقات کی بحالی پر'' بگین نے صاف صاف مطالبہ کیا کہ ان تمام مدارس کو بند کر دیا جائے جہاں قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے''۔ اسرائیل اور امریکہ کے مشترکہ احکامات کی تعفیذ ازہر اور مصری وزارت تعلیم و تربیت دونوں کے نصاب تعلیم میں کی جارہی ہے، یہ مسئلہ دونوں کے لئے اتنا اہم ہے کہ سی. آئی. اے کے سربراہ اور امریکی کانگریس کے وفد شیخ الازھر سے مل کر یہ بیان دیتے ہیں کہ ازھر میں اصلاحی عمل جاری ہے اور اس کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جارہا ہے۔ پاکستان میں مشرف مصطفیٰ کمال پاشا کا کردار ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اسی لئے انہیں استعماری طاقتوں کی زبردست پشت پناہی حاصل ہے، ہندوستان میں تو آزادی کے بعد ہی سے مسلمانوں کو برہمنی تہذیب کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ امریکہ و اسرائیل کی مدد کے بعد جسمانی اور ثقافتی نسل کشی کے عمل کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ مدارس کو دہشت گردی اڈہ ثابت کرنے میں ہندوستانی میڈیا وزارت داخلہ کے نقش قدم پر ہے۔ لیکن دوسروں سے دہشت گردی کی تعلیم نہ دینے کا مطالبہ کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور ہندوستان تینوں ملکوں کا نصاب تعلیم خالص مذہبی اور شدید متعصبانہ مسلم دشمنی پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر دہشت گردوں کے سب سے بڑے شیطان اسرائیل کی نصابی کتابوں کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کو بیالیس مقامات پر چور،

ڈاکو، اچکے، بدمعاش، ستر جگہ دہشت گرد، تیس مقامات پر تخریب کار، ستر جگہ قاتل، ستائیس جگہ انسانوں کے شکاری، اکتیس مقامات پر جہازوں کا اغوا کرنے والے۔ اور ایک سو اکتالیس جگہ غاصب وخائن، ستر جگہ درختوں اور کھیتوں کو تاراج کرنے والے، اور ایک سو اکیاسی جگہ شقی القلب کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ ایک اسرائیلی پروفیسر کوہین نے عبرانی زبان میں پڑھائی جانے والی کتابوں کے تجزیہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "عام طور پر ۷۵٪ یہودی بچوں کو ابتدائی مراحل میں یہ یقین ہو جاتا ہے کہ عرب قاتل اور بچوں کے اغوا کرنے والے ہیں"۔ کم وبیش اسی طرح کے تاثرات ہندو بچوں کے مسلمانوں کے بارے میں ہوتے ہیں۔ وہ ہر مسلمان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ چھرا رکھتے ہیں اور ہندوؤں کو قتل کر دیتے ہیں۔

امریکہ نے ان تمام خطرات کا کلی طور پر خاتمہ کرنے کے لئے اپنی ناک کاٹنے کا فیصلہ کیا۔(۱) پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے آغاز کا پتہ چلائیں گے تو ان کے پس منظر میں ایسے واقعات نظر آئیں گے جن میں حملہ آوروں نے اپنے دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے لئے خود اپنے ہاتھوں اپنی ناک کاٹ ڈالی، امریکہ کے گرد اسرائیل نے ہمیشہ اپنے نقش قدم چلنے والے ملکوں کو یہی تدبیر بتا رکھی ہے ہمارا ملک کئی بار اپنے ہاتھوں سے اپنی ناک کامیابی سے کاٹ چکا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس تجارت سے اس کو وہ فائدے حاصل نہیں ہو سکے جن کی اسے توقع تھی سوائے گجرات کے، جہاں اسرائیل کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق متفقہ طور پر مسلمانوں کی جسمانی اور تہذیبی نسل کشی کی گئی۔

(۱) عربی کے ضرب الامثال میں ایک مشہور مثل ہے لامر ماجدع قصیر انفہ کوئی نہ کوئی تو وجہ ہے کہ قصیر نے اپنی ناک خود ہی کاٹ ڈالی ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے دوسرے بادشاہ پر حملہ کر کے اس کو شکست دیدی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے بادشاہ نے اپنے مشیروں سے مشورے لئے۔ عام طور پر یہ مشورہ دیا گیا کہ بادشاہ انتقام کے چکر میں نہ پڑے۔ لیکن ایک دانا وزیر نے تنہائی میں یہ مشورہ دیا کہ آپ بھرے دربار میں مجھ کو اس الزام میں ذلیل کریں کہ میں نے آپ کو مشورہ دیا ہے کہ دشمن پر حملہ نہ کیا جائے پھر آپ میرے کان اور ناک کاٹ کر ایسی جگہ ڈالدیں جہاں سے دشمن کا قافلہ گذرے۔ چنانچہ جب دشمن کا قافلہ گذرا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ کے دربار میں جو شخص منظور نظر تھا اس کی ناک کان کاٹ ڈالی گئی ہے۔ بادشاہ نے جب اپنے وزیروں سے مشورہ لیا کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے سب نے اس کے ساتھ ہمدردی کی۔ ایک وزیر نے مخالفت کی اور کہا کہ بادشاہ کو ایسے شخص سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ اس نے جو اپنی ناک خود اپنے ہاتھوں کاٹ لی ہے اس کے پیچھے کچھ راز ہے۔ بادشاہ نے مخالفت کے باوجود اس نک کٹے شخص کو اپنا مقرب بنالیا۔ اس نے آخر کار دھوکہ دیا اور چپکے سے نکل گیا۔ جا کر اپنے بادشاہ کو سارے راز بتا دیئے۔ پھر اچانک حملہ کر کے دشمن کا خاتمہ کر دیا گیا۔

۱۱ر ستمبر کا ڈرامہ

امریکہ میں موجود دہشت گرد تنظیموں اور ملیشیاؤں پر نظر رکھنے والے بہت سے مغربی مبصرین نے بھی واشنگٹن اور پنٹاگن پر حملوں کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے اگرچہ اس نظریہ کو فوراً ہی مسترد کر دیا تھا کہ ان حملوں کے پیچھے اسامہ اور القاعدہ کا ہاتھ ہے۔ لیکن عالمی میڈیا نے جس پر یہودیوں کا قبضہ ہے ایسی کسی بھی تحقیق کو نمایاں ہونے نہیں دیا، بہت سے مسلمان دانشوروں اور صحافیوں نے حقائق کی روشنی میں بار بار یہ بات کہی کہ ۱۱ر ستمبر کے حملوں کے لئے جس مہارت، جن وسائل اور جس دماغ کی ضرورت ہے اس سے اسامہ اور اس کی تنظیم "القاعدہ" محروم ہے، لیکن فغان درویش کون سنتا ہے!

دنیائے انسانیت خصوصاً مسلمانوں کو ان فرانسیسی اور امریکی اسکالروں کا شکر گذار اور احسان مند ہونا چاہئے۔ جنہوں نے تمام رکاوٹوں کے باوجود اپنی انتھک محنت سے ایسے دلائل اور ٹھوس ثبوت جمع کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے جن سے روز روشن کی طرح یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان حملوں کے پیچھے کسی اور نہیں خود امریکیوں کا ہاتھ ہے۔

ذیل میں فرانس اور امریکہ کے محققین کی تحقیقات اور دلائل کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے جو کثیر الاشاعت انٹرنیشنل عربی ہفت روزہ "المجتمع" اور مشہور عربی اخبار "القدس" نے اپنے تازہ شماروں میں شائع کیا ہے۔(۱)

ابھی حال میں ممتاز فرانسیسی مصنف اور مشہور محقق ٹری میسن کی ایک کتاب "ایک خطرناک جھوٹ۔ ایک بھیانک فراڈ" کے نام سے مارکیٹ میں آئی اور دیکھتے دیکھتے صرف دو گھنٹے میں پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا۔ مصنف کے دلائل اور ثبوتوں کو جو بھی دیکھے گا وہ اس نتیجہ تک پہونچے گا کہ ۱۱ر ستمبر کے حملوں کے سلسلہ میں امریکہ اور عالمی میڈیا نے جو پروپیگنڈہ کیا وہ سو فیصد جھوٹ ہے یہ دراصل ایک اندرونی بغاوت تھی۔ اعلیٰ فوجی اہل کاروں کی طرف سے۔ مقصد صدر بش کو اپنی پالیسی تبدیل کرنے کے لئے مجبور کرنا تھا۔ دنیا کو حیرت تھی کہ قیامت گذر گئی اور امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں کو پیشگی اس کی بھنک بھی نہیں ملی

---

(۱) ان مضامین کی تلخیص مولانا آفتاب عالم ندوی نے کی ہے۔ تعمیر حیات اور مترجم دونوں کے شکریہ کے ساتھ یہ مضمون یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

حالانکہ امریکہ دوسرے ملکوں کو اطلاع دیتا ہے کہ تمہارے ملک میں کیا ہونے والا ہے اور سر براہوں کو خبر کرتا ہے کہ تمہارے خلاف بغاوت ہونے والی ہے، تمہاری کرسی چھننے والی ہے مصنف نے انکشاف کیا ہے کہ جو کچھ ہوا خفیہ ایجنسیوں کی آنکھوں کے سامنے ہوا اس لئے کہ انہوں نے اس کی منصوبہ بندی کی تھی۔ کارروائی کرنے والوں نے ٹاوروں میں کام کرنے والوں میں سے بیشتر کو پیشگی اس کی اطلاع دیدی تھی کہ نقصان کم سے کم ہو، یہی وجہ ہے کہ حادثہ کے وقت ٹاوروں میں بہت کم لوگ تھے، حالانکہ ورلڈ ٹریڈ سینٹر میں چالیس پچاس ہزار آدمی رہتے تھے، مصنف نے ایسے کئی سوالات اٹھائے ہیں جن سے مصنف کے دعوؤں کو تقویت ملتی ہے مثلاً صدر بش پورے دن فوجی ہیڈ کوارٹر میں چھپے رہے، جبکہ اپنے نائب کو وزارت دفاع میں بھیج دیا، مصنف اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں دراصل تمام خفیہ کنجیاں دہشت گردوں کے ہاتھ آ گئی تھیں، وہ ان کے ذریعہ نیوکلیائی دھماکہ کر سکتے تھے، فوج کو کچھ بھی ہدایات دے سکتے تھے یہی وجہ ہے کہ صدر بش فوجی اڈوں میں ناچتے پھر رہے تھے۔ تاکہ صورت حال کو مزید دھماکہ خیز ہونے سے روک سکیں، مصنف بتاتے ہیں کہ اس دن وہائٹ ہاؤس میں بھی آگ لگ گئی تھی جس سے اس کا ایک حصہ جل کر خاکستر ہو گیا لیکن اس کو چھپایا گیا۔ مصنف پوچھتے ہیں کہ کیا انتہائی حساس اور ایسے راز کو جن پر ملک کی سلامتی اور اس کے بقاء کا انحصار ہے باہر کے چند دہشت گرد جان سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں!

مثل مشہور ہے کہ جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے ۱۹ / مئی ۲۰۰۲ء کا راشٹریہ سہارا اردو لکھنؤ ایڈیشن میرے سامنے ہے، عالمی نیوز ایجنسیوں کے حوالہ سے وہ لکھتا ہے کہ امریکی حکومت کی جانب سے اس اعتراف کے بعد کہ اسے ۱۱ / ستمبر کے حملوں کی اطلاعات قبل از وقت ہی مل گئی تھیں۔ پورے امریکہ میں کھلبلی مچ گئی۔ امریکی سیاستدانوں اور حملہ کے متاثرین نے اس اعتراف کے بعد اس حادثہ کی ذمہ داری حکومت ہی پر عائد کی ہے (۱)

امریکہ کی تاریخ میں ایسا بہت ہوا ہے کہ آزاد اور غیر جانب دار اسکالرس اور محققین کی محنت اور تحقیقات سے بڑے بڑے معاملات سلجھ گئے ہیں، ملک کو ہلا دینے والے اسکینڈلس سامنے آئے ہیں۔ ایک بار پھر امریکی محققین و مبصرین کی عرق ریزی اور جدوجہد سے ۱۱ / ستمبر کے سانحہ کی حقیقت آشکارا ہو گئی ہے۔ دو مشہور امریکی محقق اور مصنف مسٹر لورینس

(۱) لیکن یہودی میڈیا نے ایسی تمام خبروں پر دبیز پردہ ڈال دیا ہے۔

اور مسٹر جوائنلز کی نگرانی میں محققین کی ایک پوری ٹیم نے ۱۱ر ستمبر کے واقعات کی ہر پہلو سے تحقیق کی اس تحقیق کا نچوڑ یہ ہے کہ طیاروں کو اغوا کرنے کا الزام عرب نو جوانوں پر دھرنا اس گہری اور خطرناک سازش کا ایک حصہ ہے جو بہت پہلے رچی گئی تھی۔ ٹیم نے تمام اغوا شدہ طیاروں کے تمام مسافرین اور حملہ کے تمام افراد کی لسٹ شائع کر دی ہے، دنیا کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس میں ان عرب نو جوانوں میں سے کسی کا نام نہیں ہے جن کے بارے میں مشہور کیا گیا کہ انہوں نے جہاز اغوا کئے۔

لوگوں کو یاد ہوگا یہ ستر کی دہائی کی بات ہے امریکہ میں طیاروں کے اغواء کے واقعات بہت بڑھ گئے تھے، ماہرین سے اس رجحان کو روکنے کے سلسلہ میں مشورہ کیا گیا، غور وفکر کر کے پنٹاگن نے دو کمپنیوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ ایسا سسٹم وضع کریں جو زمین ہی سے جہاز کو مکمل طور پر کنٹرول کر سکے۔ چنانچہ ان کمپنیوں نے یہ سسٹم وضع کیا اور اس کو انتہائی خفیہ رکھا گیا یہاں تک کہ پائلٹوں سے بھی مخفی رکھا گیا اس کے ذریعہ جہاز کے اندر کی بات چیت یہاں تک کہ سرگوشی کو بھی سنا جا سکتا ہے۔ اس نظام کے ذریعہ جہاز کے پورے نظام کو معطل کیا جا سکتا ہے، اور کہیں بھی اتارا جا سکتا ہے ایسی صورت میں پائلٹ بھی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ اس سسٹم کو ایرلائنس کے ذمہ داروں سے بھی چھپایا گیا ہے اس نظام کو مختصراً (JPLS) کہا جاتا ہے۔

تیس سال تک انتہائی خاموشی سے اس سسٹم سے فائدہ اٹھایا گیا۔ لیکن جب بگڑے ہوئے اور مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے ماہرین کے ہاتھ میں یہ نظام آیا تو انہوں نے اس سے کام لیکر چار چار جہازوں کو بیک وقت اغوا کر کے دنیا کی اہم اور مضبوط و محفوظ ترین بلڈنگوں کو نشانہ بنایا۔ اس سسٹم سے جہاز میں نصب آلات اور مشینوں کو ناکارہ بنا دیا جاتا ہے۔

اس کے بعد زمین پر بیٹھے ماہرین اس کے ذریعہ جہاز کو جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں، اور جہاں چاہتے ہیں اتار دیتے ہیں۔ جیسا کہ جاسوسی طیارے بغیر پائلٹ کے پرواز کرتے ہیں، حیرت انگیز بات یہ نہیں ہے کہ ۱۱ر ستمبر کا واقعہ اس نظام کی دین ہے، بلکہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اس بات کے ثبوت کے باوجود کہ اسی سسٹم سے خود امریکیوں نے دہشت گردی کے یہ واقعات کیئے۔ کہیں اس کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اور بغیر کسی ثبوت کے اسامہ اور القاعدہ کو اس کا ذمہ دار قرار دے کر افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ نے ہٹلر کی اس بات پر عمل کیا کہ جھوٹ کو اس قدر دہراؤ کہ وہ سچ بن جائے۔

ممتاز امریکی اسکالر جوائلز کہتے ہیں کہ اس سسٹم کا مقصد طیاروں کو اغواء سے بچانا تھا۔ لیکن جلد ہی اُن سیاسی، فوجی اور مالی مافیاؤں نے اس کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرنے کے بارے میں غور وفکر شروع کر دیا، جو عالمی سیاست اور دنیا کے نظام کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتے ہیں۔

ہر جہاز میں ایک ایسا آلہ ہوتا ہے جس کو صرف چھوکر اغواء کی اطلاع دی جاسکتی ہے سب کو معلوم ہے کہ ۱۱ ستمبر کو چاروں طیاروں میں کسی طیارہ نے اغواء کی اطلاع نہیں بھیجی، اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ ریموٹ کنٹرول سے اس آلہ کو بھی ناکارہ بنادیا گیا تھا۔ ایک اور بات قابل غور ہے کہ اس وقت تقریباً ستر سے اسّی مسافر طیاروں میں موجود تھے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے سارے لوگ اپنی موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ نہ کوئی مزاحمت، نہ چیخ نہ پکار نہ رونا نہ چلانا نہ رحم کی درخواست، چاروں طیاروں میں سے کسی میں بھی تو کچھ نہیں ہوا۔

چار میں سے دو طیاروں کے بلیک باکس مل گئے تھے۔ دونوں کو چیک کیا گیا کوئی چیز نہیں ملی۔ دونوں مکمل طور رصاف تھے، کیا پائلٹ، مسافر اور اغوا کار سب کی زبانیں گنگ ہوگئیں تھیں، ہاتھ پیر شل ہوگئے تھے کہ بلیک باکس میں کس طرح کی کوئی آواز ٹیپ نہیں ہوئی۔ بات یہ ہے کہ ریموٹ کنٹرول سے آلات کو ناکارہ بنادیا گیا تھا۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ دوسرے ٹاور کی تباہی کے صرف ۲۴ منٹ بعد امریکی حکومت کے ذمہ داروں کے بیانات آنے شروع ہوگئے تھے کہ اغوا کار عرب دہشت گرد تھے۔ اس دہشت گردی کا ذمہ دار اسامہ اور القاعدہ ہے۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ اغوا کاروں میں سے ایک کی کار میں عربی زبان میں جہاز اڑانے کی ایک گائیڈ بک ملی، کیا دنیا میں کہیں بھی عربی زبان میں پائلٹ کی تعلیم کے لئے گائیڈ بک ملتی ہے؟ پھر کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ایک معمولی گائیڈ بک کے ذریعہ بوئنگ اڑائے؟ کیا بوئنگ اڑانے کی تعلیم اور ٹریننگ ''صرف ۹۰ دن میں انگلش بولنا سیکھئے'' جیسی کتاب سے ممکن ہے؟

ماہرین اس پر متفق ہیں کہ کسی چھوٹے جہاز سے پائلٹ کی ٹریننگ لینے والا شخص بلکہ ایربس اور بوئنگ ۷۲۷ کا پائلٹ بھی اس طرح کا جہاز نہیں اڑا سکتا جس طرح کے جہاز ۱۱ ستمبر کو اغواء کئے گئے، جن عرب نوجوانوں کے نام لئے جارہے ہیں انہوں نے اس طرح

کے جہاز اڑانے کی تربیت کب اور کہاں لی تھی؟

مسٹر لورینس کہتے ہیں کہ میں نے خود چاروں جہازوں کے تمام مسافرین کے اندراجات کا مطالعہ کیا، مجھے ایک بھی عربی نام نہیں ملا۔ وہ کہتے ہیں کہ پراسرار انداز میں حادثہ کے صرف دو روز بعد مسافرین کا پورا ریکارڈ غائب کر دیا گیا، ایئر لائنس کمپنیوں کا یہ کہنا کہ غالباً پورا ریکارڈ جہازوں کے ساتھ جل گیا۔ انتہائی مضحکہ خیز ہے کیا آفس اور ائیر پورٹ کے بجائے ریکارڈ اور اندراجات کی جگہ جہاز ہیں؟

۲۰۰۴ء کے لئے ڈیموکریٹک پارٹی کی طرف سے عہدۂ صدارت کے امیدوار مسٹر لینڈون نے بالکل بجا کہا ہے کہ جو کچھ ہوا ایک خطرناک سازش کے تحت ہوا، یہ کہنا کہ چند عرب دہشت گردوں نے یہ کیا انتہائی بے عقلی کی بات ہے اس طرح کی کوئی بھی کارروائی اس وقت تک نہیں ہوسکتی ہے جب تک کہ اندر کے اعلیٰ سطح کے ماہرین اور حساس شعبوں کے ذمہ داروں کا مکمل تعاون اور اتحاد نہ ہو۔

کیا یہ بات سخت تعجب کی نہیں ہے کہ سیکوریٹی اور انٹیلی جینس کے کسی ذمہ دار سے کوئی پوچھ گچھ نہیں کی گئی، امریکی حکومت خفیہ ایجنسیوں پر ہر سال اربوں کھربوں ڈالر خرچ کرتی ہے لیکن حکومت نے ان سے کیوں نہیں جواب طلبی کی کہ اتنے بڑے حادثہ کی تم کو کیوں نہیں خبر ہوئی؟

ان امریکی اسکالروں نے اس بات کو بھی اٹھایا ہے کہ صرف طیاروں کو ٹکرا کر ٹاوروں کو مکمل طور پر اور اس مہارت کے ساتھ تباہ نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ پہلے ہی سے ان میں طاقتور دھماکہ خیز مادہ بڑی مقدار میں ماہرانہ انداز میں نہ رکھ دیا گیا ہو۔

مسٹر مارشل پوچھتے ہیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ چوبیس گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ ملبہ کو ہٹانے کا ٹھیکہ دے دیا گیا۔ اور اس شرط کے ساتھ کہ اسے بغیر کسی تاخیر کے پگھلا دیا جائے گا، ملبہ کی جانچ کا حکم دیا گیا اور نہ کسی طرح کی کوئی تحقیق ہوئی۔

مسٹر لینڈون نے ۲۴ر جولائی ۲۰۰۱ء کو یعنی ستمبر کے واقعات سے ۴۸ دن پہلے واشنگٹن میں اپنے ایک لکچر میں خبردار کیا کہ اندرونِ ملک کچھ ایسے طاقتور عناصر موجود ہیں جو تیسری عالمی جنگ بھڑکانا چاہتے ہیں اور ان کے پلان کے مطابق یہ عالمی جنگ مغرب اور اسلام کے بیچ ہوگی، مسٹر لینڈون نے اس جنگ کے مقاصد اور محرکات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

ابھی حال ہی میں کیلی فورنیا میں ماہرین نے ہوائی جہاز میں ایک نئے ایندھن کا

تجربہ کیا جس میں موجودہ ایندھن سے حادثہ کے وقت آگ لگنے اور بھڑکنے کے امکانات بہت کم ہیں، یہ جاننے کے لئے کہ حادثہ کے وقت اس ایندھن سے خسارہ کتنا کم کیا جاسکتا ہے؟ باقاعدہ ایک جمبو میں اس ایندھن کو ڈال کر مسافرین اور پائلٹ اور عملہ کی جگہ ڈمی بیٹھا کر ریموٹ کنٹرول سے اڑادیا گیا، اور اس کو پہلے سے طے شدہ جگہ پر جہاں بڑی بڑی چھریاں کھڑی کی ہوئی تھیں ریموٹ کنٹرول سے اتارا گیا، چھریاں اس لئے تاکہ ٹنکی پھٹ جائے اور صحیح صحیح اندازہ ہو کہ آگ لگتی ہے یا نہیں؟

اور لگتی ہے تو اس پر قابو پایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس تجربے نے یہ ثابت کردیا کہ ریموٹ کنٹرول سے کسی بھی جہاز کو اڑایا اور کہیں بھی اتارا جاسکتا ہے۔

ایسا نہیں کہ سرکاری تحقیقاتی اور اداروں اور ان کے ماہرین کا ذہن اس طرف نہیں گیا، رائتھون (Raytheon) کمپنی (جس نے طیاروں کو زمین سے کنٹرول کرنے کے اس نظام کو مزید فعال بنایا) کے چیرمین اور اس سسٹم کے چیف انجینئر سے ۱۱/ستمبر کے واقعات میں اس نظام کے رول کے امکانات کے بارے میں پوچھا جاچکا ہے لیکن پنٹاگن میں بیٹھے یہودی کارندوں نے اس کو دفن کردیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ خود امریکی اپنے ملک کو تباہ کریں، ایسے لوگوں کو چاہئے کہ امریکی مصنف (James Bomford) کی کتاب (Body of Secrets) کا مطالعہ کریں۔ اس کتاب میں مصنف نے واقعات کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ امریکہ میں ایسی طاقتیں موجود ہیں جو ملک کی پالیسی کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے اور چلانے کے لئے کچھ بھی کرسکتی ہیں، اور ماضی میں اس طرح کی کارروائیاں جان۔ ایف۔ کینیڈی کے دور میں (سی۔ آئی۔ اے) کرچکی ہے۔ اس نے کیوبا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا کر پنٹاگن کی منظوری لی، لیکن جب یہ منصوبہ امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے پاس بھیجا گیا تو انہوں نے اس کو نامنظور کردیا۔ اس کے نتیجہ میں ان کو قتل کرادیا گیا۔ منصوبہ اپنے ہی ہاتھوں ناک کاٹ کر کیوبا پر حملے کا تھا، وہ اس طرح کہ امریکی فوجیوں کو روسی لباس پہنا کر امریکی جہازوں پر حملہ کرایا جائے گا۔ کچھ ہوائی جہاز گرائے جائیں گے۔ کچھ امریکی بحری جہاز ڈبوئے جائیں گے۔ اس کو بہانہ بنا کر کیوبا پر حملہ کرایا جائے گا۔ اس طرح اس سے جنگ کا آغاز ہوجائے گا''۔

۱۱ ستمبر کے مقاصد

تاریخ کے اس سب سے بڑے جھوٹ یا ڈرامہ کے مقاصد بنیادی طور پر حسب ذیل تھے:

پہلا بنیادی مقصد روئے زمین کو اسلام اور مسلمانوں سے پاک کرنا ہے، اس بنا پر اس جنگ کو صلیبی جنگ کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں سرفہرست دینی مدارس ہیں جو مسلمانوں کے لئے آخری دینی قلعے کی حیثیت رکھتے ہیں، زور وزر سے اس قلعہ میں جگہ جگہ شگاف لگانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس جنگ کا دوسرا حصہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ ہے۔ جس کی تمام تر ذمہ داری یہودی میڈیا نے اپنے ذمہ لے لی ہے اور وہ بھی پنٹاگن کے زیر سایہ یک طرفہ طور سے ہورہا ہے، لیکن موافق اور مخالف دونوں طرح کی خبریں منصوبہ بند طریقے سے پوری دنیا کو دی جارہی ہیں، اس میں طالبان اور اس کے روح رواں اسامہ بن لادن کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ لیکن اس کی تعریف کے پردے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و کراہیت کی آگ روشن کی جارہی ہے۔ اس میں امریکہ و یورپ نے عام طور سے اور ہندوستان نے خاص طور سے اپنی ظاہری اور چھپی ہوئی نفرت و عداوت پوری طرح عیاں کردیا ہے، قرآن مجید کے معجزانہ الفاظ میں "قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم" بغض اور دشمن تو ان کے منہ سے ظاہر ہے، مگر جو ان کے دل میں چھپا ہوا ہے وہ تو اور بھی بڑھ کر ہے (آل عمران ۱۱۸)

۱۱ ستمبر کے واقعہ کا جو ردعمل امریکہ اور مغربی ملکوں پر ہوا اس کا ہلکا سا اندازہ ان بیانات سے ہوتا ہے جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شدید ترین نفرت و کراہیت اور غیر معمولی بغض و عداوت، غیظ وغضب اور انتقالی جذبے کا اظہار کیا گیا ہے، امریکی صدر نے اس حملہ کو تہذیب کے خلاف جنگ War on Civilaization کا نام دیا اور عملاً دنیا کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی مذموم کوشش کی، گویا مغربی دنیا مہذب دنیا ہے، باقی سب وحشت کے دور میں زندگی گذار رہے ہیں۔ اس لئے امریکی نائب صدر ڈک چینی اور امریکی وزیر دفاع دونوں نے بغیر کسی لاگ لپٹ کے یہ کہہ دیا کہ ہمارا ہدف ان ریاستوں کو نیست ونابود کردینا ہے جو دہشت گردوں کو فروغ دیتی ہیں۔

سابق سکریٹری آف اسٹیٹ لارنس ایگل برگ فرماتے ہیں: اس طرح کے لوگوں سے نمٹنے کی ابتدا کرنے کا یہ بھی طریقہ ہے کہ آپ کو ان میں سے کچھ کو ہلاک کر دینا ہوگا۔ خواہ وہ اس معاملہ میں فوری طور پر براہ راست متعلق نہ ہوں۔

امریکی خارجہ پالیسی کے پنڈت اور ویٹنام، کمبوڈیا، چلی اور نہ معلوم کتنے ممالک میں لاکھوں بے گناہ انسانوں کی نسل کشی کے ذمہ دار ہنری کیسنجر کا ارشاد ہے۔

''گو یہ پتہ نہیں کہ اس اقدام کے پیچھے فی الحقیقت بن لادن کا ہاتھ تھا (۱) یا نہیں مگر فوری تادیبی اقدام ضروری ہے اور وہ بھی ناکافی ہے۔ اصل ہدف اس پورے نظام Network اور ان ممالک کے خلاف کارروائی ہے جہاں اس نظام کے کچھ بھی کل پرزے پائے جاتے ہیں، لیکن حکومت کو ایک منظم ردعمل کی ذمہ داری لینا چاہئے۔ امید کرتا ہوں کہ یہ اس طرح اختتام کو پہونچے جس طرح پرل ہاربر کا مسئلہ اختتام کو پہونچا تھا یعنی اس نظام کی تباہی اور جو اس کا ذمہ دار ہے۔ ہنری کیسنجر نے یہ بھی مشورہ دیا کہ اگر دوسرے ممالک امریکہ کا ساتھ نہ دیں تو امریکہ کو تن تنہا یہ اقدام کر ڈالنا چاہئے اور کسی اتفاقی رائے کا انتظار نہ کرنا چاہئے۔ یہ تو بڑے ذمہ داروں اور دانشوروں کا انداز بیان تھا، عمومی سطح پر جو انداز اختیار کیا گیا وہ مندرجہ ذیل مثالوں سے معلوم ہوگا۔

واشنگٹن پوسٹ جی رچ لوری رقم طراز ہیں:

اگر ہم دمشق یا تہران یا جو کچھ بھی ہو اس کا ایک حصہ ملیامیٹ کر دیں تو یہ بھی حل کا ایک جز ہے۔ بلا تاخیر حرامیوں کو قتل کر دو، آنکھوں کے درمیان گولی مار دو، ان کو ریزہ ریزہ کر دو، ضرورت پڑے تو زہر دیدو، اور وہ شہر نیویارک ڈیلی نیوز میں ایک محترمہ این۔ کملٹر تو یہاں تک فرمارہے ہیں۔

یہ اس کا وقت نہیں ہے کہ اس خاص دہشت گردوں کے حصے میں براہ راست موث افراد کا ٹھیک ٹھیک احتیاط سے پتہ چلایا جائے۔ ان کے لیڈ وروں کو قتل کر دینا چاہیے۔ ہم ہٹلر اور اس کے اعلیٰ افسروں کا پتہ چلانے اور سزا دینے کے بارے میں رسمی ضوابط کے پابند نہیں

---

(۱) آپ کو یہ تو معلوم ہی تھا کہ بن لادن اس معاملہ میں بے قصور ہیں لیکن یہودی بغض وعداوت اور انسانیت دشمنی کا اظہار آپ نے ضرور سمجھا۔ اگر خوانخواستہ کسی مسلمان کے اس میں ہاتھ ہونے کا اشارہ بھی ملتا تو سارے عالم کو ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح ملیامیٹ کر دیا جاتا، جیسا کہ آپ کی دلی خواہش تھی اور ہے۔

تھے۔ ہم نے جرمن شہروں پر کارپٹ بمباری کی، ہم نے شہریوں کو ہلاک کیا، وہ جنگ تھی اور یہ بھی جنگ ہے۔ (۱۲ر ستمبر) ان سب سے بڑھ کر امریکہ کی سیاسی پالیسی کے ترجمان رسالہ نیشنل ریویو بھی اس کے ایک نامہ نگار ریچرڈ لوری نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے امریکی حکومت کو مشورہ دے ڈالا کہ امریکہ فی الفور مکہ و مدینہ پر بم برسادے۔

ان سب سے بڑھ کر امریکہ کی سیاسی پالیسی کے ترجمان رسالہ نیشنل ریویو میں اس کے ایک نامہ نگار ریچرڈ لوری نے ہرزہ سرائی کرتے ہوئے امریکی حکومت کو مشورہ دے ڈالا کہ امریکہ فی الفور مکہ و مدینہ پر بم برسادے۔

۱۱ر ستمبر کے بعد منظم منصوبہ افواہوں کو بنیاد بنا کر امریکی مفاد پر ضرب کاری کے اندیشے ظاہر کئے جانے لگے، اسامہ کو کرشماتی شخصیت قرار دینے کے لئے طرح طرح کے اسالیب اختیار کئے گئے، اس سے منسوب واقعات افسانوی انداز سے بار بار اسلوب بدل کر شائع کئے گئے، کبھی کہا گیا کہ افغانستان میں بیٹھ کر وہ ہزاروں میل دور سے امریکی مفاد پر ضرب لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کے جاں نثار کارکن پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کی تنظیم القاعدہ اتنی منظم اور طاقتور ہے کہ وہ امریکی صدر پر بھی حملہ کرسکتی ہے۔ امریکہ کے ایٹمی مراکز کو تباہ کرنے کی اس کے اندر صلاحیت ہے، اس کے پاس جراثیمی اور ایٹمی ہتھیار ہیں، اسامہ کو گرفتار کرنا ممکن نہیں، امریکی وزیر دفاع رامسفیلڈ نے اپنی عاجزی ظاہر کی اور اعتراف کیا کہ ہم اسامہ کو کبھی نہیں پکڑ سکتے، ان خبروں کے پھیلانے کے بنیادی مقاصد یہ تھے کہ امریکن دشمنوں کو مسرت اور تسکین ہوتا کہ افغانستان پر کارپٹ بمباری سے متاثر نہ ہوں، دوسری طرف امریکی عوام پر بھی افغان بچوں، عورتوں اور مریضوں کی تباہی سے کوئی اثر نہ ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ بہت بڑے دشمن سے ہمارا سابقہ ہے، ان خبروں کا یہ بھی مقصد تھا کہ فلسطین پر اسرائیلی حملوں کا معاملہ دب جائے۔ اس زمانہ میں انتھرکس کی خبروں کو ڈرامائی صورت دیدی گئی تا کہ امریکی عوام ۱۱ر ستمبر کے ڈرامہ کی تہہ تک نہ پہنچ پائیں اور کوئی مطالبہ تحقیقات کا نہ ہونے پائے۔ اسامہ کے ایٹمی صلاحیتوں پر قابو پانے کی مفروضہ خبر کو مختلف زاویوں سے دو ماہ تک نمایاں کیا گیا تا کہ اس کو بنیاد بنا کر افغانستان اور پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں اور ان کی تخریبی قوتوں کا پتہ چلایا جائے، دوسری طرف ان شخصیات پر نظر رکھی جائے جو ان دونوں ملکوں کو ایٹمی پاور بنانے میں اہم رول ادا کر چکے

ہیں تا کہ کسی موقع سے ان کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔(۱)

۱۱رستمبر کے ڈرامہ کو بنیاد بنا کر یورپ و امریکہ میں خاص طور سے اور پوری دنیا میں عام طور سے سرگرم مسلمان داعیوں اور دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والی جماعتوں کو مقید کر دیا جائے اور جو طلبا وہاں زیر تعلیم ہیں ان کو امریکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ یا گرفتار کر کے جیلوں میں ڈالدیا جائے۔ انہیں اتنا ہراساں کر دیا جائے کہ وہ پھر ادھر کا رخ نہ کریں۔

اس ڈرامہ کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کی اقتصادی طاقت توڑ دی جائے۔ دوسری طرف خلیجی ملکوں کو یہ پیغام دیا جائے کہ وہ اگر اسامہ بن لادن جیسے لوگوں کی سرپرستی کریں گے تو ان کا بھی حشر افغانستان جیسا ہوگا۔

۱۱رستمبر کے ڈرامہ کے بنیادی محرکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ افغانستان پر قبضہ کر کے وسطی ایشیا بحر قزوین کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے کہ یہ سارے علاقے خلیجی ملکوں سے کہیں زیادہ قدرتی گیس، پٹرول، سونے، چاندی، فولاد اور قیمتی دھاتوں اور معدنیات سے مالا مال ہیں۔ اس کا بنیادی فائدہ یہ ہوگا کہ پٹرول کو اسلحہ کے طور پر خلیجی ممالک استعمال نہیں کر سکیں گے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ وسطی ایشیا کے مسلمانوں کی دینی بیداری پر روک لگادی جائے گی۔ روس اور چین دونوں اس معاملہ میں امریکہ کے ساتھ ہیں۔ افغانستان پر قبضہ کرنے کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ دینی مدارس کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جائے تا کہ طالبان جیسے لوگ امریکہ کے لئے خطرہ نہ بن سکیں، افغان مجاہدین کے ساتھ جو بدترین غیر انسانی سلوک امریکی فوجی کر رہے ہیں وہ اس زبردست نفسیاتی حملوں کا ایک پہلو ہے جس کا مقصد پوری اسلامی دنیا کو دہشت زدہ اور اندر سے توڑ دینا ہے۔ گجرات میں بھی یہی عملی مشق کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ تا کہ مسلمان کبھی ابھرنے نہ پائیں۔

امریکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس نفسیاتی جنگ کو طویل مرحلہ تک باقی رکھنا چاہتا ہے اسی لئے بار بار اسامہ بن لادن کی خبروں کو برابر مرکزی اہمیت دے رہا ہے۔ تا کہ

---

(۱) ۱۹۵۰ء سے اب تک کے عرصہ میں امریکہ، فرانس، جرمنی، ہالینڈ، مصر و عراق، لیبیا، پاکستان اور ہندوستان کے اداروں اور جدید ترین اسلحہ سازی کے تحقیقی مراکز میں کام کرنے والے مسلمان سائنس دانوں کو موساد کے قاتل دستوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا، یہ وہ سائنسداں تھے جو ایٹم بم، میزائل شکن نظام، تارپیڈو کشتیوں پر کام کر رہے تھے۔ ملاحظہ ہو رسالہ البعث الاسلامی، لکھنؤ شمارہ: ربیع الاول و ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ۔

اس کی جنگ کا جواز باقی رہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر اسلام اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا دین نہ ہوتا اور "انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون" کا وعدہ نہ ہوتا تو اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ اسپین میں ہی ہو چکا ہوتا یا پھر تاتاری یورش کے بعد اسلام زندہ ہی نہ رہ سکتا۔ کہ اس سے بڑھ کر اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف کوئی آندھی نہیں چلی تھی اور جس کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دے۔ "ومکروا مکرهم وعند الله مکرهم وان کان مکرهم لتزول منه الجبال" (یہ لوگ داؤ گھات میں اپنے کرتب بتا چکے تھے اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے مقابلہ میں کیا تھا جب کہ ان کی تدبیر اور چال ایسی تھی کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ چھوڑ دیتے۔ (سورہ ابراہیم ۴۶)

لیکن اس امریکی آندھی کا مسلمانوں پر کیا اثر ہوا، راقم نے اس کا جائزہ خود امریکی اخبارات کے حوالے سے لیا ہے وہ تعمیر حیات کے شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

اس واقعہ کا منفی اثر اسلام دشمنوں پر اس طرح پڑ رہا ہے کہ ان کی اقتصادی فوجی اور سیاسی شہ رگ تیزی سے کٹتی جا رہی ہے۔ ۱۱ر ستمبر کے بعد سے امریکہ نے کساد بازاری سے بچنے کے لئے تین بار اپنی محفوظ رقم کے منافع میں کٹوتی کی ہے، اس معاشی بدحالی کا پھیلاؤ جاپان، تائیوان، میکسکو اور برازیل تک جا پہنچا، امریکہ کی عمومی اندرونی پیداوار میں جو کساد بازاری آئی ہے اسے وہ ٹیکنکل کساد بازاری قرار دے رہا ہے، اس نے اندرونی پیداوار کی شرح ۲۹ر اگست ۲۰۰۱ء تک سات فیصدی بتائی تھی، جب کہ یہ شرح حقیقتاً زیرو فیصد پر آ گئی تھی اور ۳۱ر اگست کو منفی پر چلی گئی تھی، اس کساد بازاری کی وجہ سے امریکہ میں بے روزگاری تیزی سے بڑھ رہی ہے، ۱۱ر ستمبر کے بعد سے دس لاکھ سے زائد ملازمین اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں، بڑی بڑی کمپنیوں نے مزید ملازمین کو نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ امریکہ کو ملنے والے الیکٹرانک مصنوعات کے آرڈر میں ۲ء۳ فیصد کی کمی آئی ہے اس کے علاوہ مصنوعات کی تیاری میں بھی زبردست گراوٹ آئی ہے، عوام کی قوت خرید کو مصنوعی طور پر برقرار رکھا جا رہا ہے ۲۰۰۰ء کے اکتوبر سے ۲۰۰۱ء کے اکتوبر تک بے روزگاری کی شرح میں معاشیات گولڈ مین سکس نے پیشین گوئی کی ہے کہ ۲۰۰۲ء کی جنوری تک اس میں مزید اضافہ ہوگا، ایک دوسرے ماہر معاشیات مورگن اسٹینلے کے مطابق

امریکہ کی تجارت میں سالانہ ۲۰ فیصدی کی گراوٹ آئی ہے دنیا بھر میں اسٹاک مارکٹ تباہ ہوئی اور کھربوں کا سرمایہ آناً فاناً ڈوب گیا، اور قرآن مجید کی یہ پیشین گوئی جو اس نے قرن اول میں یہودیوں کے بارے میں کی تھی اکیسویں صدی میں اسی طرح پوری ہوئی کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں تباہ و برباد کرتے ہیں یخربون بیوتھم بایدیھم، امریکہ کا فوجی اور سیاسی جنازہ جس طرح نکلا اور جس طرح اس کا رعب و دبدبہ اور فرعونی مزاج ملیامیٹ ہوا وہ عذاب الٰہی کے سوا کچھ نہیں، اس کی کم عقلی، جہالت، بزدلی اور حیوانی جنون کے نمونے سامنے آئے اس کا تماشہ پوری دنیا نے دیکھا اور دیکھ رہی ہے۔ ع

شرم اس کو مگر نہیں آتی

اس کے برعکس یورپ اور امریکہ میں مقیم مسلمانوں کو جو فائدے حاصل ہوئے وہ بڑے دوررس نتائج کے حامل ہیں۔

اس واقعہ کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہوا کہ انہیں اپنی اسلامیت کا احساس ہوا اور یہ کہ مسلمانوں کی اپنی خاص شناخت ہے اس کی خاص ثقافت و تہذیب ہے، اور وہ تمام قوموں میں اپنی خاص پہچان اور امتیازی شان رکھتے ہیں، اس واقعہ نے مسلمانوں کے اندر اپنے مذہب کی طرف واپسی کا زبردست جذبہ پیدا کر دیا، پہلے اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے تھے لیکن اب برملا اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرنے لگے خاصی تعداد نماز و اور اسلامی شعائر سے غافل تھی لیکن اب وہ بڑی تعداد میں مساجد آنے لگے، نمازیوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا، اس حد تک کہ عید کی نماز جگہ تنگ ہونے پر کئی قسطوں میں پڑھی گئی۔

جہاں مسلمانوں نے قرآن مجید اور دینی کتابوں سے دلچسپی میں اضافہ کر دیا وہیں امریکیوں اور یورپیوں نے بھی اسلام اور مسلمانوں کا ذکر ٹی وی پر دیکھ کر قرآن اور اسلامی تاریخ اور دین اسلام سے متعلق کتابوں کی خریداری شروع کر دی۔ صرف امریکہ میں اسلام سے متعلق کتابوں کی خریداری میں تیس فیصد کا اضافہ ہو گیا۔ اس میں بھی قرآن مجید کے انگریزی تراجم اتنی بڑی تعداد میں خریدے گئے کہ مکتبات کے سارے اسٹاک ختم ہو گئے۔ ایک اخبار نے لکھا ہے کہ ایک ماہ کے اندر ۵۰ ہزار قرآن مجید فروخت ہوئے اور امریکی نیوز ایجنسیوں نے اطلاع دی کہ ۱۱ ستمبر کے بعد سے قرآن مجید سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بن گئی۔ اس کے ساتھ مساجد اور اسلامی مراکز میں غیر مسلموں

کی آمد اور اسلام کے بارے میں سوالات کی اتنی کثرت ہوگئی کہ ادھر تیس سال کے عرصہ میں ایسا نہیں ہوا، بعض اسلامی مراکز کے ذمہ داروں نے بتایا کہ ایک ایک دن میں اسلام سے متعلق آٹھ آٹھ انٹرویو ٹی وی اور اخبار والوں کو دینے پڑے۔ یہ سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔ خود مسلمانوں نے بھی ذرائع ابلاغ سے براہ راست رابطہ میں اضافہ کر دیا ہے۔ مساجد میں اسلام قبول کرنے والوں کی تانتا بندھ رہا ہے۔ تازہ ترین خبروں کے مطابق ۱۱ر ستمبر کے بعد سے دسمبر کے دوسرے ہفتے تک ۳۰ ہزار امریکیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ اگر امریکی مسلمان کروڑوں ڈالر خرچ کرتے تب بھی اسلام کا ایسا مؤثر تعارف نہ کرا سکتے جتنا کہ اس حادثہ کے بعد اس کا تعارف ہوا ہے، مسلمانوں کے غیر مسلم پڑوسیوں نے کبھی ان کی موجودگی کا خیال بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن اس حادثہ کے بعد ان غیر مسلم پڑوسیوں نے مسلمانوں سے تعارف حاصل کیا۔ ان کے مذہب، تہذیب اور اسلامی تاریخ کے بارے میں استفسار کیا۔ اور اصرار کے ساتھ انہیں اپنی مجالس اور گرجا گھروں میں مدعو کیا اور اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ قرآن کے تراجم کا مطالبہ کیا اور جب انہیں اسلام کی صداقت کا احساس ہوا تو فوراً انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۱۱ر ستمبر کے واقعے کا ایک فائدہ امریکی مسلمانوں کو یہ بھی ہوا کہ ذرائع ابلاغ ان کے بیانات کو اہمیت دینے لگے، ورنہ اس سے پہلے ان کو کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا، سیاسی جماعتوں نے بھی ان کو اہمیت دی، امریکی کانگریس کے چوٹی کے ارکان نے ان کی تائید میں بیانات دیئے اور امریکی صدر تک ان کے احساسات وجذبات پہنچائے، بش نے یہ اعتراف کیا کہ یہودی جماعتوں نے ۱۱ر ستمبر کے بعد سے مسلمانوں کے خلاف ہمیں اتنے فیکس بھیجے کہ میں متاثر ہوگیا۔ خصوصاً نائب وزیر دفاع (یہودی) نے بڑا گھناؤنا کردار ادا کیا۔

۱۱ر ستمبر کے حادثے کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ مسلمانوں کے اندر اجتماعی روح پیدا ہوگئی اور انہوں نے مایوسی کے بجائے استقامت کا راستہ اختیار کیا اور اپنے دعوتی اداروں کو اور زیادہ سرگرم عمل کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لئے زبردست مالی امداد مہیا کی اسلام سے متعلق کتابیں لائبریریوں اور کتب خانوں اور اپنے پڑوسیوں کو فراہم کیں امریکہ کے مشہور رسالہ U.S.A. TODAY (یو۔ایس۔اے۔ٹوڈے) نے لکھا کہ اس واقعہ کے بعد امریکیوں میں اسلام سے غیر معمولی دلچسپی بڑھ گئی ہے۔ اور عوام وخواص سب ہی امریکہ میں

مقیم مسلمانوں سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے اور خود دینی کتابیں خرید کر کے اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔اس رسالہ نے اپنے ۱۷رستمبر کے شمارہ میں لکھا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر امریکی مکتبات سے اسلام سے متعلق کتابیں ختم ہوگئیں۔قرآن مجید کی خریداری نے سارے ریکارڈ توڑ دیئے۔اس طرح اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔نیویارک ٹائمز نے اپنے ۲۳راکتوبر کے شمارہ میں لکھا کہ سمندر کی مسلسل موجوں کی طرح ہزاروں امریکی پورے امریکہ میں پھیلے ہوئے اسلامی مراکز اور مساجد کی طرف رواں دواں ہیں، یو.ایس.اے.ٹوڈے نے ۱۷رستمبر کے شمارہ میں لکھا کہ اب تک امریکی امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں سے الگ تھلگ زندگی گزارا کرتے تھے، لیکن ۱۱رستمبر کے حادثہ نے انہیں اسلام، مسلمانوں اور مشرق وسطیٰ سے متعلق معلومات حاصل کرنے پر مجبور کردیا۔اس کی ایک بنیادی وجہ تو یہ ہوئی کہ ۱۱رستمبر کے حادثہ نے امریکیوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا کردیا کہ آخر ایک شخص کے اندر کیسے اتنی ہمت وجرأت ہوئی کہ وہ اتنا بڑا اقدام اٹھاسکے۔اس کے پس پشت کون سی طاقت ہے۔کیا اس کا مذہب اس کے اندر اتنی بڑی قربانی دینے کی صلاحیت پیدا کرنے پر اب بھی قادر ہے۔

دوسری بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ ۷۰ فیصدی امریکیوں کے نزدیک امریکی میڈیا کی خبروں میں عدم توازن اور جانبداری پائی جاتی ہے، ۵۵ فیصدی امریکی ذرائع ابلاغ کی خبروں کو من گھڑت اور فرضی سمجھتے ہیں۔(جیسا کہ پنٹاگن کی ہدایت اور حکم پر خلیجی جنگ کی یک طرفہ رپورٹنگ کے CNN نے پوری دنیا میں امریکی میڈیا کو رسوا کردیا تھا، خود امریکی اخبارات ورسائل کے ایڈیٹروں نے اس نئی امریکی پالیسی کے خلاف زبردست احتجاج کیا تھا۔ان وجوہات کی بنا پر عام طور سے امریکیوں نے ۱۱رستمبر کے واقعات میں اسامہ اور اس کے ہم مذہب مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ سے اثر تو نہیں لیا لیکن وقتی طور پر وہ سکتے میں ضرور آگئے، پھر جب امریکی حکومت نے حسب توقع من گھڑت اور فرضی وجعلی دستاویزات جاری کیں تو سب سے پہلے خود امریکی صحافیوں نے اس دستاویز کو جھوٹ اور مکر وفریب کا پلندہ قرار دیا، قانون دانوں اور دانشوروں نے تو اس کو قابل التفات ہی نہیں سمجھا۔لیکن یہودیوں نے اپنے دلوں کی کدورت اور بغض وعداوت کو اس موقع پر نکالنا ضروری سمجھا، انہوں نے مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا، خواتین کو تنگ کیا، غلط مخبری کر کے انہیں

گرفتار کرایا۔ حالانکہ خود دو یہودی ایک مسجد کو سبوتاژ کرنے کے الزام میں دھماکہ خیز اشیاء سمیت رنگے ہاتھوں گرفتار کئے گئے۔ امریکیوں کے سامنے جیسے ہی حقائق واضح ہوئے اور یہودی سازشوں سے پردہ اٹھا تو انہوں نے مسلمانوں سے معافی مانگی، مساجد کے سامنے گلدستے لئے نمازیوں کو پیش کیا اور غلط فہمی اور بدگمانی کی معذرت کی، گرجا گھروں کے ذمہ داروں نے مسلمانوں کو اسلام کا تعارف کرانے کے لئے مدعو کیا۔ اور اسلام و مسلمانوں کے عقائد و تعلیمات کے بارے میں سوالات کئے، پھر جب ان کے سامنے اسلام کی تعلیمات واضح ہوگئیں تو انہوں نے حق بات کو تسلیم کرنے میں تاخیر نہیں کی، بلکہ خود ہی لائبریریوں اور مکتبات میں اسلام کے متعلق کتابوں کو تلاش کرنے کا کام شروع کردیا۔

چنانچہ صرف چار دن کے اندر امریکی مکتبات سے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کتابوں کا اسٹاک ختم ہوگیا۔ بڑے پیانے پر قرآن مجید کے انگریزی تراجم کا مطالبہ مسلمانوں سے کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے بھی اسلام اور مسلمانوں سے متعلق مقالات اور انٹرویو کو جگہ دینی شروع کردی ہے۔ تیسری طرف امریکیوں کو اس بات سے فکرمندی ہورہی ہے کہ ایف۔ بی۔ آئی۔ اپنے بنیادی مقاصد میں ناکام ہوگئے اور امریکیوں کی آزادی پر بہت سی پابندیاں لگائی جارہی ہیں جو قطعاً ناجائز ہیں، خواہ وہ امریکہ میں مقیم مسلمانوں ہی کے خلاف کیوں نہ ہوں۔

اس صورت حال نے یہودی پروپیگنڈے کی قلعی کھول دی اور ان کی سازش اسلام دشمنی کی ناکام ہورہی ہے، بلکہ جو امریکی پہلے سے یہودیوں سے دشمنی رکھتے تھے ان کی دشمنی میں اضافہ ہوگیا ہے اس لئے ان کا بھی کہنا ہے کہ ۱۱ر ستمبر کے حادثہ میں ان ظالموں کا ہاتھ ہے، لیکن چونکہ امریکی میڈیا پر ان کی اجارہ داری ہے اس لئے یہود دشمنی کی خبریں دبادی جاتی ہیں۔ لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، ایک نہ ایک دن ان کو اپنے کالے کرتوتوں کا حساب دینا ہی ہے۔ اور اپنے کھودے ہوئے کنویں میں انہیں گرنا ہی ہے۔ اب یہ امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی دعوتی سرگرمیوں کو تیز تر کردیں، اور یہ اسی صورت میں کارگر اور مؤثر ہوسکتی ہے جب کہ خود ان کی زندگی ایسی مثالی ہو کہ غیر مسلم ان کو دیکھتے ہی اسلام کے بارے میں غور کرنے پر مجبور ہوجائیں۔ یا ایہا الذین آمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً۔ کیا عجب ہے کہ متحدہ امریکہ کی

سرزمین اسلام کے پاسبانوں کی سرزمین بن جائے۔وما ذالك على الله بعزيز۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ صنم خانوں سے کعبہ کو پاسبان ملتے رہتے تھے آئندہ بھی ملیں گے، خورشید کی طرح ہمیشہ اس جہان میں اہل ایمان جیتے رہے ہیں اور اسی طرح زندہ رہیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس دین کے بارے میں فرمایا کہ ہم ہی نے اس قرآن مجید کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے تو پھر ہم اللہ کی رحمت بیکراں سے مایوس کیوں ہوں، چند سال پہلے ہی کی تو بات ہے کہ روس جیسی سپر پاور افغانستان آ کر بکھر گئی، ریاستہائے متحدہ امریکہ کے لئے بھی یہ ممکن ہے اور شواہد بھی بتا رہے ہیں کہ افغانستان میں آ کر اس کو بکھرنا ہے۔

"عسىٰ ان تكرهوا شيئاً وهو خيرلكم وعسىٰ ان تحبوا شيئا وهو شرلكم والله يعلم وانتم لا تعلمون"۔

نذر الحفیظ ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۳۰/۶/۲۰۰۲ء

نیا عالمی نظام خصوصیت، وسائل اور مقاصد

- ..... امریکی حکومت کے درو بست پر حاوی ہونے کا منصوبہ
- ..... مختلف ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا آغاز
- ..... حکومتوں کے اختیارات کے بڑے حصہ کی اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں تک منتقلی
- ..... اقوامِ متحدہ کو عالمی حکومت کی حیثیت
- ..... نئے گروپ
- ..... قوموں کے دماغی تطہیر کی تیاریاں
- ..... نئے عالمی نظام کی خصوصیت
- ..... انسانی آبادی اور اخلاقی قدریں
- ..... دورِ جدید کی تحریک
- ..... نئے عالمی نظام کے پس پردہ کارفرما ادارے اور تنظیمیں
- ..... لندن اسکول برائے اقتصادیات
- ..... امریکی کلیسا کی تنظیم
- ..... تعلقات خارجہ کمیٹی
- ..... نیا عالمی نظام۔تخیل اور عمل
- ..... نئے عالمی نظام کا سیاسی ڈھانچہ
- ..... نئے عالمی نظام کی تاسیس میں اقوامِ متحدہ کا کردار
- ..... فوجی قوت کی نوعیت
- ..... نئے عالمی نظام کی تشکیل میں امریکہ کا کردار

مقدمہ

دوسری خلیجی جنگ کے خاتمہ کے بعد ہی سے ایسے نئے عالمی نظام کے قیام کی باتیں شروع ہوگئیں، جن کے اپنے اصول وضوابط اور اس کے اپنے حدود ہوں گے، تمام ملکوں کے لئے ان اصول وضوابط اور حدود وقیود کو ماننا ضروری ہوگا، خواہ ان کے مذہب، عقائد، تہذیب اور معیار اور اخلاقی قدروں سے متصادم کیوں نہ ہو، بلکہ اس نئے عالمی نظام کے مقرر کئے ہوئے پیمانوں اور ضوابط کو فوجی طاقت کے بل پر مسلط کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جاسکتا۔

نئے عالمی نظام کے پس منظر اور اس سے متعلق مقاصد پر غور وفکر سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی مقصد اول وآخر خواہ اس نظام کے بانی مفکرین اور ہمدرد محسوس نہ کریں...... ''صہیونی اصول ونظریات اور مقاصد کی خدمات اور ہر قیمت پر ان کو بالادستی عطا کرنا ہے''۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ صہیونی دانشوروں کے دستاویزات نے سب سے پہلے اس عالمی نظام کا بنیادی تخیل پیش کیا تھا، بلکہ وہیں اس کا بیج بودیا گیا تھا، موجودہ ترقی یافتہ صورت اور مکمل نظام تک پہونچانے میں براہ راست یا بالواسطہ ان تمام تنظیموں نے مرکزی کردار ادا کیا ہے جو یورپ وامریکہ میں پھیلی ہوئی ہیں، یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہ گئی ہے کہ انسانی حقوق اور ثقافت کے نام پر اس وقت پوری دنیا میں جتنی تنظیمیں کام کررہی ہیں ان سب کا گہرا تعلق عالمی صہیونیت کی تنظیم سے ہے۔ اس جائزہ سے یہ بھی حقیقت منکشف ہوجاتی ہے کہ یہ تمام تنظیمیں پوری دنیا کے نظام کو ایسے صہیونی سانچہ میں ڈھالنے میں پوری طرح سرگرم عمل ہیں، جن کا گہرا ربط کونسل آف فارن ریلیشنز (C. F. R.) سے ہے، جس کے تحت عالمی صہیونی تنظیم، امریکی کلیسا کی انجمن،

عالمی کلیسا کی انجمن اور دیگر متعدد تنظیمیں کام کررہی ہیں، ان تنظیموں کے علاوہ انسانی حقوق کے نام پر کام کرنے والی تنظیمیں ہیں جو صہیونی مقاصد پر مکمل یقین رکھتی ہیں، امریکی اور یورپی سیاستدانوں کی بڑی تعداد مندرجہ بالا تنظیموں سے وابستہ ہے، انھیں جب بھی اقتدار حاصل ہوتا ہے وہ اپنے سیاسی عقائد اور افکار کو اس انداز سے نافذ کرنا شروع کردیتے ہیں کہ آگے چل کر ایسے نئے عالمی نظام کی شکل اختیار کرلے جس میں صہیونیوں اور ان کے ہم مشربوں کو بالادستی حاصل ہو، اس نئے عالمی نظام کی صورت گری اس وقت سے شروع ہوگئی جب سادہ انداز اور بے ضرر طریقہ پر لیگ آف نیشنز کا وجود ہوا، پھر اقوام متحدہ کی تشکیل ہوئی، اسی اقوام متحدہ کو مرکز توجہ بنا کر صہیونی مفکرین اور سیاستداں عالمی حکومت کا خواب دیکھ رہے ہیں، بلکہ عالمی حکومت کے تخیل کو عملی جامہ پہنانے کی ہر ممکن جدوجہد بھی کررہے ہیں خواہ موجودہ بین الاقوامی سانچہ سے متصادم ہی کیوں نہ ہو۔

یہ نیا عالمی نظام کیا ہے؟ اس کی صورت گری کے لئے اب تک کس نوعیت کی کوششیں کی گئی ہیں، دنیا کی حکومتوں اور قوموں کو اس تخیل کے قبول کرنے اور کسی صورت اس کی مخالفت نہ کرنے کے لئے کس طرح ان کو تیار کیا جارہا ہے، وہ کون سی کارفرما طاقتیں ہیں جو اس مقصد کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہیں، اور اس کا فائدہ کس کو ہوگا ان سوالوں کا جواب اس کتاب میں آپ کو ملے گا۔

مغربی میڈیا دراصل عالمی حکومت کی تشکیل وتعمیر کے بنیادی وسائل میں سے ایک طاقتور اور کارگر وسیلہ اور اس کے مرکزی ستونوں میں سے ایک اہم ستون ہے جس کے ذریعہ نئے عالمی نظام کو قائم کیا جارہا ہے۔

اس نئے عالمی نظام کو گلوبلائزیشن سے تعبیر کیا جارہا ہے(۱)۔ امریکی نقطۂ نظر سے اس کا مطلب امریکائزیشن کے سوا کچھ نہیں، یعنی مختلف طریقوں سے دُنیا بھر کے اُمور پر مغربی سرمایہ داری کی بالادستی، جس میں امریکہ کو اوّلیت حاصل ہو۔

اقتصادی میدان میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والی مشہور کمپنیوں اور قوانین ضوابط کے ذریعہ جن کا نفاذ دُنیا کے سارے ملکوں پر اُن کی طرف سے ہوگا۔ امریکی ثقافتی

(۱) ۱۹۹۱ء میں امریکی حکومت نے ورلڈ آرڈر یا عالمی نظام کا منصوبہ پیش کیا تھا لیکن روس کے شیرازہ بکھرنے کے بعد گلوبلائزیشن کی اصطلاح رائج کی گئی جسکا مقصد تیسری دُنیا کو امریکی رنگ میں رنگنا ہے۔

اقدار کو راسخ کرنے میں سینما کی کثرت، ذرائع ابلاغ، علوم وفنون اور روابط کے استحکام، تصاویر اور فلموں کے پھیلاؤ، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی اشاعت اور فضا پر چھائے ہوئے سٹیلائٹ کے ذریعہ۔

مختصراً یہ کہ دُنیا کو ایک ایسے عالمی سماج میں تبدیل کردینے کا منصوبہ ہے جس پر ایک ہی طرح کے اصول واقدار کی حکمرانی ہوگی اور اصول وقدار کی یہ یکسانیت اتنی وسیع ہوگی کہ قومی تشخص، ثقافتی تنوع اور مختلف قوموں کی تہذیبی رنگارنگی کو داؤں پر لگا کر سب لوگ ''میکڈونالڈ'' کھانے، کوکا کولا اور پیپسی پینے، جینز پہننے، مارکیٹنگ ذوق اور عادت میں یکساں اور مساوی نظر آنے لگیں گے(۱)۔ اس عالمی وحدت کا نفاذ ہوکر رہے گا، جو لوگ بآسانی اسے تسلیم کرلیں گے ان کے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے گا اور اس سے بغاوت کرنے والوں پر اسے بزور قوت نافذ کیا جائے گا۔ چنانچہ امریکی یہودی مفکر نعوم چومسکی کا کہنا ہے کہ امریکی نظام = یہودی نظام: کا دُنیا پر حکمراں ہونا ضروری ہے۔ اس سے کم کوئی چیز قطعاً ہماری نگاہ میں قابل اعتبار نہیں اور نہ ہم کسی چیلنج کے ساتھ کسی قسم کی رواداری برتنے کے لئے تیار ہیں۔ خاص طور سے شر وفساد کے عالمی سرچشموں مثلاً قوم پرستی، وطن پرستی، اسلامی بنیاد پرستی، دہشت گردی اور نسلی تنازعات کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کریں گے۔

ظاہر ہے امریکی تہذیب کی بالادستی کے نتیجہ میں دوسری قوموں کا تشخص ختم ہوجائے گا۔ اس کا اعلان اقتصادی میدانوں میں بھی کیا جارہا ہے۔ اس کی تنفیذ ''گاٹ'' معاہدہ کی شکل میں کی جارہی ہے۔ بڑی بڑی کمپنیوں کو کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ ترقی پذیر ملکوں کی تجارتی منڈی پر قبضہ کرلیں، ماہر اقتصادیات ٹونی کلارک کے تجزیہ کے مطابق گلوبلائزیشن کا فائدہ صرف بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکوں کو پہنچے گا۔ چنانچہ ۴۷ فیصدی عالمی اقتصادیات پر بڑی بڑی کمپنیوں کا قبضہ ہے۔ ۷۵ فیصدی عالمی تجارت ۵۰۰ بڑی کمپنیوں کے زیر تسلط ہے (جن میں ۱۵۳/امریکہ، ۱۵۵/یورپ اور ۱۴۱/جاپان سے تعلق رکھتی ہیں) مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والی صرف ایک فیصد کمپنیاں دُنیا بھر کے غیر ملکی سرمایہ کاری

(۱) فی الحال اخلاقی فساد کے میدان میں مشرقی ممالک مغربی ملکوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہے ہیں یعنی جس تناسب اور جس نوعیت کے اخلاقی جرائم امریکہ میں ہورہے ہیں اسی نوعیت کے جرائم کچھ کم تناسب سے مشرقی ممالک میں ہورہے ہیں، یہ امریکی گلوبلائزیشن کے دائرے میں داخل ہونے کا ایک پہلو ہے ورنہ سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی وتہذیبی میدانوں تک یہ دائرہ پھیلا ہوا ہے۔

کے ۵۰ فیصد حصص کی مالک ہیں۔

ماہرین اقتصادیات کا اندازہ ہے کہ ان بڑی کمپنیوں کی وسعت کا اندازہ سرمایہ سے ممکن ہے اور نہ پیداوار کی مقدار سے بلکہ اس کا اندازہ آمدنی سے لگایا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر جنرل موٹرز ان کمپنیوں میں سرفہرست ہے جس کی آمدنی ۱۶۸ ملین ڈالر سے زائد ہے۔ اے۔ بی۔ بی۔ کمپنی (جو ساٹھ بڑی کمپنیوں کو ضم کرکے وجود میں لائی گئی ہے)۔ تیسری دُنیا کی ۱۳۰ اور یورپ کی ۴۱ کمپنیوں پر حاوی ہے۔ تنہا مصر نے اس کمپنی میں ایک سو ملین ڈالر کا سرمایہ لگایا ہے۔ لیکن اس کا سارا فائدہ اے۔ بی۔ بی۔ کمپنی کو ہورہا ہے۔ ترقی پذیر ممالک اقتصادی اور ثقافتی میدانوں میں امریکہ کے تابع ہوتے جارہے ہیں۔

بڑی بڑی کمپنیوں کے ترجمان، ذرائع ابلاغ کے ادارے ملکوں اور قوموں کی مشکلات کو حسین بناکر پیش کرتے ہیں اور ان کے اسباب پیدا کرنے والوں ہی کو نجات دہندہ اور ناخدا باور کراتے ہیں۔ میڈیا کہتا ہے کہ امریکہ نے میکسیکو کو بچالیا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے وال اسٹریٹ کے ان امریکیوں کو بچالیا جنھوں نے میکسیکو میں اپنا کاروبار لگارکھا ہے۔

میڈیا بڑھتی ہوئی آبادی کے پیش نظر غذائی قلت کا رونا روتا ہے۔ مگر ایک بار بھی یہ نہیں بتاتا کہ کارگیل کمپنی عالمی غذائی اشیاء پر سانپ بن کر بیٹھی ہوئی ہے اور ہزاروں میل دور سے ان اشیاء کو ایکسپورٹ کرتی ہے تاکہ وہ ان لوگوں کے حصے میں آئیں جو پہلے ہی بدہضمی کے شکار ہیں، جبکہ پیدا کرنے والے ملک کے باشندے بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ جس ٹکنالوجی کی بات میڈیا کرتا ہے اس سے فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ وہ تو نیویارک، جینوا اور لندن کے تاجروں کا ایک گروپ ہے جو دُنیا کے وسائل پر قابض ہے اور عام شہریوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔ ظاہر ہے ذرائع ابلاغ نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ عالمی بینک اور مختلف کمپنیوں نے ایشین ٹائیگرس (ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ) کی اقتصادیات کو تباہ کرنے میں کیا کردار کیا ہے تاکہ انھیں غلام بنایا جاسکے اور انہیں اس درجہ بدحال کردیا جائے کہ وہ ہر اس ملک کے لئے نشان عبرت بن جائیں جس کے دل میں مغربی آقاؤں سے لوہا لینے کا کبھی خیال بھی آئے۔

سوال یہ ہے کہ کیا گلوبلائزیشن دُنیا کی تشکیل نو میں کامیاب ہوجائے گی۔ کیا دُنیا امریکی قیادت کو تسلیم کرے گی۔ کیا دوسرے ممالک اور قومیں اپنی ثقافت اور تشخص سے دستبردار ہونا قبول کرلیں گی اور اگر ایسا زور وزبردستی سے کیا گیا تو یہ زبردستی کب تک چلے گی۔ اس طرح کے بہت سے سوالات ہیں جن کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

نذر الحفیظ ندوی
دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

نیا عالمی نظام

خصوصیت، وسائل اور مقاصد

اگر چہ صہیونی دانشوروں نے اپنے دستاویزات میں ایک صدی پہلے عالمی حکومت کا خاکہ پیش کیا تھا(۱)، لیکن اس کی عملی تشکیل اور مربوط کوشش پہلی عالمی جنگ کے دوران شروع ہوئی جب خفیہ طور پر امریکی صدر ولسن کے سیاسی مشیر کرنل مانڈیل ہاؤس نے اپنے رفقاء کی مدد سے لیگ آف نیشنز کا سانچہ تیار کیا، مانڈیل نے سب سے پہلے امریکی صدر کے سامنے یہ تخیل پیش کیا، انھیں اس بات کے لئے تیار کرلیا کہ وہ اس تخیل کو اپنی قوم کے سامنے بذات خود پیش کریں گے چنانچہ ۱۹۱۷ھ میں صدر ولسن نے امریکی قوم کے سامنے لیگ آف نیشنز کا تخیل پیش کیا، لیکن دستوری طور پر امریکی سینٹ ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی معاہدہ یا دستاویز کو قبول یا مسترد کردے۔ اس بنا پر سینٹ کی چوتھائی اکثریت نے یہ کہہ کر لیگ آف نیشنز کے تخیل کو مسترد کردیا کہ امریکی اقتدار اعلیٰ کسی دوسری تنظیم کے تابع نہیں رہ سکتا، اس طرح یہ منصوبہ عملی شکل میں آنے سے پہلے ہی ناکامی سے دوچار ہوگیا، اگر چہ امریکہ لیگ آف نیشنز کا رکن نہیں بنا لیکن اس ادارہ کا وجود بہر حال برائے نام باقی رہا، منصوبہ سازوں کو اندازہ ہوگیا کہ براہ راست ملکوں کی آزادی اور اس کے اقتدار کو

(۱) ۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر بازل (BASEL) میں یہودی دانشوروں کی کانفرنس ہوئی تھی، جس نے انیس ابواب پر مشتمل دستاویزات تیار کی تھیں کتاب کے گیارہویں اور انیسویں دستاویز میں عالمی حکومت کا تخیل ملتا ہے، جبکہ بارہویں باب میں پریس کو قابو میں لانے اور سولہویں باب میں تعلیم کے ذریعہ ذہنی تطہیر کا منصوبہ موجود ہے لیکن اب ان کا انکار کیا جارہا ہے۔

چیلنج کرنے کی صورت میں کامیابی ممکن نہیں، خصوصاً ریاستِ ہائے متحدہ امریکہ پر اس تنظیم کی گرفت نہیں ہو سکتی، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امریکی دستور نے قانون سازوں اور ان قوانین کی تنفیذ کو متعدد اداروں سے مربوط کر دیا ہے، امریکی پریس کو جو آزادی حاصل ہے اور خود سینٹ کے ارکان جس آزادی سے بلوں پر تنقید کرتے ہیں اس کی بنا پر یہ ناممکن تھا کہ امریکی سینٹ اس بل کے حسن و قبح پر بحث نہ کرے، دوسری طرف امریکی دستور نے اپنے شہریوں کو یہ آزادی دے رکھی ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لئے اسلحہ رکھ سکتے ہیں، ایسی صورت میں امریکی اقتدار اعلیٰ کو کسی دوسری تنظیم کے تابع کر دینے میں بہت سارے خطرات مضمر ہو سکتے ہیں۔

صورتِ حال کو دیکھ کر منصوبہ سازوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تدریجی طور پر گامزن رہنے کا فیصلہ کیا، آئندہ کے لئے انھوں نے مندرجہ ذیل وسائل اور طریقہ کار اختیار کیا۔

امریکی حکومت کے دروبست پر حاوی ہونے کا منصوبہ

یہ منصوبہ اس طرح تیار کیا گیا کہ حکومت کے تین مرکزی محور اور بنیادی ستونوں کے علاوہ ذرائع ابلاغ، فکری، سماجی، اور اقتصادی اثر و نفوذ کے مراکز کو بھی اپنے منصوبے میں شامل کر لیا اس مقصد کے لئے کرنل ایڈورڈ منڈیل ہاؤس نے خفیہ طور سے گروپ کے رفقاء کے ساتھ امریکہ کے بجائے لندن میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ امریکہ میں ''امریکی ادارہ برائے عالمی امور'' نام کا ادارہ قائم کیا جائے بعد میں اس کا نام تبدیل کر کے ۱۹۲۱ء میں کونسل برائے خارجہ تعلقات Council of Foreign Relation کر دیا گیا اس ادارہ (C.F.R.) نے متعدد ادارے قائم کئے اور ہر ایک کے مقاصد متعین کر کے اپنے ماتحت انھیں رکھا گیا، ان اداروں میں سے چند یہ ہیں:

بزنس کونسل، ایشین انسٹی ٹیوٹ، اٹلانٹک کمیٹی، یونائیٹڈ ورلڈ فیڈرلسٹ، ٹری ٹیریل کمیشن وغیرہ، C . F . R. نے وجود میں آتے ہی اپنا ترجمان فارن افیرز (FOREIGN-AFFAIRS) کے نام سے نکالنا شروع کر دیا، اس ادارہ کے ارکان نے (جو سب کے سب یہودی تھے) حکومت امریکہ کے بڑے عہدوں، ٹیکس سے معاف

بڑے بڑے اداروں، امریکی میڈیا، بینک، ڈیموکریٹک اور ری پبلکن جماعتوں اور اثر ونفوذ کے دوسرے مراکز پر قبضہ کرلیا، ڈیلی کارینگی، فورڈ فاؤنڈیشن، راکفیلر فاؤنڈیشن، اور نیویارک ٹائمس، نیوز ڈیک اور بعد میں تمام امریکی ٹی وی اسٹیشنوں پر قبضہ کرلیا، اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ جو قوم مہاجر بن کر ۱۸۴۸ء میں بے سروسامانی کے ساتھ امریکہ آئی تھی، اور اب جس کی آبادی کا تناسب ۲ء۹٪ ہے وہ امریکہ کی ۹۷ء٪ آبادی پر حاوی ہو چکی ہے(۱)۔

امریکی صدر روزویلٹ سے لے کر رونالڈ ریگن تک نو امریکی صدر کے خارجہ امور کے مشیر مسٹر جان میکالے کا کہنا ہے کہ ہمیں جب بھی امریکی حکومت کے لئے کل پرزوں کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم سب سے پہلے C.F.R. کے مرکزی دفتر نیویارک سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ C.F.R. کے غیر معمولی اثر ونفوذ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۵۲ء سے اب تک دونوں سیاسی پارٹیوں نے امریکی صدارت کے لئے جتنے لوگوں کو نامزد کیا ہے ان سب کا تعلق C.F.R. سے تھا، اس میں استثنا صرف ۱۹۶۴ء اور ۱۹۸۰ء کا کیا جاسکتا ہے جب جب رونالڈ ریگن C.F.R. کے رکن نہیں تھے، لیکن ان کو مجبور کیا گیا کہ اپنے نائب جارج بش کا انتخاب کریں جو C.F.R. کے ممتاز رکن تھے، امریکی صدارت کا چارج لینے کے پہلے مہینہ میں ریگن پر قاتلانہ حملہ کرایا گیا تاکہ ان کے نائب

(۱) تازہ ترین اعداد وشمار کے مطابق امریکہ میں یہودیوں کے اثر ونفوذ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکہ میں کروڑپتی یہودیوں کا تناسب ۲۵٪ ہے، جوتے کی صنعت میں ۳۴٪ مشروبات کی صنعت میں ۵۰٪ ملبوسات اور فیشن کے میدان میں ۱۰۰٪ پٹرولیم کی صنعت میں ۹۸٪ تعلیم کے میدان میں ۲۰٪ امریکی یونیورسٹیوں میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۵۰٪ ہارورڈ جیسی عالمی شہرت کے حامل ادارہ میں یہودی اساتذہ کا تناسب ۷۵٪ میڈیسن میں ۲۵٪ لا کالجوں میں ۳۸٪ امریکہ میں یہودی ڈاکٹروں اور وکلاء کا تناسب ۳۸٪ ہے، عام طور پر امریکی میڈیا کے بڑے حصہ پر یہودی قابض ہیں، صرف ایک یہودی فیملی نیو ہاؤس فیملی کے پاس ۴۸ روزنامے، بیس ہفت روزہ، رسالے ایک سو بیاسی ریڈیو اسٹیشن، ایک سو چالیس ٹی وی کیبل، سترہ سو پچیس دارالاشاعت ہیں، امریکہ میں ساٹھ ملین روزناموں کی کاپیاں تقسیم ہوتی ہیں، یہ سب یہودی ملکیت کے روزنامے ہوتے ہیں، دوسری طرف امریکی انتخابات میں یہودی ووٹروں کے ووٹوں کا تناسب ۹۲٪ ہے جبکہ مجموعی طور پر پوری قوم میں ووٹوں کا تناسب ۵۴٪ اور امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے ووٹوں کا تناسب صرف ۲۸٪ ہے، اس میں بھی ہندوستان و پاکستان، ملیشیا وانڈونیشیا اور عرب ممالک سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ووٹوں میں تقسیم ہو جاتی ہے......(۱۹۹۷ء)

بش کو وسیع اختیارات دے جائیں، ریگن کی حکومت تین سو تیرہ ارکان پر مشتمل تھی، وہ سب کے سب .C.F.R کے ارکان تھے۔

جب بل کلنٹن صدارت کے عہدے پر فائز ہوئے تو انھوں نے .C.F.R کے صدر وارن کرسٹوفر کو اپنی حکومت چلانے کے لئے مطلوبہ اشخاص کے انتخاب کی پوری آزادی دے دی، چنانچہ ان کی حکومت کے بیشتر ارکان .C.F.R کے رکن ہیں۔

جہاں تک .C.F.R کے ترجمان فارن آفیرز کے اثر ونفوذ کا تعلق ہے تو امریکی بحریہ کے کمانڈر ایڈمیرل وارڈ کی یہ شہادت کافی ہے کہ فارن آفیرز کے مقالات پڑھنے سے مستقبل میں امریکہ کی دفاعی اور خارجہ پالیسی کی حکمت عملی کا اندازہ ہوجاتا ہے، اگر اس رسالہ میں کوئی تجویز دوبارہ شائع کی جاتی ہے تو امریکی حکومت کے تنفیذی ادارے انہیں اس طرح نافذ کرتے ہیں جیسے وہ تسلیم شدہ حقیقت ہوں۔

دوسری جنگ عظیم کے آغاز سے پہلے ۱۹۳۹ء میں .C.F.R نے ایک مجلس کی تشکیل کی تجویز پیش کی تھی، تجویز یہ تھی کہ دوسری جنگ سے پیدا ہونے والے مسائل ومشکلات پر غور کرنے کے لئے ابھی سے ایک کمیٹی بنادی جائے، چنانچہ امریکی وزارت خارجہ نے اپنی وزارت کے چوٹی کے ماہرین پر مشتمل اس کمیٹی کی تشکیل کی، اس کمیٹی کی مدد کے لئے .C.F.R سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے ماہرین فراہم کرے، چنانچہ ایک رکن کے علاوہ تمام ارکان .C.F.R سے تعلق رکھتے تھے۔

پھر جب امریکہ یہودی سازش کے مطابق اس جنگ میں کود پڑا تو اس کمیٹی کے دائرہ کار میں مزید توسیع کردی گئی، جس نے امریکہ کی خارجہ پالیسی کے بارے میں ایڈوائزری بورڈ کی حیثیت حاصل کرلی۔

۱۴ راگست ۱۹۴۱ء میں امریکی صدر روزویلیٹ اور برطانوی وزیراعظم چرچل نے ایک معاہدہ پر دستخط کیئے جس میں ایک عالمی نظام اور دائمی امن کے قیام کی دعوت دی گئی تھی۔

یکم جنوری ۱۹۴۲ء میں چھبیس حلیف ملکوں نے اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کئے، ان ملکوں نے امریکی وبرطانوی رہنماؤں کے دستخط سے جاری شدہ معاہدہ کی تصدیق کی، اسی وقت سے اقوام متحدہ کی تعبیر کا استعمال شروع ہوا، لیکن امریکہ وہ واحد ملک تھا جس نے

اقوام متحدہ کے بجائے اس ادارہ کو حلیف ملک سے تعبیر کیا۔

جنوری ۱۹۴۳ء میں امریکی وزیر خارجہ "کارڈیل ھل" نے اپنی صدارت میں ایک کمیٹی کی تشکیل کی جس کے تمام ارکان C.F.R. سے تعلق رکھتے تھے، اس کمیٹی نے اقوام متحدہ کے قیام کی تجویز کا مکمل خاکہ بنا کر امریکی صدر کو پیش کر دیا، جس نے ۱۵/ جون ۱۹۴۴ء میں امریکی عوام کے سامنے اس ادارہ کے قیام کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

پھر ۱۹۵۴ء میں سان فرانسسکو میں اقوام متحدہ کے چارٹر کا اعلان کیا گیا، تو اس معاہدہ پر پچاس ملکوں نے دستخط کیے، اس چارٹر میں رکن ممالک کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کا صراحت سے ذکر کیا گیا ہے، مگر ساتویں دفعہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ ضرورت پڑنے پر سلامتی کونسل کی نگرانی میں فوجی کونسل کی تشکیل کی جا سکتی ہے، یہ فوجی کونسل اس وقت اپنا کردار ادا کرے گی جب اقوام متحدہ کسی ملک کے خلاف جنگ کا اعلان کر دے گا، دفعہ ۴۳ کے تحت مستقل حفاظتی فوج کی تشکیل کی صراحت موجود ہے۔ چونکہ اس دستور ساز کمیٹی میں C.F.R. کے ارکان کی غالب اکثریت تھی اس لئے تمام دفعات اکثریت سے منظور کئے گئے، اور قطعی کوئی دشواری پیش نہیں آئی، اس طرح عالمی حکومت کے قیام کا پہلا ادارہ یا وسیلہ یہودیوں کے ہاتھ آ گیا۔

مختلف ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا آغاز

جب چومبے نے ۱۹۶۰ء میں یہ اعلان کیا کہ کٹنگا کا صوبہ کانگو سے الگ آزاد ہو کر رہے گا تو اس کے بعد ہی ان کو قتل کر دیا گیا، سلامتی کونسل نے پہلی بار اقوام متحدہ کی فوج کانگو بھیجنے کا فیصلہ کیا، جہاں امن فوج نے ہزاروں بے گناہوں کو قتل کیا، اور کٹنگا کے باشندوں پر وحشت ناک مظالم کئے، وہاں کے مواصلاتی مراکز کو تباہ کر دیا گیا تا کہ بیرونی دنیا سے کوئی رابطہ قائم نہ ہونے پائے، ہسپتالوں اور اسکولوں کو بھی برباد کر دیا گیا، لیکن بڑے پیمانے پر اندرونی معاملات میں مداخلت کا سلسلہ خلیجی جنگ کے بعد شروع ہوا، سلامتی کونسل نے اپریل ۱۹۹۱ء میں قرارداد پاس کر کے عراق کے اندرونی معاملات میں مکمل مداخلت کا فیصلہ کیا، اس قرارداد کے ذریعہ اقوام متحدہ کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی گئی کہ اقوام متحدہ کے افسران بغیر کسی اجازت کے کسی وقت بھی جانچ کر سکتے ہیں اور مہلک ہتھیاروں کو تباہ

و برباد کر سکتے ہیں، اسی طرح غذائی اشیاء کی درآمد و برآمد اور پٹرول کی فروخت پر پابندی عائد کردی، اپنی مرضی کے مطابق اقوام متحدہ نے قانون بنا کر عراق کے اقتصادی اور اس کی داخلی اور خارجہ پالیسی پر پہرے بٹھادئے، جنگ کا بہانہ بنا کر قرارداد بغیر کسی اعتراض کے پاس کردیا گیا، اس طرح گویا تمام ملکوں میں مداخلت کا دروازہ چوپٹ کھول دیا گیا، یہی کھیل بوسنیا، ہایتی اور صومالیہ میں کھیلا گیا، جزوی طور پر لیبیا، کمبوڈیا، لائبیریا، نائیجیریا'' سوڈان اور انگولا میں بھی یہی ڈرامہ کھیلا گیا (۱)، پھر جون ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بطرس غالی کی رپورٹ ''تجاویز برائے قیام امن'' جنرل اسمبلی میں پیش ہوئی جس میں باقاعدہ ملکوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کو قانونی درجہ اس طرح دے دیا گیا کہ بڑی طاقتوں نے اس تجویز کو تسلیم کرلیا، جنرل سکریٹری نے اس تجویز میں اقوام متحدہ کے دائرہ عمل کو مزید پھیلانے کی درخواست کی اور کہا کہ خاندانی شیرازہ کو بکھرنے سے بچانے کے لئے آبادی پر کنٹرول، ایڈس کے امراض، فقر و فاقہ، اور خشک سالی کو دور کرنے اور انسانی حقوق کو پامالی سے بچانے اور فضائی آلودگی سے بچانے کے لئے بھی اقوام متحدہ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ مسائل اتنے سنگین اور ان کا دائرہ اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ کوئی ملک تنہا اپنے محدود وسائل سے ان سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

حکومتوں کے اختیارات کے بڑے حصہ کی اقوام متحدہ کے ذیلی اداروں تک منتقلی

تدریجی طور پر اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں کی طرف سے برابر ایسے قوانین مختلف ملکوں پر مسلط کئے جارہے ہیں، اس طرح کہ وہ بعض معاملات میں خود فیصلہ کرنے کے بجائے اقوام متحدہ کے متعلقہ اداروں کو مداخلت کا حق دے دیں۔ چنانچہ کینیڈی اور جانسن کے دور حکومت میں امریکی وزارت خارجہ کے معاون مسٹر رچرڈ گارڈنر نے کہا تھا کہ اگر ہم کو عالمی نظام کی عمارت تعمیر کرنی ہے تو نیچے سے اس کی بنیادیں اٹھانی ہوں گی، نہ کہ اوپر سے، ہم کو چاہئے کہ کسی ملک کے اقتدار اعلیٰ اور اس کے حدود اختیارات

(۱) کوسوا میں مسلمانوں کی نسل کشی کا نیا طریقہ ناٹو افواج کی سرپرستی میں اختیار کیا گیا۔

کی بالکل پروانہ کریں، اور اس راہ میں جو ملک بھی آڑے آئے اس کے ٹکڑے کرنے سے بھی گریز نہ کریں، اس کے بغیر ہم محض تقلیدی انداز میں عالمی نظام قائم نہیں کر سکتے'' ان خیالات کا اظہار مضمون نگار نے فارن آفیئرز کے مقالہ میں کیا تھا جو اپریل ۱۹۴۷ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا، اس مقالہ کے بعد ہی سب سے پہلے سادہ اور بے ضرر انداز میں ایسی تجویز لائی جاتی ہے اور عام اصول کے طور پر تسلیم کرلی جاتی ہے، اس کے ساتھ اس کی بھی صراحت برائے بیت کرالی جاتی ہے کہ اس کی تنفیذ لازمی نہیں ہے، پھر ایک بین الاقوامی دستاویز تیار کر کے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے اس کو منظور کرالیا جاتا ہے، اس کے رو سے اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں کو بعض مخصوص معاملات میں مداخلت کا حق دے دیا جاتا ہے، مثلاً اجتماعی نسل کشی سے متعلق قانون پر امریکہ نے ۱۹۸۲ء میں دستخط کئے تھے اس کے تحت ہیگ کی بین الاقوامی عدالت کو یہ اختیار دے دیا گیا تھا کہ اگر کسی ملک کو اجتماعی نسل کشی اور قتل عام کا مجرم پایا جائے تو اس کے خلاف مقدمہ چلایا جا سکتا ہے، بعینہٖ یہی صورت حال ماحول کو فضائی آلودگی سے بچانے اور بچوں سے متعلق حقوق وقوانین کے مسودہ قانون پر ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۴ء میں دستخط کر کے اقوام متحدہ سے منظوری کی صورت پیش آئی، بین الاقوامی قوانین تجارت کو'' گاٹ'' معاہدہ کی صورت میں تمام ملکوں پر مسلط کر دیا گیا (۱) اس طرح روز بروز یہ حکومتیں اپنے اقتدار اعلیٰ سے محروم ہوتی جارہی ہیں، انھیں اب محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اپنے اندرونی معاملات میں بھی کوئی قانون بنانے یا قدم اٹھانے سے اپنے کو عاجز پا رہی ہیں، انھیں ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے اقوام متحدہ اور اس کے تابع ذیلی اداروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے، اقوام متحدہ کی ایک کمیٹی نے امریکی ریاست اور یگن کے

---

(۱) بظاہر امریکہ کے نام پر یہودی اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اس لئے کہ امریکی تجارت پر اجارہ داری یہودیوں کی ہے، اس معاہدہ کے تحت دنیا کے تمام ممالک زرعی پیداوار میں اقوام متحدہ کے قواعد وقوانین کے پابند ہونگے، اقوام متحدہ اگر یہ مطالبہ کرے کہ فلاں فلاں زرعی پیداوار کی مقدار اور معیار اس طرح ہو، تو وہ ملک اس کی پابندی پر مجبور ہوگا، خواہ اس کو مادی خسارہ ہی کیوں نہ ہو، مثال کے طور پر اسرائیل اور مصر کے درمیان زرعی اور تجارتی معاہدے کے نتیجہ میں کپاس اور ترکاریوں کے بیج اسرائیل نے فراہم کئے، بیج چونکہ خراب تھے اس لئے مصری کسانوں کو نہ صرف پیداوار میں خسارہ ہوا بلکہ ان کی زمین بھی برباد ہوگئی، ایسی ہی پابندی تجارت میں ہندوستان اور دوسرے ملکوں سے کرائی جارہی ہے۔ دوسری طرف بیرونی قرضوں سے نجات دلانے کے بہانے ہندوستان کے بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیوں کو خریدا جارہا ہے۔

ایک قانون کو امریکن سپریم کورٹ سے رجوع کئے بغیر مسترد کردیا تھا، جو ماحولیات سے متعلق تھا، حالانکہ امریکہ کے اندر کسی قانون کو دستوری اعتبار سے مسترد کرنا صرف امریکی سپریم کورٹ کا حق ہے۔

بچوں سے متعلق قوانین پر تبصرہ کرتے ہوئے ریاست ورجینیا کے ایک ممبر پارلیمنٹ نے کہا کہ اقوام متحدہ نے قانون تو پاس کردیا لیکن امریکی معاشرہ میں اس کی تنفیذ کے لئے امریکی سینٹ کو اس قانون کے مطالعہ کے لئے پورا وقت نہیں دیا گیا کہ ہر پہلو پر غور کرے، مشکل اس وقت پیش آئے گی جب امریکی عدالتیں اقوام متحدہ کے بنائے ہوئے قوانین کے نتائج کا سامنا کریں گی۔

اقوام متحدہ کو عالمی حکومت کی حیثیت

ڈاکٹر بطرس غالی نے ایجنڈا برائے امن نامی رپورٹ میں باقاعدہ اس کا مطالبہ کیا تھا کہ اقوام متحدہ کو تمام حکومتوں سے ٹیکس وصول کرنے کا حکم دیا جائے، سب سے پہلے تجارتی تبادلوں، پٹرولیم کی پیداوار، اور اسلحہ کے رجسٹریشن پر فیس وصول کی جائے، اس طرح اقوام متحدہ کے اتنے بڑے سکریٹریٹ اور اس کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے لئے مالی وسائل مہیا ہوسکیں گے اس لئے کہ مختلف ممبر ملکوں سے چندوں کی وصولی ناممکن ہوگئی ہے، ہم ان چندوں پر تکیہ نہیں کرسکتے۔

تدریجی طور پر اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ دفعہ ۷ کے تحت اقوام متحدہ کی دائمی امن فوج کی تشکیل کی جائے۔ ۱۹۶۱ء میں امریکی وزارت خارجہ نے ۲۷ نمبر کی ایک جائزہ رپورٹ ''جنگوں سے نجات'' کے موضوع پر تیار کر کے حکومت کو پیش کی تھی، اس کو بنیاد بنا کر امریکی کانگریس نے قانون ۲۹۷-۸۷ سرکاری طور پر پاس کردیا تھا جس کا عنوان تھا ''ترک اسلحہ کا قانون'' اس قانون کے مطابق امریکہ نے یہ طے کرلیا تھا کہ پرامن دنیا سے تباہ کن اسلحہ کو تدریجی طور پر منظم طریقہ سے تین مراحل میں ختم کردیا جائے۔

- پہلے مرحلے میں اسلحہ کے خلاف نفسیاتی فضا تیار کی جائے اور اس مسئلہ کے حق میں

بین الاقوامی معاہدہ کرنے کی فضا بنائی جائے۔
دوسرے مرحلہ میں عالمی امن کے قیام کے لئے اقوام متحدہ کے ماتحت امن فوج کی تشکیل کی جائے۔
تیسرے مرحلہ میں منظم طریقہ سے تیز رفتاری سے تباہ کن اسلحہ سے تمام ملکوں کو خالی کرالیا جائے تاکہ کوئی ملک فوجی اعتبار سے اقوام متحدہ کی مسلح فوج کو چیلنج نہ کر سکے۔

عراق اور یوگوسلاوی جمہوریتوں کو جس طرح اپنے فوجی اسلحوں سے محروم کیا گیا وہ اس قانون کی عملی تطبیق ہے، اس قانون کے مطابق ان ملکوں کو صرف وہی اسلحہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، جو داخلی امن دامان قائم کرنے میں معاون ہوں، فوجی پولیس کو اندورنی فسادات پر قابو پانے کے لئے بھاری اسلحہ سے لیس کیا جائے گا۔

ادھر آخری سالوں میں اقوام متحدہ کی امن فوج کی تعداد میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے، یہ تعداد اب بڑھ کر ایک لاکھ ہوگئی ہے۔

۲۰ر مارچ ۱۹۶۲ء کو امریکی وزارتِ دفاع کی فرمائش پر دفاعی تجزیہ کے ادارہ نے رپورٹ نمبر ۷ تیار کی تھی، امریکی وزارتِ دفاع نے اس ادارہ سے یہ سوال کیا تھا کہ ایسا ماحول کس طرح تیار کیا جاسکتا ہے جہاں اقوام متحدہ اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کر سکے، اس کا جواب دفاعی تجزیاتی ادارہ نے تیار کیا، اس میں اس سوال کا براہ راست جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ ”وہ دنیا جس پر اقوام متحدہ پوری طرح قابض ومتصرف ہو اور اس کے تمام ذیلی ادارے اس دنیا کے دروبست پر پوری طرح حاوی ہوں، یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اقوام متحدہ کے تمام اداروں میں ان ملکوں کی رکنیت لازمی اور جبری قرار دی جائے اور اقوام متحدہ کے تمام اداروں کے پاس پوری فوجی طاقت ہو، ہمیں اس مقصد کی تکمیل کے لئے اقوام متحدہ کے چارٹر میں معمولی سی ترمیم کرنی پڑے گی تاکہ یہ عالمی ادارہ اپنے فرائض کو پوری آزادی کے ساتھ تمام دنیا میں انجام دے سکے، اقوام متحدہ میں جو ممالک طاقتور اور موثر رول ادا کر رہے ہیں وہ ترکِ اسلحہ کی نگرانی، امن وامان کے قیام، باہمی اختلافات کے ازالے اور ٹیکس وصول کرنے کے لئے کافی ہیں ہم اس اقوام متحدہ کی بات کر رہے ہیں جس

کے پاس پانچ لاکھ ایسی فوج موجود ہو جو جدید جوہری اسلحہ سے لیس ہو، پچاس سے سو کی تعداد میں جوہری اسلحہ ان کے پاس ہوں، اور حکومتوں کے تین مرکزی اختیارات یا اقتدار اعلیٰ کے تین محور و مرکز اس کے پاس ہوں، بین الاقوامی عدالت کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی صلاحیت ہو...... ہم یقینی طور پر عام حکومت کی بات کر رہے ہیں''۔

اس کو بنیاد بنا کر بڑی طاقتوں کے درمیان ترکِ اسلحہ کے موضوع پر متعدد معاہدے ہوئے، جوہری اسلحہ اور اسٹار دار پروگرام میں استعمال ہونے والے اسلحوں پر پابندی کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی، روس کے ساتھ ترکِ اسلحہ کا سب سے بڑا معاہدہ ہوا، جس کے تحت کم از کم روس کو اپنے جوہری اسلحہ سے محروم ہونا پڑا، امریکہ میں فوجی مشقوں کی نگرانی اقوام متحدہ کے افسران کرتے ہیں۔

امریکی میڈیا میں اس طرح کے مضامین عرصہ سے لکھ کر ذہن سازی کی جارہی ہے کہ امریکہ بہت بڑا ملک ہے، اس کے انتظامات مرکزی حکومت کے ذریعہ چلانے مشکل ہو رہے ہیں، اس لئے امریکہ کے مستقبل کے بارے میں بحث و مناقشہ ہونا چاہیئے، اب یہ فضا تیار ہو چکی ہے کہ مرکزی حکومت کے اختیارات محدود کر دیئے جائیں، چنانچہ امریکی دستور میں آزادیٔ اظہار رائے اور شخصی اسلحہ کے رکھنے کا حق دیا گیا ہے، اب ان حقوق کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

متعدد امریکی ریاستوں نے امریکی دستور میں ترمیم کی تجویزیں پیش کی ہیں، لیکن ابھی تک دو تہائی کی اکثریت حاصل نہیں ہو سکی ہے، اگر دو تہائی کی تعداد میں یہ ریاستیں اس مقصد کے لئے متحد ہو جاتی ہیں تو اس کا امکان ہے کہ یہ قدیم مطالبہ پھر زندہ کر دیا جائے کہ بجائے قدیم دستور کے نیا دستور وضع کیا جائے۔ یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ کے بجائے نیو اسٹیٹس آف امریکہ کا نام رکھ دیا جائے، ریاستوں کی تعداد کم کر کے ان کو نیم خودمختاری دی جائے، قانون سازی کی صلاحیت کم کرنے کے بجائے اس کی تنفیذی صلاحیتوں میں اضافہ اور موجودہ دستوری حقوق کو حذف کر دیا جائے۔

امریکہ میں ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے مطابق یہودی عناصر کی طرف سے ایسی کتابیں برابر لکھی جارہی ہیں اور بیانات بھی دیے جارہے ہیں جن میں یہ

کہا جاتا ہے کہ امریکہ بحیثیت ایک متحدہ ریاست کے انتشار و خلفشار کا شکار ہو رہا ہے، امریکی صدر جان۔ ایف۔ کینیڈی کے مشیر آرتھر سیلنگر کی کتاب ''امریکہ کا انتشار'' (مطبوعہ ۱۹۹۲ء) میں یہ بات کہی گئی ہے، اسی طرح جارج کینن نے، جو متعدد امریکی صدر کے مشیر رہ چکے ہیں اپنی کتاب (مطبوعہ ۱۹۹۳ء) میں یہ تجویز میں پیش کی ہے کہ امریکہ کے مستقبل کے بارے میں بحث و مناقشہ کے لئے ایک مستقل کمیٹی کی تشکیل کی جائے۔

نئے گروپ

پہلی اور دوسروری عالمی جنگوں کے بعد روس اور یوگوسلاویہ متحدہ ملکوں کی صورت میں سامنے آئے تھے، بعد میں یورپی ملکوں کے درمیان اتحاد و تعاون اور وفاق کی نئی شکل سامنے آئی جس نے پہلے یورپی مشترکہ منڈی کی صورت اختیار کی، پھر تدریجی طور پر یورپی پارلیمنٹ کی حیثیت اس نے اختیار کرلی، اس کے بعد کسٹم، سرحدی قوانین ختم ہوئے، اور اب تمام یورپی ملکوں کے درمیان یکساں مالیاتی نظام اور سکوں کی وحدت کے بارے میں فیصلہ کر کے اس کو عملاً نافذ بھی کر دیا گیا، یہی صورتِ حال امریکہ کے شمالی اور جنوبی براعظموں میں پیش آرہی ہے کہ جو کمیٹی دونوں براعظم کے درمیان معاہدوں کی تنفیذ کی نگرانی کرے گی وہی امریکی پارلیمنٹ کی صورت اختیار کرے گی، جس کے بعد یورپی پارلیمنٹ کے نقش قدم پر امریکی اتحادی پارلیمنٹ کا وجود ہو جائے گا۔

تقریباً یہی صورت حال اس وقت مشرق وسطیٰ اور بحرالکاہل کے ملکوں میں اختیار کی جارہی ہے، اردن اور اسرائیل کے درمیان ڈھیلا ڈھالا وفاق ہو چکا ہے، اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ کسٹم کا نظام اور پاسپورٹ کی پابندی دونوں ملکوں کے درمیان ختم کردی جائے، رباط، عمان، اور قاہرہ میں اقتصادی عنوان سے جو چھوٹی کانفرنسیں ہو چکی ہیں، ان کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ اسرائیل کی مصنوعات کے لئے تمام عرب ملکوں کے دروازے چوپٹ کھول دئے جائیں۔

قوموں کے دماغی تطہیر کی تیاریاں

اقوام متحدہ کے سابق سکریٹری ڈاکٹر بطرس غالی سے (.A.B.C) امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی کے نمائندہ نے صومالیہ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ صومالیہ میں امریکی فوج بھیجنے کی کاروائی اس لئے ممکن ہوسکی کہ ہم نے اس مقصد کے لئے مسلسل دس مہینے تک ذرائع ابلاغ کو وقف کردیا تھا۔'' ڈاکٹر غالی کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ صومالیہ میں امریکی فوجی مداخلت کو پوری دنیا کی نظروں میں قابل قبول بنانے کے لئے سب سے پہلے میڈیا کے ذریعہ صومالیہ کے اندر بھوک مری اور قحط سالی کے واقعات کو ہولناک بنا کر پیش کیا جائے، انھوں نے کہا کہ '' دنیا بھر کو ہم میڈیا کے ذریعہ یہی خبریں اور تصویریں فراہم کرتے رہے کہ وہاں لوگ قحط اور بھوک مری وافلاس کی وجہ سے مررہے ہیں، ٹیلی ویژن اور اخبارات بھوکے اور ننگے صومالی عوام کی تصویریں مؤثر انداز میں پیش کرتے رہے، اور پوری دنیا کو یہ باور کراتے رہے کہ اس چٹیل اور بے آب وگیاہ صحرا میں نہ پانی ہے نہ کھانا، نہ سر چھپانے کے لئے گھر ہیں اور نہ تعلیم کے لئے مدارس، لوگ بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں، اگر کہیں سے کوئی امداد ملتی بھی ہے تو یہ غیر مہذب، وروحشی لوگ آپس میں لڑنے لگتے ہیں، جب ہر طرح سے فضا تیار ہوگئی تو پھر بغیر کسی مشورہ کے فوجی مداخلت کا لمحہ آپہونچا، اب اسکے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہوئی کہ جس ملک پر فوجی یورش کی گئی ہے اسکے اصل مسائل ومشکلات کیا ہیں، پوری دنیا یہ مؤثر اور دلکش منظر دیکھنے لگتی ہے کہ امریکی فوجی نجات دہندہ بن کر اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر ہزاروں میل دور اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر مسیح الملک بن کر صومالی عوام کے لئے غذائی امداد کا سامان اپنے کاندھوں پر لئے اِدھر اُدھر پھر رہے ہیں، غذائی اجناس کے منصفانہ نظام تقسیم کی بدولت ہی یہ ممکن ہوسکا کہ بھوکے اور مریل صومالی عوام صحت مند اور خوشحال ہوجائیں، انکے جسم پر امریکی لباس آگیا، اس قیمتی امداد کے یہ لوگ دل سے قدرداں ہیں، اور امریکہ کی انسانیت نوازی اور رحمدلانہ پالیسی پر پوری قوم رطب اللسان ہے اور قوم کا ہر فرد یہ چاہتا ہے کہ امریکی فوجیں یہیں رہ جائیں، یہی ڈرامہ خلیجی جنگ کے موقع پر رچایا گیا، امریکی قوم ہی نہیں پوری دنیا کو صدام کے مظالم کے بارے میں تفصیل سے بتایا گیا لیکن اس سے پہلے صدام سے منصوبہ

کے مطابق کاروائی کرائی گئی، کویت کو اس ڈارمہ میں قربانی کا بکرا بنایا گیا، صدام حسین اور جارجیا کے مسیحی مبلغ ومہاجر طارق حنا عزیز کو آلۂ کار بنایا گیا (۱) جو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے نہیں معلوم کہ امریکہ کی نمائندگی کر رہے ہیں یا اسرائیل کی؟

نئے عالمی نظام کی خصوصیت

اگر اقوام متحدہ نئے عالمی نظام کو قائم کرنے کا کوئی ایسا ادارہ ہے جو وقت ضرورت اپنے دستور اور چارٹر تبدیلی کرتا رہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ متوقع عالمی حکومت ایسی ہوگی جن پر قانون کی کوئی حکمرانی نہ ہوگی اور اس حکومت کا سربراہ لامحدود اختیارات کا مالک اور مطلق العنان ڈکٹیٹر ہوگا، (۲) جیسا کہ اقوام متحدہ کی روش سے معلوم ہوتا ہے، مثالیں بہت سی پیش کی جاسکتی ہیں۔

---

(۱) خلیجی جنگ کی حقیقت بہت جلد واضح ہوگی کہ صدام امریکہ کی مالی ضرورت پوری کرنے اور اقوام متحدہ کے عالمی نظام قائم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ اور ہتھیار ہے، بلکہ عالمی نظام کی تجربہ گاہ عراق کو بنایا گیا ہے، جب بھی مالی تنگی اور پریشانی ہوتی عربوں کی توجہ اصل مسائل سے ہٹانے اور ان پر سیاسی ومعاشی دباؤ بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے تو صدام کے ذریعہ فوجی اقدامات کرائے جاتے ہیں، تاکہ یہ کمزور اور سادہ دل عرب امریکی (صہیونی) گود میں اپنے کو پوری طرح ڈال دیں، خلیجی جنگ کے موضوع پر جو کتابیں شائع ہورہی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اقوام متحدہ کے بازی گروں نے پوری دنیا کو اچھی طرح بے وقوف بنایا ہے، اس مصنوعی جنگ کی نامہ نگاری کرنے والے ہزاروں صحافی اپنی تمام تر ذہانتوں اور چالاکیوں کے باوجود بیوقوف بنادیے گئے، عرصہ کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ C.N.N. نے کیوں تنہا ایک ہزار ملین ڈالر کے عوض اس جنگ کی نامہ نگاری کے حقوق حاصل کر لئے تھے، امریکی بمباروں کی مسلسل تباہ کن بمباری کے باوجود کیسے عراق جوں کا توں باقی رہ گیا، اور صدام جیسا جانی دشمن زندہ رہ گیا؟ ع دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا۔ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے مدیر پروفیسر خورشید احمد نے اپنے ایک اداریہ میں مشرق وسطیٰ میں سرگرم استعاری طاقتوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کی سازشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مشرق وسطیٰ ایک آئینہ ہے جس میں پوری امت کے المیہ کی تصویر دیکھی جاسکتی ہے، امریکہ، مغربی اقوام، اقوام متحدہ، اسرائیل، عرب دنیا کے حکمراں، ترکی کی موجودہ قیادت، عراق کا حکمراں اور صدام حسین یہ سب اس ڈرامے کے مختلف کردار ہیں، میدان جنگ کے نقشوں کا بننا اور بگڑنا اس کا ایک حصہ ہیں، تادیبی کاروائیاں اور ان میں سہولتیں، دعوے اور دلائل، حقیقی عزائم اور سازشیں، دھمکیاں، مکرنیاں اور وعدہ خلافیاں ان سب ہی سے اس ڈرامے کے ڈیلاگ عبارت ہیں، آگے چل کر مشرق وسطیٰ پر استعماروں کے پس منظر اور بندر بانٹ کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد موجودہ المیہ سے پروفیسر صاحب نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "کشمکش اور عدم استحکام مشرق وسطیٰ اور جنوبی یوریشیا پر محیط اسلامی علاقوں کی مرکزی اور مستقل حقیقتیں رہنے کا امکان ہے"۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱۔ جب کوریا کے خلاف چین نے قدم اٹھایا تھا تو اقوام متحدہ نے اس کے خلاف فوری اقدام کیا، اس کا مطلب یہی تھا کہ چین امن پسند ملک نہیں ہے، لیکن چینی جارحیت کا انعام اقوام متحدہ نے اس ملک کو اس طرح دیا کہ نہ صرف چین کو اپنا ممبر بنالیا بلکہ سلامتی کونسل میں ویٹو کا حق بھی عطا فرمادیا، حالانکہ اقوام متحدہ کے دستور میں اس کی صراحت ہے کہ جو ملک امن پسند نہ ہو وہ اس کا ممبر نہیں بن سکتا۔

۲۔ سلامتی کونسل بہت سے قرارداد منظور کرتی رہتی ہے، لیکن اپنے پسند کی قرارداد کو وہ نافذ کرتی ہے، اسرائیل کے خلاف سیکڑوں قراردادیں منظور کی گئیں، لیکن اس جارح اور غاصب ملک کے خلاف اقوام متحدہ نے کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا، بلکہ اسرائیل کے مطالبہ پر بعض قراردادیں اقوام متحدہ نے واپس لے لیں، فلسطیعوں اور لبنانیوں پر ہمیشہ اسرائیل بمباری کرتا ہے، عراق کے ایٹمی مرکز پر اس نے بمباری کی، مگر جب لیبیا اور سوڈان کے خلاف قرارداد پیش ہوئی تو باوجودیہ کہ لوکربی طیارے کی تباہی میں لیبا کے ملوث نہ ہونے کے ثبوت تھے، مگر من مانی طریقہ پر اقوام متحدہ نے بائیکاٹ کی قرارداد منظور کرلی، اور اس کے خلاف فضائی ناکہ بندی کی تجویز کو نافذ بھی کردیا، عراق کے خلاف قراردادیں پاس کر کے ان کی بڑی سرگرمی سے تنفیذ کی جارہی ہیں۔ یہی معاملہ سوڈان اور افغانستان کے ساتھ کیا جارہا ہے۔

جنرل اسمبلی :۔ جس کے تمام دنیا کے ممالک ممبر ہیں۔ کی قراردادوں کی کوئی اہمیت نہیں، مگر اس کے برعکس سلامتی کونسل جس کے صرف پندرہ ممالک ممبر ہیں، اس کی قراردادوں پر پوری دنیا میں زلزلہ آجاتا ہے، کیونکہ ان کو نافذ کرنا ضروری ہے، سلامتی کونسل کے اندر بھی عملاً صورتِ حال یہ ہے چار مستقل ارکان کی طرف سے قراردادیں منظور کی جاتی ہیں، باقی ارکان پر یہ فرض ہوجاتا ہے کہ وہ ان پر عمل کریں۔

= سابق امریکی صدر کارٹر کے قومی سلامتی کے مشیر برزنسکی اور نیوز ڈیک کے حوالے سے ان نتائج کی تائید میں دلائل بھی دیے ہیں، نیوز ڈیک کا یہ حوالہ مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے کہ "اگر صدام حسین موجود نہ ہوتا تو ہمیں اس کو ایجاد کرنا پڑتا، وہ مشرق وسطی میں امریکی پالیسی کا محور ہے، اس کے بغیر واشنگٹن صحراء کی ریت میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہوتا" (نیوز ڈیک ۱۶ر ستمبر ۱۹۹۶ء ص:۱۷)۔

(۲) جیسا کہ صہیونی پروٹوکول کے گیارہویں دستاویز کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ خلیجی جنگ میں عراق کے خلاف جتنے ممالک شریک ہوئے تھے ان سب نے اقوام متحدہ کے پرچم تلے عراق کے خلاف اقدام کیا تھا، اقوام متحدہ کے دستور اور خود ان شریک جنگ ممالک کے دستور میں یہ بات درج ہے کہ جنگوں میں بجلی، پانی، اور شفاخانوں کو نشانہ نہیں بنایا جائے گا، لیکن اقوام متحدہ کی نگرانی میں ان تمام ملکوں نے ان بنیادی تنصیبات کو نشانہ بنایا، برطانیہ، فرانس اور امریکہ نے اپنی مرضی مسلط کر کے عراق کے خلاف اقتصادی پابندی یہاں تک کہ غذائی اشیاء، اور دواؤں کی خریداری پر بھی پابندی عائد کر دی۔

ان باتوں سے یہ اچھی طرح اندازہ ہو جاتا ہے کہ جس عالمی حکومت کی تشکیل کی جا رہی ہے وہ کسی قانون، کسی محتسب اور کسی نگراں کے تابع نہیں ہوگی، نہ کسی ملک کے اندر یہ جرأت ہوگی اور نہ ہی اس کو یہ حق ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ یا اس عالمی حکومت کو اس کی غلطیوں اور قوانین کے خلاف ورزی پر ٹوک سکے یا اس کو متنبہ کر سکے، اس کی تائید ان بیانات سے بھی ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس عالمی ادارہ کے ذمہ داران جاری کرتے رہتے ہیں۔

ڈیوڈ راکفیلر (یہودی سرمایہ دار) نے ۱۹۷۳ء میں چین کا دروہ کیا تھا، وہاں کے ثقافتی انقلاب میں لاکھوں انسان مارے گئے تھے، ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے راکفیلر نے چین کی زبردست تعریف کی، اس نے کہا: ''چین کے انقلاب سے خواہ کتنا ہی خسارہ ہوا ہو، اور اس کو اس کی کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑی ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس انقلاب نے چینیوں کے اندر اعلیٰ انسانی صلاحیتوں کو جنم دیا ہے، اب وہ پہلے کے مقابلہ میں بہتر طریقے سے صنعتی ادارے چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بلکہ اس خونیں انقلاب نے پورے معاشرے کے اندر زبردست معنوی روح پیدا کرنے میں بے نظیر کامیابی حاصل کی ہے، ماؤ کی قیادت میں جو انقلاب آیا ہے وہ انسانی تاریخ میں سب سے کامیاب ترین انقلاب ہے''۔

نیویارک ٹائمس نے چین کی ترقیات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ایک مقالہ میں (۱۹/اگست ۱۹۶۱ء) لکھا ہے کہ کمیونسٹ انقلاب کے خلاف کسی بھی بغاوت کو فرو کرنا ہمارا بنیادی مقصد ہے، اس لئے کہ اگر کمیونسٹ نظام کے خلاف کوئی انقلاب آتا ہے تو اس کا

مطلب تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں، کمیونسٹوں کو زیادہ استقرار اور استحکام عطا کرنا ہمارے مفاد میں ہے۔ کمیونسٹ نظام سے کیا فوائد اور مصالح اقوام متحدہ کے وابستہ ہیں، اسکی صراحت کرتے ہوئے اقوام متحدہ کی ترک اسلحہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ ''امن کی تلاش'' میں کہا تھا کہ ہم روسی خفیہ پولیس (K.G.B.) کے نظام کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں جس کی بدولت ایک اشارہ پر دوسو ملین انسانوں کو گرفتار کیا جاسکتا ہے، اس لئے کمیونسٹ نظام کے شیرازہ کو بکھرنے سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کی حمایت کریں کہ اس سے ہمیں عالمی نظام حکومت کے قیام میں مدد ملے گی۔

۷ /اپریل ۱۹۷۰ء کے لاس انجلیز ٹائمس میں اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل نے اپنے ایک مقالہ میں روسی رہنما لینن کی زبردست تعریف کی اور کہا کہ انھوں نے روس پر جس طرح حکومت کی وہ اقوام متحدہ کے لئے ایک مثالی نمونہ ہے۔

سکریٹری جنرل نے یونسکو کو ایک پیغام میں لکھا کہ لینن انتہائی روشن خیال اور دانشمند انسان تھا، دور حاضر پر اس کے افکار اور کارناموں کے روشن اور واضح نقوش ثبت ہیں۔

جہاں تک تغیرات اور تبدیلیوں، نیز عالمی نظام کے قیام کے سلسلہ میں بحث وتحقیقات اور ذہن سازی کا تعلق ہے تو اس کی عملی مثال خود ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے، باقی حکومتوں کو بھی امریکہ ہی کو نمونہ بنا کر چلنا ہوگا، جیسا کہ مندرجہ ذیل حقائق سے بات واضح ہوتی ہے۔

۱) جارج بش کے دور صدارت میں امریکی شہریوں کو قانونی اور مالیاتی امور میں ایک لڑی میں منسلک کرنے کے سلسلہ میں ایک قانونی مسودہ کو منظوری دی گئی، اس قانون کے تحت مالی جرائم پر قابو پانے کے لئے پورے ملک میں ایک سو کمپیوٹر مراکز قائم کئے گئے جن کا براہ راست تعلق تمام امریکی بینکوں، مالیاتی اداروں، محکمۂ کسٹمز، اعداد وشمار کے مراکز، ایف بی آئی کے مرکزی دفتر، مکانات وجائداد فروخت کرنے والے ایجنٹوں اور لائف انشورنس کمپنیوں سے ہے، امریکی شہریوں سے یہ ادارے جو بھی معاملات کریں گے، وہ تمام معاملات اس مرکزی یونٹ کو ارسال کردیں گے، ہر امریکی شہری کو ایک نمبر الاٹ کیا جائے گا جس کی بنیاد پر اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ وہ نمبر وزارت داخلہ، تعلیمی اداروں

،طبی مراکز، بینکوں، کسٹمز، سیلز ٹیکس اور انکم ٹیکس کے محکموں میں موجود رہے گا، اس نمبر پر کمپیوٹر میں تمام تفصیلات، مالی پوزیشن، طبی حالات و کیفیات، اخلاقی و تعلیمی حالات، اور تاریخ پیدائش کی جزوی تفصیلات جمع کردی جائیں گی، حسب ضرورت کمپیوٹر کا بٹن دبا کر مطلوبہ شخص کی زندگی کا پورا کچا چھٹا چند لمحوں میں حاصل ہو جائے گا۔

۲) یورپ و امریکہ میں اس کا تجربہ کیا جارہا ہے کہ شاہراہوں اور گلیوں میں ایسے کیمرے نصب کردیے جائیں جو چوبیس گھنٹے تمام آنے والوں کی حرکات وسکنات اور آوز محفوظ کر لیتے ہیں۔

۳) بینکوں میں یہ سوال بھی کیا جاتا ہے کہ کیا آپ ایسے لوگوں سے واقف ہیں جو غیر قانونی طور پر ڈالر باہر بھیجتے ہیں، بالفاظ دیگر نئے عالمی نظام میں لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف جاسوسی پر مجبور کیا جائے گا، امریکی بینکوں میں فارم نمبر ۸۳۰۰ اس کی واضح مثال ہے۔

۴) امریکی غذائی پیکٹوں پر نمبر پڑے ہوتے ہیں، اس طرح کہ الیکٹرانک نمبرات انتہائی باریک شکل میں ہوتے ہیں، جو بہت غور سے دیکھنے پر نظر آتے ہیں، اسی طرح کے نمبرات مویشیوں کی کھال کے نیچے لگادیے جاتے ہیں، وقت ضرورت کمپیوٹر میں وہ نمبر دیکھ کر معلوم کیا جاسکتا ہے کہ اس نمبر کا جانور ریوڑ میں کہاں ہے، اس تجربہ کو انسانوں پر بھی آزمایا جارہا ہے، مستقبل قریب میں امریکی ماہرین کو اس کی توقع ہے کہ ولادت ہوتے ہی اس بچے کی کھال میں کسی جگہ وہ برقی نمبر لگادیا جائے، اس نمبر کو کمپوٹر میں رکھ دیا جائے گا، وقت ضرورت کمپیوٹر سے نمبر لے کر سگنل کے ذریعہ مطلوبہ شخص کی موجودگی یا عدم موجودگی کا علم ہو جائے گا(۱)۔

۵) اس طرح یہ تجربات بھی کیے جارہے ہیں کہ سکہ اور نوٹ کا نظام ختم کرکے خرید وفروخت کے سارے معاملات مخصوص برقی نمبرات کے تابع کردیے جائیں، یعنی آپ کسی دوکان سے کوئی چیز خریدنا چاہتے ہیں، یا کسی کو پیسے بھیجنا یا دینا چاہتے ہیں تو جو مالیاتی نمبر آپ کو الاٹ ہوا ہے آپ اس نمبر کے ذریعہ وہ رقم دوسرے کو دے سکتے ہیں، ایسی صورت

---

(۱) لاسلکی فون اور پیجر کے نظام سے یہ تجربہ کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

میں آپ کے مالی تصرفات پر اس مرکزی دفتر کا کنٹرول رہے گا جہاں سے وہ نمبر آپ کو الاٹ ہوا ہے، وہ دفتر جب چاہے گا آپ کو اس نمبر کو استعمال کرنے سے روک دے گا، ایسی صورت میں نہ آپ کھا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو فلیٹ کرایہ پر دے سکتے ہیں (۱)۔

---

(۱) کریڈٹ کارڈ اور مخصوص کوڈ کا استعمال کر کے حسب ضرورت چوبیس گھنٹے کام کرنے والے خود کار بنک سے رقم نکالنے کا نظام اس کی ابتدائی مثالیں اور عملی مشق کا نمونہ ہیں۔

انسانی آبادی اور اخلاقی قدریں

جہاں تک انسانی آبادی میں اضافے اور توالد و تناسل کا تعلق ہے تو نئے عالمی نظام کے حامی و داعی اس کے قائل ہیں کہ انسانی آبادی کو کم ہونا چاہئے، دوسری طرف جنگ عظیم کے بعد مشہور برطانوی فلسفی برٹرینڈ رسل نے انسانی بتاہی دیکھ کر یہ تأثر ظاہر کیا تھا کہ پچاس ملین انسان اگر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے تو کیا ہوا، یہ تعداد تو بہت معمولی ہے، ہر روز دنیا کی آبادی میں پانچ لاکھ اسی ہزار نفوس کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، جنگ نے اپنا کام پورا نہیں کیا، اس کی ضرورت ہے کہ انسانی آبادی کو کم کرنے کے لے جراثیمی ہتھیاروں کا استعمال کیا جائے تا کہ دنیا غیر ضروری انسانوں سے خالی ہو جائے، اور اس روئے زمین پر صرف آزاد و خوشحال انسان رہ سکیں (۱)۔

۱۹۶۰ء میں پال ارچ نامی مصنف نے ''آبادی کا بم'' نام کی کتاب میں لکھا کہ ''اس وقت انسانی آبادی کا بم پوری دنیا کو تباہ کر رہا ہے، ہم اس پر قابو نہیں پا رہے ہیں، بڑھتی ہوئی آبادی کے اس کینسر کی تمام علامتوں کو ٹھکانے لگانے کے لئے ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس آپریشن کے لئے ہمیں وحشت و بربریت سے کام لینا پڑے، ایسا غیر انسانی فیصلہ کرنا ہی ہوگا''۔

بین الاقوامی بنک کے صدر رابرٹ میکنمارا نے اکتوبر ۱۹۷۹ء میں اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ''انسانوں کی آبادی کو ایک کھرب تک بڑھنے سے روکنے کا وہی طریقہ ہمارے سامنے ہے، پہلی شکل تو یہ ہے کہ غیر معمولی سرعت سے پیدائش پر روک لگائیں،

(۱) امریکی وزارت دفاع کی فرمائش پر سائنسدانوں نے ایڈز پھیلانے کے انجکشن ایجاد کے ہیں جن کا تجربہ افریقی ملکوں میں کیا جارہا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وفات کے تناسب میں اضافہ کردیا جائے، ان دونوں صورتوں کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں، اس ایٹمی دور میں جنگ ہی وہ واحد اور فیصلہ کن طریقہ ہے جس کے ذریعہ بڑی سرعت کے ساتھ ہم کم وقت میں آبادی پر قابو پاسکتے ہیں، بھوک اور مرض سے لوگ طبعی طور پر مرتے ہیں، لیکن رفتار سست ہوتی ہے، اس ذریعہ سے آبادی پر کنٹرول کرنا ممکن نہیں ہے۔

۱۹۷۴ء میں کیسنجر، جارج بش، اور برنٹ اس کوکرافٹ پر مشتمل ایک کمیٹی نے دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کی تھی جو امریکی حکومت کی قومی سلامتی امور سے متعلق تھی، اس سروے کو ''جائزہ ۲۰۰'' کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ تیرہ ایسے ممالک ہیں جو اپنی بڑھتی ہوئی آبادی کی بنا پر امریکی مفاد کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں، ان میں ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، مصر، ترکی، انڈونیشیا، نائیجریا، میکسیکو، برازیل، فلپائن، تھائی لینڈ، ایتھوپیا اور کولمبیا کے ممالک ہیں، ان ملکوں پر ہر طرح کا دباؤ ڈالنا ضروری ہے، تاکہ وہ آبادی کم کریں، مانع حمل اشیاء کے علاوہ دوسرے ذرائع اختیار کئے جائیں، تیسری دنیا کے اقتصادی مسائل ومشکلات کو حل کرنے میں جو رکاوٹیں ہیں، خصوصاً خاندانی منصوبہ بندی کے خلاف جو آوازیں اٹھ رہی ہیں ان کو ختم کرنا ضروری ہے (۱)۔

اس سروے کے بعد ہی امریکی صدر نے پوری دنیا میں آبادی کو کم کرنے کی پالیسی کی تنفیذ کو اپنا مشن بنالیا، انھوں نے چین کے اس خاندانی منصوبہ بندی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جہاں ایک خاندان کے لئے ایک بچہ پر اکتفا کیا گیا ہے، کارٹر کی حکومت نے اپنی رپورٹ ۲۰۰۰ میں یہ مطالبہ کیا کہ پوری دنیا کی آبادی صرف دو بلین ہونی چاہئے۔

---

(۱) مذکورہ بالا ممالک میں خصوصاً اور اسلامی ملکوں میں عموماً آبادی کو ختم کرنے کے دو طریقے اختیار کئے جارہے ہیں، ان میں سیاسی اور دینی بنیادوں پر خوں ریزی، نسلی اور وطنی بنیادوں پر خانہ جنگی کے سلسلے برابر جاری ہیں۔ مغربی میڈیا اس آگ کو ہوا دے رہا ہے، ایران وعراق، افغانستان، سری لنکا، الجزائر، تونس، مصر وشام، ہندوستان میں پنجاب، کشمیر اور آسام وناگالینڈ وہ علاقے اور منطقے ہیں جہاں کی آبادیاں مغربی ملکوں سے اسلحہ لے کر برادرکشی کے ذریعہ نئے عالمی نظام کی بنیادوں کو مضبوط ومستحکم بنارہی ہیں۔ افریقی ممالک میں نائیجیریا، صومالیہ، سوڈان، بورنڈی، روانڈا، زائر اور یورپ میں بوسنیا والبانیہ اور کوسوو میں مغربی ممالک براہ راست نسل کشی میں حصہ لے رہے ہیں۔

۱۹۹۳ء میں امریکی صدر کلنٹن نے اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ دنیا کے باشندوں کو ہم اسی وقت صحت منداور خوشحال دیکھ سکتے ہیں جب بڑھتی ہوئی آبادی پر ہم کنٹرول کریں، ہم آئندہ نصف صدی کے اندر بڑھتی ہوئی آبادی کو برداشت نہیں کر سکتے۔ ایک امریکی مصنف جارج اورویل نے ۱۹۸۴ء میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں اس نے ایک ایسی دنیا کا تخیل پیش کیا تھا جہاں بچہ کی پیدائش پر مکمل کنٹرول حکومت کو حاصل ہو، اس کام کی انجام دہی کے لئے مخصوص مرد و خواتین ہوں گی، باقی کو جبری طور پر انجکشن کے ذریعہ بانجھ بنادیا جائے گا۔ اس تخیل سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آئندہ جو نیا عالمی نظام ہمارے سروں پر مسلط ہونے والا ہے اس کی کیا نوعیت ہوگی، جیسا کہ چین، سری لنکا اور تھائی لینڈ میں عملاً اس تخیل کو بروئے کار اس طرح لایا گیا ہے کہ ۲۸٪ چینی خواتین، ۲۵٪ سری لنکا اور ۲۲٪ تھائی لینڈ کی شادی شدہ خواتین کو ہمیشہ کے لئے انجکشن دے کر بانجھ بنادیا گیا ہے، یہ عمل ۱۹۸۵ء تک کی محدود مدت میں انجام دیا گیا ہے، اس بنا پر مذکورہ بالا تینوں ملکوں کی انسانی آبادی میں محسوس کمی ہوگئی ہے۔

۱۹۹۴ء میں قاہرہ کی آبادی کانفرس میں جو رپورٹ پیش کی گئی تھی اس میں اس بات پر تشویش ظاہر کی گئی کہ ابھی تک آبادی پر کنٹرول پوری طرح نہیں ہو رہا ہے اس لئے ۲۰۱۵ء تک تمام ملکوں کو چاہئے کہ ایڈز کے امراض سے بچنے اور خاندان کو محدود کرنے کے لئے مانع حمل اشیاء کا استعمال لازمی کرائیں، غذائی نظام اور تعلیم و تربیت کے نظام میں ایسی بنیادی تبدیلیاں کی جائیں کہ ان کے اثرات آبادی پر پڑ سکیں، ہر انسان کو خواہ وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ، اسکو مانع حمل اشیاء فراہم کی جائیں، اور محفوظ آزادانہ جنسی تعلقات کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

قاہرہ کی آبادی کانفرنس میں خاندان کو محدود کرنے کے جو دلائل دیے گئے تھے ان میں ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ہماری یہ زمین بڑھتی ہوئی آبادی کے اخراجات کی متحمل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ہر ایک کو موٹر کار، ایر کنڈیشن کمرہ اور برقی آلات ٹی وی، ریڈیو، فون، وغیرہ مہیا کئے جا سکتے ہیں، ریوڈی جنیرو میں اگست ۱۹۹۲ء میں ماحولیات سے متعلق کانفرنس کے اختتام پر کمیٹی کے صدر مورلیس اسٹرانگ نے ایک بیان میں کہا کہ ہماری

زندگی کا معیار بہت بلند ہے، ہر شخص ایر کنڈیشن کمرے اور کار کا مالک بننا چاہتا ہے، ہر ایک گوشت مچھلی کھانا چاہتا ہے، اگر ہر شخص ان تمام چیزوں کا مالک بھی بن گیا تو ماحولیاتی آلودگی میں اضافہ ہو جائے گا، ہم تو ایسی دنیا چاہتے ہیں جہاں ماحولیاتی آلودگی کم سے کم ہو، اس مقصد کے حصول کے لئے عالمی سطح پر اقتصادی نظام کی تشکیل نو ضروری ہے۔ اس جدید اقتصادی نظام کی تشکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امریکی خارجہ تعلقات کی کمیٹی کے ایک سرگرم رکن لیسٹر براؤن نے اپنی کتاب ''بغیر حدود و قیود کی دنیا'' (مطبوعہ ۱۹۷۲ء) میں لکھا تھا کہ ''دنیا کو ماحولیاتی آلودگی سے محفوظ کرنے کے لئے ایک نئے اقتصادی نظام کی ضرورت ہوگی جس کی کامیابی کے لئے ہمیں خاندانی منصوبہ بندی اور پیدائش کے طریقوں اور زندگی کے نظام میں بھی انقلاب لانا ہوگا۔

۱۹۷۲ء میں جو تخیل لیسٹر براؤن نے توالد و تناسل سے متعلق پیش کیا تھا اس کے لئے فضا کس طرح سازگار بنائی جارہی ہے، اور ذہنوں کو کس طرح تیار کیا جارہا ہے، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اجمالی جائزہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

۲۰ نومبر ۱۹۸۹ء میں بچوں کے حقوق سے متعلق ایک کانفرس ہوئی جس میں تجاویز پیش کی گئیں، پھر ستمبر ۱۹۹۰ء میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام نیویارک میں ایک چوٹی کانفرس ہوئی جس میں ستر ملکوں کے سربراہوں نے شرکت کی، اکسٹھ ممالک کے نمائندوں نے بچوں کے حقوق سے متعلق تجاویز پر دستخط بھی کردیے۔

اس دستاویز کے دفعہ ۵۴ کا تعلق بچوں کو گود لینے، ان کی تعلیم و تربیت، بچوں کے ساتھ والدین کے سلوک، ماں کی صحت، بچوں کی آزادی، اور دین واخلاق میں ان کے حقوق سے ہے، اس دفعہ کے فقرہ نمبر ا میں والدین کو اس بات سے روکا گیا ہے کہ وہ بچوں کو کسی متعین دین کی تعلیم یا تلقین کریں، صراحت کے ساتھ اس فقرہ میں کہا گیا ہے کہ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو دین واخلاق اور ضمیر کے معاملہ میں پوری آزادی دیں، ان کو سوچنے کی مکمل آزادی ہو، وہ جو مذہب چاہیں اختیار کریں۔

فقرہ نمبر ۳۱ میں کہا گیا ہے کہ بچوں کو ہر طرح کی کتابیں، رسالے اور اخبارات پڑھنے کی آزادی ملنی چاہئے، اگر وہ عریاں اور فحش رسالے اور جنسی معاملات سے متعلق

مضامین اور تصاویر خریدنا یا رکھنا چاہیں، اگر وہ شیطان کی پرستش کرنا چاہیں تو یہ ان کے بنیادی حقوق ہیں، ان کے والدین کو مداخلت نہیں کرنی چاہئے، اگر زبانی یا تحریری یہ کام وہ کرنا چاہیں، فحش رسالے اور تصویر چھاپنا چاہیں، ٹی وی، ریڈیو اور انٹرنٹ کے ذرائع سے وہ انھیں دوسروں تک پہونچانا چاہیں تو انھیں ان کاموں کی آزادی ملنی چاہئے۔

فقرہ نمبر ۲۸ میں کہا گیا ہے کہ آزادانہ محفوظ جنسی تعلقات، ان سے متعلق معلومات، وسائل، جنسی تعلیم وتربیت کی سہولتیں ایک ترقی یافتہ سماج کو مہیا کرنی چاہئے، ناپسندیدہ حمل کو اگر لڑکیاں یا لڑکے ضائع کرنا چاہیں یا باقی رکھنا پسند کریں تو انھیں اس کی بھی سہولت ملنی چاہئے، ایسے بچوں کو اور ایسی بن بیاہی ماؤں کو معاشرہ میں وہی مقام ومرتبہ اور حقوق ملنے چاہئے جو دوسروں کو ملا کرتے ہیں، والدین اگر بچوں کے ساتھ ناروا سلوک کریں تو بچوں کی شکایت پر پولیس والدین کو گرفتار کرسکتی ہے، بدسلوکی میں مار پیٹ کے علاوہ متعین دینی واخلاقی تعلیم کے لئے بچوں کو مجبور کرنا بھی شامل ہے۔(۱)

---

(۱) فرانسیسی پارلیمنٹ نے اس سلسلہ میں قانون بنا کر بن بیاہی ماؤں اور ناجائز بچوں کو سارے حقوق دے دیئے ہیں۔

دورِ جدید کی تحریک

فری میسن یہودی منصوبوں کو عالمی سطح پر بروئے کار لانے کی سب سے قدیم تنظیم ہے، جسکی پوری دنیا میں سرگرمیاں ہیں، انسانی معاشرہ کے ہر قابل ذکر طبقہ میں سے منتخب افراد اسکے ممبر ہیں، اس تحریک نے اپنے مقاصد کو تحریکی اور تنظیمی شکل دینے کے لئے دور جدید کی تحریک (NEW AGE MOVMENT) کے نام سے تشکیل کی ہے، جس کے اپنے رسالے اور اخبارات، کیسٹ، موسیقی رکارڈ، اور ثقافتی وقانونی ادارے ہیں، اس تحریک کے مقاصد کا اگر دو لفظوں مین خلاصہ کرنا چاہیں تو اسطرح کر سکتے ہیں کہ اس تحریک کا بنیادی مقصد نئے دین کی تشکیل ہے، جس میں شیطان کی پرستش کی جائے، اس نئے مذہب میں بے قید جنسی میل ملاپ، جنسی شذوذ کی دعوت، منشیات کو قانونی طور پر بھی عام کرنے، وحشت وبربریت اور جانوروں کی سی زندگی گذارنے کی دعوت، سائنسی ترقیوں اور تمام تہذیبی واخلاقی قدروں کے خلاف جنگ کی دعوت سرفہرست ترجیحات میں سے ہیں۔

اس تحریک کے زیر اہتمام شائع ہونے والے کسی رسالے اور کتاب کی ورق گردانی سے مندرجہ بالا مقاصد ایک نظر میں سامنے آجاتے ہیں، انیسویں صدی کے اواخر میں فری میسن کے قائد اعظم جنرل البرٹ بائک نے اپنے ایک بیان میں اس کی صراحت کی تھی کہ ہر فری میسن کلب شیطان کا معبد ہے اور اس کی تعلیم دینی تعلیم کی طرح ہے۔

اس تحریک کی اوّلین علامتیں ۱۹۲۲ء میں اس وقت سامنے آئیں جب LACIFERTRTUST (ابلیس ٹرسٹ) کے نام سے لندن میں قائم ہوا، اس ٹرسٹ کو ایک خاتون الیس بیلے نے قائم کیا تھا، اقوام متحدہ میں یہ واحد غیر سرکاری تنظیم ہے جس کا معبد موجود ہے۔

۱۹۴۳ء میں البرٹ ہوف مین نے L.S.D نامی نشہ آور گولی ایجاد کی تھی جو انسانی مزاج اور عقل واعصاب پر اثر انداز ہوتی ہے، ۱۹۵۰ء میں ماڈرن ایج نامی رسالہ

نے لکھا کہ امریکی تعلیمی ادارے ایسی نسلیں تیار کرنے میں لگے ہوئے ہیں جو نئے دین کو ماننے والوں کی فوج ہوگی، اور نئی تہذیب کی نمائندگی کریں گے، اسی فوج سے نئی دنیا کی نئی صبح کا آفتاب طلوع ہوگا۔

۱۹۵۵ء میں ایک یہودی کمپنی رانڈا نے امریکی سی، آئی، اے کی درخوست پر انسانی اعصاب اور عقل پر نشہ آور اشیاء کے اثرات کا تجربہ کیا تھا، البرٹ ہوف مین اور الڈس ہکسلے نے ان تحقیقات و تجربات کی نگرانی ورہنمائی کی تھی، یہ الڈس ہکسلے وہی مصنف ہیں جنہوں نے ''جرأت وشجاعت سے بھرپور دنیا'' نامی کتاب لکھی تھی، اس میں انھوں نے منشیات کے استعمال کرنے کی دعوت دی تھی کہ اس سے انسان بہت سے مسائل ومشکلات سے نجات پاتا ہے(۱)۔

۱۹۶۷ء میں بڑے پیمانے پر پرشور موسیقی، راک اینڈ رول، اور منشیات کا استعمال شروع ہوا، ایسے رکارڈ اور البم بازاروں میں لائے گئے جن میں شیطان کو مقدس سمجھنے کی دعوت وترغیب دی گئی تھی۔

۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۵ء تک خطرناک نشہ آور گولی ماریگوانا اور دیگر منشیات کو عام کرنے کا مطالبہ کیا گیا، ایسی فلمیں بکثرت بنائی گئیں جن میں ''دم مارو مٹ جائے غم'' کی دعوت دی گئی تھی۔ ۱۹۸۱ء میں ایک ٹی وی اسٹیشن اس مقصد کے لئے قائم کیا گیا کہ پرشور موسیقی اور منشیات استعمال کرنے والے مردوں عورتوں اور ان کے جنسی میل ملاپ کے مناظر پیش کئے جائیں، جنسی شذوذ کی تحریک نقطہ عروج پر پہونچ گئی، کھلے عام اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ مردوں کو باہم جنسی تعلقات کی اجازت دی جائے، عورتوں کو بھی باہم شادی اور بغیر شادی کے ہم جنسی کی اجازت ملنی چاہئے، اس کا پروپیگنڈہ اس درجہ کیا گیا کہ امریکی صدر بل کلنٹن نے اس مقصد کے لئے فوج میں اجازت دینے کے لئے مسودۂ قانون پیش کردیا۔ ۲۱ رمئی ۱۹۹۱ء میں نیویارک ٹائمس جیسے اخبار نے لکھا کہ بعض لوگ شیطان کی عبادت کو دور جدید کے جنون سے تعبیر کرتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ ہم دوبارہ بت پرستی کے

---

(۱) سوئزرلینڈ کے مرکزی شہر جینوا میں ایک تفریحی مرکز صرف نشہ آور اشیاء کے استعمال کرنے والوں کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے، اس خاص منطقہ میں حکومت کی طرف سے باقاعدہ نشہ کے انجکشن سرکاری خرچ پر لگائے جاتے ہیں (ملاحظہ ہو ہفت روزہ المجتمع کویت)

دور میں واپس آ گئے ہیں، اگر چہ شیطان کی پرستش ایک سطحی بات ہے، لیکن بہر حال ایسے خیالات اور تحریکیں ہمدردی اور احترام کی مستحق ہیں (۱)۔

۱۹۸۱ء میں چرچ آف انگلینڈ کے سربراہ رابرٹ اونسے نے ایک بیان میں شیطان کی پرستش کی تحریک چلانے والوں کے مطالبات پر سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت دی، اور کہا کہ

---

(۱) شیطان کی پرستش کرنے والوں کی ایک پوری جماعت کا انکشاف قاہرہ پولیس نے چند سال قبل کیا ہے، اس میں مصری سوسائٹی کے اونچے طبقہ کے امراء، وزراء اور تاجروں نیز فلمی اداکاروں کے لڑکے لڑکیاں ملوث پائی گئی ہیں، چند سال قبل کوریا کے نوجوانوں کو اس الزام میں مصری پولیس نے گرفتار کیا تھا کہ وہ مصریوں کے درمیان ایسے پمفلٹس تقسیم کر رہے تھے جن میں قیامت کی آمد اور نزول مسیح کی خبر دی گئی تھی، شیطان کو مقدس ماننے اور اس کی عبادت کی دعوت اور آزادانہ جنسی تعلقات قائم کرنے کی دعوت کے سلسلہ میں مصری پولیس نے امریکن یونیورسٹی قاہرہ کے بہتر طلبہ اور چھ طالبات کو گرفتار کیا، تحقیقات میں ان نوجوانوں نے اس کا اعتراف کیا کہ وہ شیطان کی عبادت کرتے تھے اس لئے کہ تنہا اس کی ذات ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو چیلنج دیا، وہی انسانوں کو متحرک رکھنے کی طاقت رکھتا ہے، اور جنسی آزادی اور منشیات کے استعمال کی چھوٹ دیتا ہے، اس کا صدر دفتر امریکہ میں ہے، دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کے مراکز قائم کئے گئے ہیں ان نوجوانوں کی عمریں ۱۶- اور ۲۵ کے درمیان ہیں، پچیس سال کی عمر میں شیطان کی پرستش کرنے والوں کو شراب وشباب کے بکثرت استعمال سے مرجانا چاہئے اگر کوئی اس کے باوجود نہیں مرتا تو اس کو کسی طرح قتل کر دیا جاتا ہے، اس شیطانی تنظیم کے ارکان جب شیطان کی پرستش کے لئے جمع ہوتے ہیں تو سیاہ لباس زیب تن کرتے ہیں، اس پر اس کا نشان اور شیطان کی تصویر بنی ہوتی ہے، گلے میں مخصوص زنجیریں اور تمغے لٹکتے ہیں، مردے کی کھوپڑی میز پر رکھتے ہیں، پرشور موسیقی کے کیسٹ پر اجتماعی رقص ہوتا ہے، اگربتی اور لوبان سلگائے جاتے ہیں، تیز قسم کی نشہ آور گولیاں اور شراب کا خوب استعمال ہوتا ہے، پھر کوئی لڑکی دعوت جنس دیتی ہے اس کے سینے اور چہرے پر خنزیر یا کتے، بلی کا تازہ خون مل دیا جاتا ہے، یہ علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ شیطان نے کہ ان کا نذرانہ قبول کرلیا ہے، اس کے بعد اجتماعی طور پر سب لوگ بدکرداری میں مصروف ہوجاتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ کثرت سے شراب وشباب کے استعمال سے ہی شیطان راضی ہوتا ہے، اس کی رضا اس وقت پایہ تکمیل کو پہونچتی ہے جب شراب وزنا کاری کی وجہ سے "وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں، مصری پولیس نے معمولی تفتیش کے بعد ان کو یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ ایسے افعال واعمال کے مرتکبین کسی سزا کے دائرے میں نہیں آتے۔

اس فری میسن کے ماتحت k، اور ۲-p نامی خفیہ دستے ہیں جو پوری دنیا میں میں (سی آئی اے، موساد، M 15 کے تعاون سے سیاسی، دینی، سماجی اور فنی ماہرین اور اخلاق قدروں کی حامل شخصیتوں کو اور صحافیوں کو راستے سے ہٹاتی ہیں اور اس قتل وغارت گری کے ذریعہ مضبوط ومستحکم ملکوں میں انتشار واضطراب پیدا کرتی ہیں (ملاحظہ ہو ہفت روزہ المجتمع، کویت شمارہ ۱۳۰۸/۱۴/۷/۹۸) ہفت روزہ المجتمع، کویت شمارہ ۱۲۳۷/۲/۴/۹۷۔

ہم اس تحریک کی زیر نگرانی تیار ہونے والے پروگراموں کو گرجا گھروں میں چلا سکتے ہیں۔

۱۹۹۳ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی خاتون وزیر صحت مسز گوسلین الڈرز نے اپنے ایک بیان میں مطالبہ کیا کہ تمام منشیات کو قانونی طور پر جائز قرار دیا جائے، نیویارک شہر میں قانونی طور پر ان لوگوں کے حقوق کو تسلیم کرلیا گیا ہے جو ہم جنسی میں مبتلا ہوں، ایسے مردوں اور عورتوں پر نکاح وطلاق اور میراث جیسے قوانین نافذ کئے جائیں گے۔

شکاگو میں جو عالمی مذاہب کانفرنس ہوئی تھی، اگرچہ اس کو عالمی مذاہب کانفرنس کا نام دیا گیا لیکن اللہ کا لفظ اس کانفرنس کی کسی تجویز یا دستاویز میں موجود نہیں تھا، اس کانفرنس میں بچوں سے متعلق جو فلمیں اور ٹی وی پروگرام پیش ہوئے وہ بڑے پیمانے پر پوری دنیا کے بچوں کو مفت تقسیم کئے گئے۔ متحرک کارٹونوں اور ویڈیو گیمس میں شیطانوں، ستاروں، سیاروں اور حیوانات کی تقدیس و پرستش پر مبنی پروگرام ہوتے ہیں، عرب ممالک کے ٹی وی اسٹیشنس بچوں کے لئے وہی پروگرام دکھاتے ہیں جو امریکہ میں تیار کئے جاتے ہیں، عرب ممالک میں غیر مسلم سفارتخانوں کے زیر اہتمام چلنے والے اسکولوں میں منشیات (بصورت چاکلیٹ) عریاں تصاویر کے البم، ننگی فلموں کے ویڈیو کیسٹ مفت بچوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

نئے عالمی نظام کے پس پردہ کارفرما ادارے اور تنظیمیں

نئے عالمی نظام کی تشکیل کی باقاعدہ کوشش اور منصوبہ بند جدوجہد کا از سر نو آغاز ۱۷۷۶ء میں کیا گیا، فرانسیسی انقلاب (۱۷۸۹ء) کے پس پردہ یہی تحریک کارفرما طاقت کی حیثیت سے سرگرم عمل تھی، یہ فری میسن کی تحریک تھی جس کے مرکزی قائدین اور فکری رہنماؤں میں جنرل البرٹ بائک، اسمتھ آدم، کارل مارکس، نازی فلسفہ کے خالق کارل آرتھر، اٹلی کے لوئی سب میزلی جیسی شخصیتیں پیش پیش تھیں، اسکول آف بونس (SKULL BONES) نامی تنظیم کا قیام سب سے پہلے ییل یونیورسٹی امریکہ میں عمل میں آیا تھا فری میسن کی زیر نگرانی کام کرنے والے تمام اداروں اور انجمنوں میں (.S. B) کی تنظیم سب سے زیادہ خفیہ، لیکن غیر معمولی طاقتور اور موثر تنظیم تھی، سیاسی، اقتصادی، اور سماجی سطح پر اس تنظیم کا غیر معمولی اثر ورسوخ تھا، اس کے مشہور ارکان میں جارج بش، ان کے والد برسکوٹ بش (جس نے ہٹلر کی مدد کی تھی) جارج بش کے صحافی لڑکے ولیم بکلے تھے۔

عالمی نظام کے قیام میں روز اول ہی سے جس ادارہ نے مالی مدد کا بیڑا اٹھایا اس میں راکفلر فاؤنڈیشن، ڈیلی کارینگی اور فورڈ فاؤنڈیشن جیسے ادارے ہیں، جو خیراتی ادارے کا لیبل لگا کر ٹیکس سے چھٹکارا پا چکے ہیں، امریکی سینٹ نے ۱۹۵۲ء میں ایک قرارداد ۱۶۵ کے ذریعہ ایک کمیٹی کی تشکیل کی تھی جس کا مقصد یہ جائزہ لینا تھا کہ ان داروں کی رقمیں کہیں امریکہ دشمنی کے لئے تو استعمال نہیں ہو رہی ہیں، مندرجہ بالا تین مرکزی اداروں کے علاوہ انیس دیگر تنظیمیں او رادارے یہودی مقاصد کو بروے کار لانے کے لئے پورے

امریکہ میں ویورپ میں سرگرم عمل ہیں، ان میں سے ہر ادارہ اور تنظیم کے مقاصد ومیدان عمل متعین، مگر بظاہر وہ ایک دوسرے سے بے تعلق نظر آتے ہیں، مثلاً (WORLD CITYZENRY) اور (PANNED PARENT HOOD) جیسے اداروں کے ذمہ خاندانی منصوبہ بندی، انسانی حقوق، سائنسی واقتصادی ترقی کی نگرانی ہے، ان دواداروں کے ماتحت چوبیس ذیلی تنظیمیں کام کررہی ہیں، تعلیمی میدانوں میں (RHODES SCHOLAR SHIPS) نام کا ادارہ کام کررہا ہے، اس ادارہ کو جنوبی افریقہ میں سونے اور ہیرے کے کانوں کے یہودی مالک سیسل رہوڈس نے قائم کیا تھا، اسی کے نام پر رہوڈیشیا نامی شہر ہے، اس ادارہ کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی تمام یونیورسیٹیوں سے ذہین ترین نوجوانوں کو بیش قیمت وظیفہ دیکر انگلستان کی دانشگاہوں میں پڑھایا جائے، پھر انھیں اپنے مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے استعمال کیا جائے، جن مشہور شخصیتوں نے اسکا لرشپ پر تعلیم حاصل کی ہے ان میں چند کے نام یہ ہیں، بل کلنٹن، ڈین رسک (امریکی وزیر خارجہ) ولیم فلبرائٹ، فرانگ گیرج، ہوارڈ اسمتھ، ہمل براڈلے وغیرہ۔

فیبین سوسائٹی (FABIAN SOCIETY) رومی جنرل کونٹر فیبرس میکسموس کے نام پر اس ادارہ کی بنیاد ۱۸۸۴ء میں رکھی گئی، یہ وہ رومی جنرل تھا جو بڑے معرکوں کے بجائے چھوٹی چھوٹی جنگوں کے ذریعہ دشمن کو شکست دینے کا قائل تھا، اس لئے ادارہ کے مونوگرام میں کچھوے کو رمز کے طور پر اختیار کیا گیا تھا، بعد میں تبدیل کر کے اسے بھیڑیے کی شکل دے دی گئی جس پر بکری کا لبادہ اڑھادیا گیا تھا، اس ادارہ کے بانی کا نام سڈنی وپ تھا، اسکا بنیادی مقصد کمیونسٹوں کی ہمنوائی تھی، لیکن تشدد کی پالیسی اختیار نہیں کی گئی، مشہور مؤرخ وناول نگار ایچ جی ویلز اس تنظیم کے رکن تھے، جارج اورویل نے اپنی کتاب (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں لکھا ہے کہ ہمارا مقصد حکومت کا حصول ہے نہ کہ اس کو ذریعہ بنانا، اس تنظیم کے مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ ہم اس لئے انقلاب نہیں لاتے کہ ڈکٹیٹر شپ کی حمایت کریں، بلکہ ایسے انقلاب کا ماحول تیار کرتے ہیں جو ڈکٹیٹر شپ کو جنم دے(۱)۔

---

(۱) عالم عربی کی حکومتیں اس کی عملی مثالیں ہیں۔

لندن اسکول برائے اقتصادیات

راکفلر فاؤنڈیشن کے مالی تعاون سے سڈ ینوب نے یہ ادارہ اس مقصد سے قائم کیا کہ اس میں امراء وحکام کے لڑکے اشتراکیت کی تعلیم حاصل کریں، اس اسکول کے طالبعلموں میں رابرٹ کینیڈی ڈیوڈ راکفلر ، سابق امریکی سفیر برائے ہندوستان ڈینیسل سونیہان جوموکنیاٹا (صدر کینیا) ہیں۔

امریکی کلیسا کی تنظیم

۱۹۰۸ء میں ہنری فواڈ اور روسگنس نے اس ادارہ کو قائم کیا، راکفلر فاؤنڈیشن نے مالی امداد فراہم کی، ۱۹۴۲ء میں اس ادارہ نے جو تجاویز پیش کی تھیں ان میں ایک ایسی عالمی حکومت کے قیام کا خاکہ تھا جس کی فوجیں تمام ملکوں پر حکمرانی کریں، اور یہ حکومت ایسا مالیاتی نظام مرتب کرے جو عالمی بنک کے ماتحت ہوں، ۲۳ راگست ۱۹۴۸ء میں اس انجمن کا نام عالمی کلیسا کر دیا گیا، اس ادارہ کی تشکیل جدید کے بعد جو نئے مقاصد سامنے آئے ان میں ایک دلچسپ دفعہ یہ تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام ختم کر کے نئے اقتصادی نظام کی تشکیل کی جائے، امریکی کلیسا کا نام دے کر اس کے بنیادی مقاصد کی طرف سے عیسائیوں خصوصا امریکیوں کو دھوکہ دیا گیا تھا(۱)۔

تعلقات خارجہ کمیٹی

(C.F.R.) ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۳ء کے درمیانی عرصہ میں رہوڈس سیشل کے دوستوں نے اس ادارہ کی بنیاد رکھی تھی، اس وقت اس کے مقاصد بہت خفیہ رکھے گئے، ۲۹ رجولائی ۱۹۲۱ء میں روتھشلیڈ بنک کے نمائندہ برائے امریکہ مسٹر جی آر مورگن نے جان راکفلر، برنارڈ باروخ (متعدد امریکی صدور کے یہودی مشیر خصوصی) پال وار برگ، جیکب شیف

---

(۱) امریکہ و یورپ میں سرگرم کلیساؤں کے در و بست پر یہودی حاوی ہیں، عیسائیت کا لبادہ اوڑھ کر ویٹکن سٹی پر بھی قابض ہو گئے، یہ اقتدار اس درجہ بڑھ گیا کہ پاپائے روم کی صدارت میں منعقد عالمی مسیحی کانفرس نے ۱۹۶۲ء میں یہودیوں کو حضرت مسیح کے قتل کے جرم سے بری کر دیا۔

اور آٹو کہن نے اس ادارہ کی مالی مدد کی، یہ اس وقت کی بات ہے جب لیگ آف نیشنز کے قیام کا منصوبہ خاک میں مل گیا تھا۔ C.F.R. کے بانی ارکان میں کرنل ایڈور منڈیل ہاؤس (امریکی صدر ولسن کے معاون) واٹر لیمپ مین (امریکی صحافی) جان فاسٹر ڈلس (امریکی صدر آئزن ہوا کے وزیر خارجہ) ایلن ڈلس (سی آئی اے کے ڈائرکٹر) کرسچن ہرٹر (امریکی وزیر خارجہ) تھے۔

C.F.R. کی نگرانی میں فارن آفیرز نامی رسالہ شائع ہوتا ہے، اس رسالہ کے ایک شمارہ میں تحقیقات ے کے تحت ایک مقالہ لکھا گیا ہے "جدید عالمی نظام کے قیام کی طرف ہماری نگاہیں لگی ہوئی ہیں سی۔ایف۔آر کے مقاصد کی مزید تشریح کرتے ہوئے امریکی ایڈمیرل جسٹر وڑ کہتے ہیں کہ C.F.R. میں کام کرنے والے ایک طاقتور گروپ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی آزادی کا خاتمہ کر کے ایک ایسا عالمی اشترا کی نظام قائم کیا جائے جس کا ایک جزء امریکہ بھی ہو، دوسرا مقصد یہ ہے کہ امریکہ کو تمام اسلحوں سے محروم کر کے ایک عالمی نظام کے تابع کر دیا جائے۔"؟

امریکی حکومت کے دفاتر میں ملازمین کی تقرری میں امریکی وزیر دفاع کے معاون جان میکلوے کا کہنا ہے کہ ہم کو جب بھی امریکی حکومت کے دفاتر کے لئے کارکنوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو ہم سب سے پہلے C.F.R. کے کارکنوں کی فہرست دیکھتے ہیں اور فوراً اس کے مرکزی دفتر نیویارک سے رابطہ قائم کرتے ہیں، اس لئے کہ ان کے پاس ہر طرح کے ماہرین ہوتے ہیں، امریکی نظام حکومت کے چلانے اور اس کے دروبست پر حاوی تمام شخصیتوں کا تعلق اسی ادارہ سے ہوتا ہے، جو یہودی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے سرگرم عمل ہیں، اس کا اندازہ چند مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

❁ اقوام متحدہ کی تشکیل میں مدد دینے کے لئے امریکی حکومت نے سینتالیس افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ترتیب دی تھی، اس کمیٹی میں جان فاسٹر ڈلس، نلسن راکفلر اور ایڈلائی اسٹیونسن بھی تھے، یہ تمام سینتالیس ارکان کمیٹی C.F.R. کے ممبران تھے۔

❁ امریکی صدر رونالڈ ریگن کے دفاتر میں کام کرنے والے تین سو تیرہ ذمہ دار C.F.R. کے رکن تھے، یہی صورت جارج بش کے دفتر میں بھی تھی جہاں تین سو ستاسی

افسران اسی ادارہ سے منتخب ہوکر آئے تھے، ۱۹۹۲ء میں .C.F.R کے ارکان کی تعداد دوسو نوے تک پہونچ گئی، ۱۹۲۱ء سے اب تک اٹھارہ وزرائے مالیات میں سے بارہ کا تعلق .C.F.R سے تھا، اس طرح سولہ وزرائے خارجہ میں سے بارہ اور پندرہ وزرائے دفاع میں سے ۱۹۴۷ء سے اب تک نو وزرائے دفاع اس ادارہ سے لئے گئے تھے، یہی حال سی، آئی، اے کا ہے جہاں کے گیارہ ڈائرکٹروں میں سے نو کا تعلق .C.F.R سے ہے، وزارت خارجہ، دفاع، مالیات، اور امن عام کے شعبے اور تمام عہدے .C.F.R کے ارکان کے لئے مخصوص ہوکر رہ گئے ہیں۔

۱۹۵۲ء سے اب تک (بجز ۱۹۶۴ء) کے، دونوں سیاسی پارٹیوں سے جتنے اُمیدواروں کو صدارتی میدان میں اتارا گیا ان کا تعلق اسی ادارہ سے تھا۔

امریکی میڈیا کے مرکزی اداروں پر .C.F.R کے ارکان چھائے ہوئے ہیں، جیسے کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم (.C.B.S) نیشنل براڈ کاسٹنگ کمپنی (.N.B.C) جیسے مرکزی ٹی وی اسٹیشن امریکی نیوز ایجنسیاں، ایسوسی ایٹڈ پریس، مرکزی اخبارات میں نیویارک ٹائمس، واشنگٹن پوسٹ ہفت روزہ سالوں میں ٹائم اور نیوز ویک کے دروبست پر C.F.R کے ارکان حاوی ہیں بلکہ پالیسی سازی بھی یہی لوگ کرتے ہیں۔

۱۹۷۲ء میں ڈیوڈ راکفلر کے مکان پر ایک خصوصی نشست ہوئی تھی جس میں پورے امریکہ سے آٹھ منتخب افراد شریک ہوئے، ان کا تعلق .C.F.R سے تھا، باقی دوسرے شرکاء کا تعلق یورپ وجاپان سے تھا، سرکاری سطح پر TRILATARA COMMISION کی تنظیم اس مجلس میں بنائی گئی، اس مجلس کے بانیوں میں امریکی صدر کے قومی سلامتی امور کے مشیر زیگنو بر بانیوں جنس کی بھی تھے، اس کمیٹی میں اس بات کی دعوت دی گئی تھی کہ امریکی صدر کے اختیارات میں مزید توسیع کی جائے اور ذرائع ابلاغ کے اقتدار کو محدود کردیا جائے، ترقی پذیر ملکوں کی توقعات (مالی امداد کی صورت میں) کم کی جائیں، اس تنظیم .T.C کے ارکان میں مندرجہ ذیل کمپنیوں کے ارکان اور ڈائرکٹرز ہیں۔

EXXON, MOBIL. STANARD, SHELL, PHILIPS, B. R. BANK, BANK OF AMRICA, C. N. N, A. B. S, R.C.A ,I.T.T ,SONY, GOODYEAR.

امریکی مصنف برزنسکی اپنی کتاب ''دو زمانے کے درمیان'' میں لکھتا ہے، ''مارکسزم نے انسان کے ظاہر کو باطن پر اور عقل کو ایمان پر غلبہ دلانے میں بڑی مدد کی ہے، ہماری تنظیم T.C امریکی، یورپی جاپانی، حکومتوں کو ایک نئے عالمی نظام کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتی ہے، اس تنظیم کے ایک تہائی ارکان امریکی، ایک تہائی یورپی، اور ایک تہائی جاپانی ہیں، ان سب کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے، اس لئے کہ یہ تمام ارکان C.F.R سے متعلق ہیں۔

مندرجہ بالا تنظیموں کے علاوہ دو درجن سے زائد تنظیمیں ہیں جو خالص یہودی ناموں سے یہودی مفاد ہی کے لئے سرگرم عمل ہیں، مثلاً بنائی برٹ، ایپاک، اے، ڈی، الیکشن کے موقع پر حکمت عملی طے کرتی ہیں۔ (۱)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب ''امریکہ میں یہودی تنظیمیں۔ مصنفہ: لی، اوبرائن، مطبوعہ معارف اسلامی، منصورہ۔ لاہور، پاکستان۔ اس کتاب میں امریکہ میں سرگرم عمل یہودی تنظیموں کا مکمل تعارف، ان کے مقاصد اور سرگرمیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ امریکی حکومت کے دروبست پر یہودی کس درجہ حاوی ہیں اس کی مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو امریکی کانگریس کے سابق سرگرم ممبر پال فنڈے کی کتاب (شکنجہ یہود)۔

نیا عالمی نظام
تخیل اور عمل

(مغربی سیاستدانوں، مفکرین اور عالمی دستاویزات کے حوالہ سے)

نئے عالمی نظام کا نقشہ یوں ہی خلا میں نہیں بن گیا، اور نہ ہی بلاسوچے سمجھے یہ منصوبہ سامنے لایا گیا، بلکہ اس عالمی نظام کے قیام سے پہلے اس کی زبردست منصوبہ بندی کی گئی ہے، صہیونی پروگراموں میں اس کا تخیل پیش کیا گیا ہے، پھر اس کی تنفیذ کے وسائل وذرائع متعین کئے گئے ہیں، آخر میں امریکہ جیسے مادی دولت سے مالا مال ملک کو تجربہ گاہ بنا کر یہودیوں کے مختلف گروپوں نے متحد ہو کر اس نقشہ میں رنگ بھرنا شروع کردیا، اس بنیادی مقصد کو بروئے کار لانے، اور نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے زمانے کے تقاضوں، بدلتے ہوئے سیاسی واقتصادی ماحول اور وقت کے نبض کو پہچانتے ہوئے وسائل وذرائع اور طریقۂ کار میں جزوی تبدیلیاں کی جاتی ہیں، مندرجہ ذیل بیانات اور تحریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نئے عالمی نظام کا نقشہ اور ترتیب کیا ہے، اور اقوام متحدہ وامریکہ کا اس میں کردار کیا ہے۔

نئے عالمی نظام کا سیاسی ڈھانچہ

❁ ہم انسانی تاریخ میں ایسے نازک اور فیصلہ کن موڑ پر آچکے ہیں جہاں سب سے بہتر اور پسندیدہ بات یہ ہے کہ ایک انسانی سماج کی تشکیل وتعمیر کے لئے تمام ملکوں کے درمیان مصنوعی حدود ختم کردئے جائیں، ان ملکوں کی خصوصی تہذیبی اور سیاسی شناخت ختم

کردی جائے، ایک ایسا عالمی نظام ہو جو ایک نئے عالمی نظام حکومت کی تشکیل و تعمیر کرے۔

(انسانی حقوق کے دستاویزات سے)

❁ ہوسکتا ہے کہ نئے عالمی نظام کا قیام اس طرح مستقبل میں وجود میں آجائے جس میں تمام قومیں ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں۔ (جارج بش)

❁ بش نے یہ بیان ۱۲ رمئی ۱۹۸۹ء کو دیا تھا، اور خلیجی جنگ کے فوراً بعد باضابطہ طور پر نئے عالمی نظام کے خاکہ کا اعلان کر دیا گیا۔

❁ یہ ضروری ہے کہ پوری دنیا کا انتظام اقوام متحدہ کے ہاتھوں میں ہو۔

(کتاب ''پہلا عالمی انقلاب۔ روم کلب کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب سے ۱۹۹۱ء)

❁ اشخاص کی آزادی عنقریب محدود ہو جائے گی اس لئے کہ فرد واحد کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ (کتاب ''المیہ اور امیدیں'' تالیف روٹیگلے ۱۹۶۶ء)

نئے عالمی نظام کی تاسیس میں اقوام متحدہ کا کردار

اقوام متحدہ کا ادارہ ایک طرح سے عالمی نظام حکومت کے قیام میں خشت اول کی حیثیت رکھتا ہے، سلامتی کونسل اور ایک بین الاقوامی فوج ہو (بطرس غالی کی کتاب عالمی حکومت مطبوعہ ۱۹۹۷ء)

❁ عنقریب جس نئے عالمی نظام کی تشکیل ہوگی اقوام متحدہ اس کا اولین رمز ہے۔ (امریکی خارجہ سیاست کے موضوع پر راکفلر فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع ہونے والی کتاب مطبوعہ ۱۹۵۹ء)

❁ وہ ممالک جن پر اقوام متحدہ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور بھرپور توانائیوں کے ساتھ حاوی ہے وہ ایسے ممالک ہیں جن پر حکمرانی کے لئے اقوام متحدہ کے ذریعہ ذیلی اداروں کی تشکیل کی جائے گی، اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بین الاقوامی عسکری قوت کی تشکیل ہوگی تا کہ اس ادارہ کو فوجی صلاحیت بھی حاصل ہو جائے، اور وہ اپنی مرضی دوسرے ملکوں پر مسلط کر سکے، اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ کے چارٹر میں معمولی ترمیم اور تبدیلی کرنی ہوگی، اس طرح ایک عالمی حکومت کی تشکیل ہو جائے گی، ہماری مراد اس نئے عالمی نظام سے ہے

جس کی تشکیل ہم چاہتے ہیں۔

(دستاویز ۷ رپورٹ اور تجزیہ زیرنگرانی امریکی وزارت دفاع، ۲۰ رمئی مارچ ۱۹۶۲ء)

❁ ہمارے سامنے اس وقت ایک نئے عالمی نظام کی تشکیل کا قیمتی موقع ہے، ہمارے لئے بھی اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے بھی، ہمیں واقعتاً یہ موقع مل گیا ہے کہ نئے عالمی نظام کی عملی تشکیل کرلیں، ایسا نظام جس میں اقوام متحدہ بہت زیادہ طاقت کی مالک ہوگی، اس کے بانیوں نے جو مقاصد اپنے پیش نظر رکھے تھے وہ عملی شکل میں سامنے آئیں گے، اور اقوام متحدہ عالمی امن کو قائم کرنے میں اپنا بنیادی کردار ادا کرسکے گا۔

(جارج بش کی تقریر سے ۱۷ ر جنوری ۱۹۹۱ء)

❁ حکومتوں کے اقتدار کا کیا بنے گا؟ ہم ایک ایسے نازک دور سے گذر رہے ہیں جس میں ایک مکمل با اقتدار ملک کے مرحلہ سے ایک عالمی حکومت کے اقتدار کی طرف منتقلی ہورہی ہے۔ (کتاب "مغرب کا بحران" تصنیف: جیمس واربرگ مطبوعہ ۱۹۵۹ء)

❁ امریکی صدر روز ویلٹ، ہیری ٹرومین، جنرل آئزن ہاور اور جان ایف کینیڈی کے دور سے لے کر امریکی حکومت کا عقیدہ یہ تھا کہ اشتراکی نظام سے جنگ کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایسی عالمی اشتراکی حکومت قائم کی جائے جس کی قیادت خود اشتراکی قائدین کریں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی حکومت آہستہ آہستہ پروان چڑھتی رہی اور تدریجی طور پر امریکی اقتدار اقوام متحدہ کے حوالہ کیا جاتا رہا۔

(ایڈتھ روز ویلٹ (امریکی صدر روز ویلٹ کی پوتی) کا بیان ۲۳ ردسمبر ۱۹۹۶ء)

❁ دنیا کی تمام حکومتوں کو جو اقتدار حاصل ہے اسے عالمی حکومت کو منتقل کردینا چاہئے۔ (امریکی وزارت دفاع کی تجزیاتی رپورٹ دستاویز ۷ رسے ۲۰ رمارچ ۱۹۶۲ء)

❁ سب سے بہتر عالمی حکومت کے قیام کی شکل یہ ہے کہ ہم اوپر کے بجائے نیچے سے تعمیر کا کام شروع کردیں، وہ اس طرح کہ تدریجی طور پر تمام ملکوں سے ان کا اقتدار لے کر نئے عالمی نظام حکومت کو منتقل کردیں، جنگوں سے بڑھ کر تسلط حاصل کرنے کا سب سے زیادہ مؤثر اور فوری طور پر نتیجہ خیز ہے۔ (رسالہ فارن آفیرز شمارہ اپریل ۱۹۷۴ء مقالہ نگار رچرڈ گارڈنر (مقالہ نگار کینیڈی اور جانسن کے دور میں امریکی وزیر خارجہ کے معاون تھے)

❁ فضائی آلودگی سے پیدا ہونے والی مشکلات اس دور کا المیہ ہے، اس کو حل کرنے کرنے کیلئے ہمیں عالمی نظام حکومت کی تشکیل کرنی ہوگی، اس میں ہوسکتا ہے بعض سخت اور تباہ کن فیصلے کرنے پڑیں، لیکن یہ تو کرنا ہی ہوگا (میخائل گرباچوف جنوری ۱۹۹۰ء)

❁ حکومتوں کے غیر ذمہ دارانہ تصرفات پر پابندی ضروری ہے، اور یہ کام بغیر عالمی نظام حکومت کے قیام کے ممکن نہیں، جس طرح بین الاقوامی عدالت حکومتوں کا محاسبہ کرتی ہے اسی طرح ہم تمام ملکوں کو ایک دائرہ میں لانا چاہتے ہیں۔ (نیویارک ٹائمس ۱۴/۸/۱۹۹۱ء)

❁ ملکی اقتدار، وطن پرستی اور بالا دستی کے مفہوم میں تبدیلی آتی رہی ہے، تنگ اور محدود تر ملکی اقتدار، پرامن بقائے باہم کی زندگی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوسکتا ہے، اس لئے ملکوں کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا ہوگا اور انھیں اپنی سرحدوں کی نشانی مٹانی ہوگی۔

(بطرس غالی کا سلامتی کونسل سے خطاب ۳۱/جنوری ۱۹۹۳ء)

❁ اقوام متحدہ کو اپنے چارٹر میں تبدیلی کرنا چاہئے یعنی ممبر ملکوں کے داخلی معاملات میں مخالفت ناگزیر ہوگئی ہے، اسلئے کہ یہ تمام ممالک انسانی حقوق کی کھل کر خلاف ورزی کررہے ہیں، وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا اندرونی معاملہ ہے، مہذب انسانی سوسائٹی اب مزید اس خلاف ورزی کو برداشت نہیں کرسکتی، (جارج بش کی صدارت میں بیس ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے جاری کردہ مشترکہ بیان)

(یہ بیان اقوام متحدہ سے جاری کیا گیا۔ ۲/اپریل ۱۹۹۳ء)

❁ بہت آہستہ آہستہ دوررس تبدیلیاں ہورہی ہیں، ملکوں کے اقتدار اعلی تدریجی طور پر ان کے ہاتھوں سے نکلتے جارہے ہیں، یوگوسلاویہ کی خانہ جنگی نے ہمیں یہ موقع فراہم کیا ہے۔

(روزنامہ لاس انجلو ٹائمس ۳/مئی ۱۹۹۳ء)

فوجی قوت کی نوعیت

❁ دوسرے مرحلہ میں تدریجی طور پر اقوام متحدہ کی بین الاقوامی فوج کی تشکیل کی جائے گی، تیسرے مرحلہ میں منظم طور پر بڑی سرعت سے تمام ملکوں کو جوہری اسلحوں سے

محروم کر دیا جائے گا، اس طرح کسی بھی ملک کیلئے یہ ممکن نہ ہوگا کہ وہ اقوام متحدہ کی طاقتور فوج کو چیلنج کر سکے۔ (امریکی وزارت خارجہ کا مطبوعہ بلیٹین ۷۲۷۷، ستمبر ۱۹۶۱ء)

❁ تمام ملکوں کو طاقتور ہتھیاروں سے محروم کر دینے کا خواب ہو سکتا ہے حقیقت بن جائے (روزنامہ لاس انجلز ٹائمس ۵رجنوری ۱۹۹۳ء مقالہ نگار: بیرڈ اور جی بیرویٹز)

❁ سلامتی کونسل کے ماتحت ایک دائمی بین الاقوامی فوج کی تشکیل سے اقوام متحدہ کو ایسی زبردست قوت حاصل ہو جائے گی کہ اس سے اس کی ہیبت میں اضافہ ہو جائے گا، اس فوج کو عالمی پولیس کی حیثیت حاصل ہوگی، جس کے ذریعہ سلامتی کونسل اپنے عزائم اور پروگراموں کو دوسروں پر مسلط کر سکے گی۔ (مقالہ نگار: نار منکیمبسر، روزنامہ لاس انجلز ٹائمس ۲رفروری ۱۹۹۲ء)

❁ امریکہ کا یہ فرض ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ایسی فوج کی تشکیل میں مدد دے جو تیزی سے حرکت کر سکے، اس کے فوج کی تعداد پہلے مرحلہ میں ساٹھ ہزار ہو اور بارہ ملکوں سے اس کی تشکیل ہو (مقالہ نگار: جوزف نائے (سابق امریکی وزیر خارجہ کے معاون) نیویارک ٹائمس ۲رفروری ۱۹۹۲ء)

❁ اگر واقعی عالمی امن قائم کرنا چاہتے ہیں تو نہ سرخ فوج کی ضرورت ہوگی نہ امریکی فوج کی، ہمیں نیلگوں ہیٹ لگائے متعدد ملکوں پر مشتمل بین الاقوامی فوجی طاقت چاہئے یہی فوج عالمی امن قائم کر سکتی ہے (نیویارک ٹائمس ۱۱رمئی ۱۹۹۲ء)

نئے عالمی نظام کی تشکیل میں امریکہ کا کردار

ہمارے درمیان نئے عالمی نظام کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے اس میں ہمارے ملک (امریکہ) کا خاص رول ہے (امریکی وزیر خارجہ ہنری کیسنجر - ۱۸راپریل ۱۹۷۵ء)

❁ امریکی صدر کے مشیر کرنل ایڈورڈ منڈیل ہاؤس کو جس چیز نے مجبور کیا کہ وہ امریکہ کو پہلی عالمی جنگ میں گھسیٹ لے جائیں وہ ان کی یہ توقع تھی کہ اس طرح نئے عالمی نظام کی تشکیل آسانی سے ہو جائے گی (امریکن اوپینین ص:۶۱ شمارہ جنوری ۱۹۷۲ء)

❁ نیا عالمی نظام گیارہ سال کے اندر وجود میں آجائے گا، ہم نے اس کے لئے کیا

تیاریاں کی ہیں (جارج بش ۱۶/مارچ ۱۹۸۹ء)

❁ ۲۰۰۰ء کا آغاز دراصل نئے ہزار سال کی تاریخ میں انقلابی موڑ ہوگا۔

(اقوام متحدہ میں بش کی تقریر ۱۱/اکتوبر ۱۹۹۰ء)

❁ تنفیذ کے وسائل و ذرائع: وطن پرست اشتراکی نظام اپنے انقلاب کو نئے عالمی نظام کی تاسیس کے لئے استعمال کرے گا۔ (ہٹلر ۱۹۴۰ء)

❁ ہم چاہیں یا نہ چاہیں نئے عالمی نظام کا قیام ضروری ہے، سوال صرف یہ ہے کہ یہ جبر و زبردستی سے ہوگا یا ہنسی خوشی سے۔

(جیمس واربرگ کا بیان امریکی سینٹ کے سامنے ۱۹۵۰ء)

❁ اس میں کوئی شک نہیں کہ نئے عالمی نظام کو بہر حال قائم ہونا ہے، ہو سکتا ہے یہ ایسی عالمگیر شہنشاہیت کی صورت میں ہو جو انسانوں کو غلام بنا لیتی ہے۔ اس نئے عالمی نظام کو وہی قائم کر سکتا ہے جو تیسری عالمی جنگ میں فاتح ہوگا۔ یا پھر یہ نیا عالمی نظام تدریجی طور پر اقوام متحدہ کو ترقی دے کر قائم ہوگا، اور یہ وفاقی جمہوریہ کی شکل میں ہوگا۔

(کتاب ''عالمی جمہوریت کی بنیادیں'' مصنف: پروفیسر ہراس مطبوعہ ۱۹۵۳ء)

❁ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر بش کو دوسری بار صدارتی الیکشن میں کامیاب کرا دیا جائے گا تو وہ پوری دنیا پر نئے مجوزہ عالمی نظام کو مسلط کر کے رہیں گے، خواہ اس کیلئے انہیں ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۴ء میں ہنگامی اقتصادی حالات کا اعلان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ (ٹائمس ۲۷/جنوری ۱۹۹۲ء) یہ تمام اقتباسات C.F.R. کے ترجمان فارن آفیرز میں شائع ہوئے ہیں۔

مغربی میڈیا کا تاریخی پس منظر

- ..... یہودی میڈیا اور اس کے اثرات
- ..... عالمی خبر رساں ایجنسیاں
- ..... ریوٹر کی کہانی
- ..... ایسوسی ایٹیڈ پریس
- ..... یونائیٹڈ پریس
- ..... فرانسیسی نیوز ایجنسی
- ..... برطانوی صحافت
- ..... امریکی میڈیا
- ..... امریکی روزنامے
- ..... ماہنامے اور سہ ماہی رسالے
- ..... کمپنیوں کے بلیٹن اور منشورات
- ..... مشہور امریکی روزناموں کی یومیہ اشاعت
- ..... امریکی میڈیا پر یہودی قبضہ کی داستان
- ..... امریکی میڈیا کے متعلق امریکیوں کی رائے
- ..... عالمی یہودی صحافت پر ایک نظر
- ..... مسیحی معاشرہ کی تباہی میں یہودی میڈیا کا رول
- ..... مسیحیوں کے متعلق یہودیوں کے عقائد و عزائم

مغربی میڈیا کا تاریخی پسِ منظر

یہودی میڈیا اور اس کے اثرات

۱۸۹۷ء میں سوئزرلینڈ کے شہر ''بال'' میں تین سو یہودی دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں نے ہرٹزل کی قیادت میں جمع ہو کر پوری دنیا پر حکمرانی کا منصوبہ تیار کیا تھا، یہ منصوبہ انیس (۱۹) پروٹوکول کی صورت میں پوری دنیا کے سامنے عرصہ ہوا آ چکا ہے۔ اس منصوبہ کو یہودی دانشوروں کا دستاویز بھی کہتے ہیں۔ اس پلان کی تیاری میں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تیس یہودی انجمنوں کے ذہین ترین ارکان نے حصہ لیا تھا، انہوں نے جہاں یہ طے کیا تھا کہ تمام دنیا پر حکومت کرنے کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے وہیں اس دستاویز میں ذرائع ابلاغ کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی تھی۔ بارہویں دستاویز میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت، اسکی تاثیر وافادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لئے دوسرا اہم درجہ رکھتا ہے۔ ہم میڈیا کے سرکش گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے باگ کو اپنے قبضے میں رکھیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں کے قبضے میں کوئی ایسا مؤثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو مؤثر ڈھنگ سے ظاہر کر سکیں اور نہ ہی ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہنچ سکے، ہم ایسا قانون بنائیں گے کہ کسی ناشر اور پریس والے کے لئے یہ ناممکن ہوگا کہ وہ پیشگی اجازت لئے بغیر کوئی چیز چھاپ سکے، اس طرح ہم اپنے خلاف کسی بھی سازش یا معاندانہ پروپیگنڈے سے باخبر ہو جائیں گے۔ ہمارے قبضہ وتصرف میں ایسے اخبارات ورسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں

اور جماعتوں کی تائید وحمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا انقلاب کی حامی، حتی کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی واخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کردیں گے، اس کے لئے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہوجائیں، ہم اسکی پوری احتیاط برتیں گے کہ پہلے سے ٹھونک بجاکر اور اچھی طرح نبض ٹٹول کر اقدام کریں، ہمارے اخبارات ورسائل ہندوؤں کے معبود وشنو کی طرح ہوں گے، جس کے سینکڑوں ہاتھ ہوتے ہیں، ہمارے پریس کا یہ بنیادی کام ہوگا کہ وہ اپنے مختلف موضوعات اور کالموں کے ذریعہ رائے عامہ کی نبض پر ہاتھ رکھے رہے، ہم یہودی ایسے مدیروں اور ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت فزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور انکا مجرمانہ رکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاستدانوں اور لیڈروں اور مطلق العنان حکمرانوں کے ساتھ ہوگا، جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے، ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بناکر پیش کریں گے، لیکن ہم جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں بس فوراً ہم ان کا کام تمام کردیں گے تاکہ دوسروں کے لئے عبرت ہو، ہم یہودی ذرائع ابلاغ کو خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ کنٹرول کریں گے، ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگا، جرائم کی خبروں کو ہم تفصیل سے غیر معمولی اہمیت دیں گے تاکہ پڑھنے والوں کا ذہن تیار ہو، اس انداز سے کہ قاری کو مجرم کے ساتھ ہمدردی ہوجائے"۔

یہودیوں نے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے بڑی غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کردیا، سب سے پہلے انھوں نے ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر تمام دنیا کی نظروں میں اپنی قومی خصوصیات (ذلت وخواری، بدطینتی، حرص ولالچ، قساوت قلبی، شرپسندی، انسانیت دشمنی) کو بدلنے، اپنے کو مظلوم ثابت کرنے اور اپنی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سر منڈھنے کی بھرپور کوشش کی، بالفاظ دیگر یہودی میڈیا نے اپنی قوم کے چیچک زدہ چہرے کو پلاسٹک سرجری کے ذریعہ خوبصورت بنانے کی جدوجہد پر اپنی

تمام توانائیاں صرف کردیں، یہ معمولی کام نہ تھا، اس لئے کہ صدیوں سے مسیحی و اسلامی لٹریچر اور دنیا کی انسانی تاریخ یہودیوں کی مکاری، دغابازی، انسانیت دشمنی، شرپسندی اور سازشی داستانوں سے بھری ہوئی تھی، بغیر اس عمل جراحی کے یہودیوں کے مقاصد کا حصول ناممکن تھا۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں یہودیوں کو اپنے منصوبوں میں خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی، لیکن اقتصادی میدانوں میں ان کی زبردست کامیابیوں نے انھیں اپنی منزل سے بہت قریب کردیا۔ ان کا وطن عالم عربی کے قلب میں قائم ہوگیا، اس لئے کہ سب سے پہلے وہ یورپی و امریکی قوموں کی نگاہ میں اپنے کو ایک مظلوم قوم بنانے میں کامیاب ہوگئے تھے، دوسری طرف اپنی تمام تر قومی خصوصیات کو عربوں اور مسلمانوں کے سر منڈھنے میں کامیابی حاصل کرلی۔

عالمی خبر رساں ایجنسیاں

ذرائع ابلاغ اور خبر رساں ایجنسیوں کے درمیان وہی تعلق ہے جو بندوق اور کارتوس کا ہوتا ہے، اگر کارتوس فراہم نہ ہوں تو بندووق کا وجود بیکار ہے۔ یہودیوں نے اخبارات و رسائل کے ساتھ خبر رساں ایجنسیوں کے قیام کی طرف بھی توجہ کی کہ یہی وہ بنیادی ذریعہ ہے جس کے استعمال سے اپنی خواہش کے مطابق وہ کام کرسکتے ہیں۔ یہودیوں کے پروٹوکول کے بارہویں باب کی یہ عبارت آپ غور سے پڑھئے جس میں کہا گیا ہے کہ ''ہماری منظوری کے بغیر کوئی اونیٰ سے ادنیٰ خبر کسی سماج تک نہیں پہنچ سکتی، اس بات کو یقینی بنانے کے لئے ہم یہودیوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ خبر رساں ایجنسیاں قائم کریں جن کا بنیادی کام ساری دنیا کے گوشے گوشے سے خبروں کا جمع کرنا ہو، اس صورت میں ہم اس بات کی ضمانت حاصل کرسکتے ہیں کہ ہماری مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی خبر شائع نہ ہوسکے۔''

اس عبارت کے بعد مشہور خبر رساں ایجنسیوں کی کہانی اختصار کے ساتھ پڑھئے:

ریوٹر کی کہانی

عالمی خبر رساں ایجنسیوں میں ریوٹر کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے، دنیا کے بیشتر

بلکہ تمام اخبارات اور ٹی وی اس ایجنسی کی خبروں پر بھروسہ کرتے ہیں حتیٰ کہ بی، بی سی، وائس آف امریکہ، ریڈیو مونٹ کارلو وغیرہ بھی اس سے نوّے فیصدی خبریں حاصل کرتے ہیں، اس خبر رساں ایجنسی کے بانی اور مؤسس جولیس ریوٹر ۱۸۱۶ء میں جرمنی میں ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوئے، اس نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ایک جرمن بینک سے کیا، ملازمت کے دوران جولیس کو خیال آیا کہ جرمنی میں موجود بینکوں اور تجارتی منڈیوں کو اقتصادی اور مالی امور سے متعلق خبریں فراہم کرنے کے لئے اگر ایک خبر رساں ایجنسی کی بنیاد ڈالی جائے تو کیسا رہے گا۔ اس منصوبے کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے بعد جولیس نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا، اس کے بجائے اس نے بینکوں اور تجارتی منڈیوں کو اقتصادی اور مالی خبریں فراہم کرنے کا کام شروع کر دیا، اس میدان میں جولیس کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی، اس نے جرمنی سے برسیلز پھر پیرس اور ۱۸۵۱ء میں لندن تک اپنی ایجنسی کے کام کا دائرہ بڑھا دیا، ٹیلیفون اور ٹیلیگرام کی ایجاد نے اقتصادی خبروں کے ساتھ سیاسی وسماجی اور ثقافتی خبروں کو اخبارات تک پہنچانے پر آمادہ کر دیا۔ امریکہ، فرانس جرمنی، لندن اور یورپ کے دوسرے ملکوں کے علاوہ ایشیا اور دیگر براعظم سے نکلنے والے اخبارات ریڈیو اور پریس نے ریوٹر کی خبروں کو گراں قیمت پر خریدنا شروع کر دیا۔ ریوٹر نے ۱۸۵۸ء میں اس وقت خبر رسانی کا نیا ریکارڈ قائم کر دیا جب نپولین سوم کی تقریر ایک گھنٹے کے اندر برطانوی اخبارات تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ امریکی خانہ جنگی کی خبریں بھی ریوٹر نے غیر معمولی سرعت کے ساتھ ذرائع ابلاغ تک پہنچائیں، ۱۸۵۷ء میں ریوٹر خبر رساں ایجنسی کے مالک کو برطانوی شہریت دے دی گئی اور ایک بڑے خطاب سے ملکہ برطانیہ نے اس کو سرفراز کیا، پوری دنیا کی میڈیا اس یہودی خبر رساں ایجنسی کی بھیجی ہوئی خبروں، تبصروں کو وحی کا درجہ بلکہ اس سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں (۱)۔

---

(۱) ریوٹر کے کارکنوں کی تعداد دو ہزار چوراسی ہے، جس میں ایک ہزار دس ایڈیٹر اور صحافی و نامہ نگار ہیں، اس نیوز ایجنسی کے نصف سے زائد کارکن برطانیہ کے باہر غیر ملکوں میں کام کرتے ہیں۔ بہتر اخباری مراکز کے ذریعہ ایک سو پچاس ملکوں کے اخبارات ورسائل ریڈیو وٹی وی کمپنیوں کو اور روزانہ پندرہ لاکھ الفاظ پر مشتمل خبریں اور مضامین بھیجے جاتے ہیں جو اڑتالیس (۴۸) زبانوں میں شائع ہوتے ہیں۔

ایسوسی ایٹیڈ پریس

۱۸۴۸ء میں امریکہ کے پانچ بڑے روزناموں نے ملکر ایسوسی ایٹیڈ پریس خبر رساں ایجنسی کی بیناد ڈالی تھی۔ ۱۹۰۰ء میں یہ ایجنسی ایک ایسی عالمگیر کمپنی کی صورت میں تبدیل ہوگئی جس نے امریکی براعظم سے شائع ہونے والے تمام اخبارات ورسائل کو خبریں فراہم کرنے اور دنیا بھر میں ان اخبارات ورسائل کو تقسیم کرنے کا کام بھی سنبھال لیا، اس کمپنی میں ۹۰٪ حصہ یہودی سرمایہ کاروں کا ہے۔(۱)

یونائیٹڈ پریس

۱۹۰۷ء میں امریکہ کے دو یہودی سرمایہ داروں، اسکرائپس اور ہوارڈ نے یونائیٹڈ پریس کے نام سے ایک خبر رساں ایجنسی کی بنیاد ڈالی، اس کے دو سال بعد ولیم ہیرسٹ نے ۱۹۰۹ء میں انٹرنیشنل نیوز سروس کے نام سے کمپنی قائم کی، جس نے بعد میں ایک ایسے عالمگیر اشاعتی ادارے کی حیثیت حاصل کرلی جس کی شاخیں دنیا بھر میں پھیل گئیں۔ ولیم ہیرسٹ اگرچہ خود عیسائی تھا لیکن اس کی شادی ایک بڑے یہودی سرمایہ کار کی لڑکی سے ہوئی تھی، ولیم ہیرسٹ کے بعد ڈیوڈ ہیرسٹ اور پٹریشیا ہیرسٹ کا پورا خاندان یہودی خاندان میں تبدیل ہوگیا، ۱۹۰۵ء میں یونائیٹڈ پریس اور انٹرنیشنل پریس دونوں آپس میں ضم ہو کر نیویارک ٹائمز کی ملکیت میں آگئے جو ایک یہودی کے ماتحت ہے، ۱۹۸۲ء میں ان سب

---

(۱) ۱۹۸۴ء کے اعداد وشمار کے مطابق اس ایجنسی سے تیرہ سو (۱۳۰۰) روزنامے اور تین ہزار سات سو اٹھاسی (۳۷۸۸) ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں۔ یہ صرف امریکہ کے اعداد وشمار ہیں، امریکہ سے باہر گیارہ ہزار نوسو ستائیس روزنامے، ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں، سٹیلائٹ اور دوسرے ذرائع سے روزانہ سترہ ملین الفاظ (ایک کروڑ ستر ہ لاکھ) پر مشتمل مضامین میڈیا کو فراہم کئے جاتے ہیں۔ اقتصادی اور مالی خبروں کے خاص شعبے ہیں جہاں سے پوری دنیا کے آٹھ ہزار مرکزی بینکوں کو تازہ ترین خبریں فراہم کی جاتی ہیں ان خبروں کا معاوضہ غیر معمولی حد تک گراں ہوتا ہے۔

اس نیوز ایجنسی کے امریکہ میں ایک سو سترہ دفاتر اور غیر ملکوں میں اکیاسی اخباری مراکز ہیں جہاں پانچ سو انسٹھ نامہ نگار متعین ہیں۔ ان میں اکیاسی نامہ نگار امریکی ہیں۔ ایجنسی میں کام کرنے والے ایڈیٹروں اور صحافیوں کی تعداد جو صدر دفاتر میں متعین ہے وہ ڈھائی ہزار ہے۔ اس کمپنی کا سرمایہ صد فیصد یہودیوں کا ہے اور ۹۵٪ کارکن یہودی ہیں۔

کو میڈیا نیوز کارپوریشن میں ضم کر دیا گیا۔(۱)

فرانسیسی نیوز ایجنسی

(اے، ایف، پی) ۱۸۳۵ء میں فرانس کے ایک یہودی خاندان "ہاواس" نے ہاواس نیوز ایجنسی کے نام سے ایک خبر رساں ادارے کی بنیاد ڈالی، جو آگے چل کر ایجنسی فرانس پریس کے نام سے مشہور ہوا۔ اگر چہ فرانس میں صرف سات لاکھ یہودی ہیں لیکن وہاں سے شائع ہونے والے پچاسی فیصد اخبارات ورسائل پر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ مشہور برطانوی یہودی سرمایہ دار جیمس گولڈ اسمتھ، جس کو فرانس کی بھی شہریت حاصل ہے، فرانس سے نکلنے والے اہم سیاسی روزناموں، لوفیگارو، ڈیلی ایکسپریس، لوکوئیڈیان، فرانسوار نودوکایے، کے علاوہ طبقہ نسواں میں مقبول عام رسالہ فیملی ورکر (اشاعت پندرہ لاکھ) ان سب پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور یہی یہودی میڈیا فرانسیسی حکومت کے لیے پالیسی بناتا ہے۔(۲)

---

(۱) اس نیوز ایجنسی کی خبروں کے خریداروں کی تعداد سات ہزار اناسی ہے جن میں سے دو ہزار دو سو چھیالیس خریدار (اخبارات ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن) امریکہ سے باہر کے ہیں، اس مرکزی خبر رساں ایجنسی کے ماتحت تیس خبر رساں ایجنسیاں پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔
یونائٹڈ پریس انٹرنیشنل سے امریکہ میں گیارہ سو چونتیس اخبارات، پبلشنگ ادارے اور تین ہزار چھ سو ننانوے ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن وابستہ ہیں، پوری دنیا میں اس ایجنسی کے ایک سو ستتر مراکز ہیں، صرف امریکہ کے اندر اس کے چھیانوے دفاتر ہیں، یو پی آئی میں کام کرنے والوں کی کل تعداد اٹھارہ سو تیس ہے، جن میں بارہ سو پینتالیس ایڈیٹر، مراسلہ نگار، کیمرہ مین ہیں، امریکہ سے باہر پانچ سو اٹھتر نامہ نگار دنیا کے مختلف ملکوں میں متعین ہیں۔
روزانہ اٹھارہ ملین الفاظ پر مشتمل مضامین اور خبریں خریداروں کو بھیجی جاتی ہیں، روزانہ بیاسی تصویریں بھیجنے کا اوسط ہے۔

(۲) فرانسیسی نیوز ایجنسی کی نئی تنظیم مارچ ۱۹۵۷ء میں کی گئی جس کے مطابق اس کے دائرۂ کار کو فرانس سے باہر تک بڑھا دیا گیا، فی الحال آٹھ سو بیاسی صحافی کام کرتے ہیں جن میں تین سو تیس صحافی بطور مراسلہ نگار فرانس سے باہر متعین ہیں، فرانس کے مختلف شہروں میں اسّی نامہ نگار کام کرتے ہیں، اس نیوز ایجنسی کے ماتحت تیس دوسری نیوز ایجنسیاں کام کرتی ہیں، ایک سو بیاسی ملکوں کے بارہ ہزار خریدار ہیں، جو اخبارات ریڈیو اور ٹی وی اسٹیشن اس ادارہ سے خبریں حاصل کرتے ہیں ان کی تعداد چار سو ہے۔
روزانہ تینتیس لاکھ پچاس ہزار الفاظ پر مشتمل مضامین اور خبریں ایک سو بیالیس ملکوں کو بھیجتے ہیں جہاں بیالیس زبانوں میں ترجمہ کے بعد نشر کئے جاتے ہیں، عام طور پر روزانہ پچاس تصویریں بھی خریداروں کو بھیجی جاتی ہیں۔

برطانوی صحافت

برطانیہ کی سیاسی اور سماجی زندگی میں یہودیوں کا عمل دخل بہت قدیم ہے، اس استعماری ملک کا وزیر اعظم بنجامن ڈزرائیلی اور برطانوی افواج کے چیف آف اسٹاف دونوں بیک وقت یہودی تھے، اس سے برطانیہ میں یہودیوں کی حکمرانی اور غیر معمولی اثر ونفوذ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، چہ جائیکہ صحافت کی بادشاہت جس پر بلاشرکت غیرے یہودی عرصہ سے قابض ہیں اور پوری دنیا کو جس رخ پر چاہتے ہیں لیجاتے ہیں، بی، بی سی کے سربراہ ادھر مسلسل تین دہائیوں سے یہودی ہی چلے آرہے ہیں۔ اسٹار ٹی وی نے جب سے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے، تب سے ان یہودیوں کا پروپیگنڈا اور بڑھ گیا ہے، ''لندن ٹائمس'' ان مشہور عالمی اخبارات میں سے ایک ہے جس کے اداریے، تبصرے، کارٹون اور خبریں حکومت برطانیہ کو تبدیل کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ۱۷۸۵ء سے یہ اخبار نکل رہا ہے، اگر چہ تھامسن انٹرنیشنل کی ملکیت میں یہ اخبار شائع ہورہا تھا لیکن مشہور یہودی سرمایہ دار روتھشلیڈ نے اشتہارات سے ابتدائی دور میں اور بعد میں اپنے من پسند ایڈیٹروں اور یہودی نامہ نگاروں کے ذریعہ اس اخبار پر قبضہ کرلیا تھا، تھامسن انٹرنیشنل کی ملکیت کے دور میں یہودی کارکنوں کا تناسب بیس فیصدی تھا لیکن آج سے پچیس سال قبل ٹائمس کو مصنوعی طور پر مالی بحران سے دو چار کر کے اس کا خوب پروپیگنڈا کیا گیا، ٹائمس میں یہودی کارکنوں نے تنخواہوں اور الاؤنسوں میں ۲۵٪ کے اضافہ کا مطالبہ کردیا تو تھامسن نے اخبار کو بند کرنے کا اعلان کردیا کہ اخبار کی مالی حیثیت اس گرانقدر اضافے کو برداشت نہیں کرسکتی، اس اعلان نے برطانوی شہریوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اس موقع پر آسٹریلیا کا مشہور یہودی سرمایہ دار رابرٹ مردوخ نجات دہندہ کی صورت میں سامنے آیا۔(۱) اس نے اخبار کے نو ملین اسٹرلنگ پونڈ سالانہ خسارہ کو پورا کرنے اور پورے اخبار

---

(۱) رابٹ مردوخ ایک دولتمند یہودی خاندان میں آسٹریلیا میں پیدا ہوا، رابرٹ اس وقت عالمی ذرائع ابلاغ کی مملکت میں شہنشاہ کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے، ''آیا، دیکھا اور فتح کیا'' کے مقولے پر عمل پیرا ہے، عالمی ذرائع ابلاغ کا ماہر اور نیوز کارپوریشن کا صدر ہے جس کا اثاثہ جون ۱۹۹۹ء میں بیاسی ملین ڈالر تھا، گزشتہ ایک سال کی آمدنی ساڑھے اڑسٹھ ملین ڈالر رہوئی، اس کے ماتحت پینتیس ہزار آدمی ملازم ہیں، رابرٹ چار براعظموں (امریکہ، یورپ، ایشیا، آسٹریلیا) میں ایک سو پچیس روزناموں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کو خریدنے کا عزم ظاہر کیا، ہر طرف سے اس نجات دہندہ کی تعریف ہونے لگی۔ بالآخر اس یہودی سرمایہ دار نے پینتالیس ملین ڈالر میں اس قدیم اخبار کو خرید لیا۔ اس کے بعد رابرٹ مردوخ نے ''سنڈے ٹائمز'' کو خرید کر فلٹ اسٹریٹ پر (جہاں سے لندنی اخبارات ورسائل شائع ہوتے ہیں) قبضہ مکمل کر لیا۔

لندن ٹائمز اور سنڈے ٹائمز کی خریداری کے بعد رابرٹ مردوخ کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ اس نے لندن کے مشہور ہفت روزہ رسالوں سن، نیوز آف دی ورلڈ، سٹی میگزین اور ویک اینڈ جیسے رسالوں پر قبضہ کر لیا جو فحاشی پھیلانے کی بنا پر چالیس پچاس لاکھ کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں (سن کی تعداد اشاعت چالیس لاکھ ہے) ان رسائل کے علاوہ برطانیہ سے شائع ہونے والے مندرجہ ذیل اخبارات ورسائل یہودیوں کی ملکیت ہیں:

ڈیلی اکسپریس، نیوز کرانیکل، ڈیلی میل، ڈیلی ہیرالڈ، مانچسٹر گارجین، یورک شائر پوسٹ، ایوینگ اسٹینڈرڈ، ایوینگ نیوز، آبزرور، سنڈے ریویو، سنڈے اکسپریس، سنڈے کرانیکل، جان پال، دی سنڈے پیپل، سنڈے ڈسپیچ، دی اسکاچ، دی امبیسیڈر، دی جگرافک۔

۱۹۸۱ء میں جو اعداد وشمار شائع ہوئے تھے ان کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے پندرہ روزنامے مکمل طور پر یہودیوں کی ملکیت میں ہیں، ان کی یومیہ اشاعت ۳۳ ملین ہے جبکہ اصل برطانوی شہریوں کی تعداد پچاس ملین ہے۔

امریکی میڈیا

اس میں دو رائے نہیں کہ امریکی رائے عامہ کی تشکیل میں امریکی ذرائع ابلاغ بڑا اہم اور بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔ کسی مسئلہ کے متعلق بہت جلد رائے عامہ تیار ہو جاتی

= کا مالک ہے، جن کی ایک ہفتہ میں چار سو کروڑ کاپیاں شائع ہوتی ہیں، صرف لندن ٹائمس، سنڈے ٹائمس اور سن کے قارئین کی تعداد ایک کروڑ ہے۔

۱۹۸۹ء میں رابرٹ نے فوکس نٹ ورک کو خرید لیا، اس کے علاوہ اسکائی ٹیلیویژن کمپنی اور اسٹار ٹی وی کے بڑے حصے کا مالک ہے، اسکائی کی قیمت پانچ سو ملین اور اسٹار ٹی وی کے حصص کی قیمتوں کا اندازہ پانچ کھرب ڈالر ہے۔ آسٹریلیا، برطانیہ اور امریکہ کے روزناموں کا ۸۰٪ اور اتوار کو شائع ہونے والے رسالوں اور ضمیموں کا ۶۰٪ حصہ رابرٹ کی ملکیت ہے۔

ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امریکہ میں ہر شخص کو اخبار و رسالہ، ریڈیو اسٹیشن اور ٹی وی چینل قائم کرنے کی کھلی آزادی ہے اور ہر طرح کی سہولت حاصل ہے، اور امریکی قانون کے تحت اس کی پوری اجازت ہے کہ ہر شخص اخبار نکال سکتا ہے، اور عوام تک اپنی بات جس طرح چاہے پہنچا سکتا ہے، اس آزادی کی بنا پر امریکی حکومت کا کوئی کنٹرول میڈیا پر نہیں ہے۔ اس بات کو پیش نظر رکھ کر اگر آپ امریکی میڈیا کا جائزہ لیں گے تو اس کی حسب ذیل خصوصیات نظر آئیں گی۔

۱۔ امریکی میڈیا پر اجارہ داری کسی پرائیویٹ ادارے یا کسی صنعتی گھرانے یا کسی کمپنی یا کسی مذہبی ادارے کی نظر آئے گی۔

۲۔ امریکی میڈیا اپنے پیش نظر جو مقاصد اور نصب العین رکھتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

بین الاقوامی مسائل کے متعلق امریکی سیاست کی ترجمانی، امریکہ کی داخلی سیاست اور قومی سلامتی اور قومی مفاد کو ہر قیمت پر ترجیح دینا، مسیحی اور یہودی تعلیمات کی دعوت و تشہیر، تجارت، اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظام کی وکالت و حمایت خواہ حکومت کے عہدوں پر ری پبلیکن پارٹی کے ارکان فائز ہوں یا ڈیموکریٹک پارٹی کے ممبران۔

ان تمام ذرائع ابلاغ میں اولین ترجیح اشتہارات کو دینا، جن کے ذریعہ کروڑوں ڈالر کی آمدنی ہوتی ہے اور غیر معمولی نفع حاصل ہوتا ہے۔

بعض اخبارات و رسائل اور ٹی وی اسٹیشنوں کی خاص مسائل کے متعلق طے شدہ رائیں ہوتی ہیں جنہیں وہ اپنے اداریوں، تبصروں اور تجزیوں سے ہر قیمت پر ثابت کرتے ہیں، خواہ حکومت اور رائے عامہ کچھ کہے اور قارئین کی اکثریت اسکی مخالفت کرے۔ ظاہر ہے مجلس ادارت اور اخبار کے مالک کی یہ رائے ہوتی ہے اور اسی کے مطابق خبریں فراہم کی جاتی ہیں۔

ہم امریکی ذرائع ابلاغ کو چھ حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

(۱) روزنامے اور خبر رساں ایجنسیاں	(۲) رسائل اور ماہنامے، سہ ماہی، ششماہی
(۳) ٹیلیویژن	(۴) ریڈیو
(۵) بذریعہ ڈاک تقسیم ہونے والے لٹریچر	(۶) کمپنیوں کے بلیٹن اور مطبوعات

آئندہ سطور میں امریکی ذرائع ابلاغ کی ان مندرجہ بالا چھ قسموں میں سے ہر ایک کے متعلق اختصار کے ساتھ ضروری معلومات پیش کی جا رہی ہیں:

امریکی روزنامے

امریکی روزنامے دو طرح کے ہیں، ایک تو وہ روزنامے جو ان شہروں اور ریاستوں کے مسائل و مشکلات کی ترجمانی کرتے ہیں جہاں سے وہ شائع ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ روزنامے جو قومی مسائل کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی مسائل و مشکلات کے متعلق خبریں، مقالے اور اداریے لکھتے ہیں۔

پوری ریاستہائے متحدہ امریکہ میں تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق سولہ سو چھہتر روزنامے نکلتے ہیں، اتوار کے دن بعض اخبارات میگزین سکشن کی وجہ سے ۲۰/۳۰ فیصدی تک زیادہ تقسیم ہوتے ہیں۔

امریکی آڈٹ بیورو آف سرکولیشن کی تازہ رپورٹ کے مطابق پورے امریکہ میں پچاس ہفت روزہ رسالے ایسے ہیں جو بڑی تعداد میں فروخت ہوتے ہیں۔

جن امریکی شہروں سے یہ روزنامے شائع ہوتے ہیں، ان کی فہرست درج ذیل ہے:

ڈیٹرائٹ، سان فرانسسکو، میامی، بالٹی مور، فلے ڈلفیا، ہوسٹن، کیولینڈ، کنساس سٹی، ڈنفر، میلواکی، لانگ آئی لینڈ، ونیکسی نیواورلینز کے علاوہ نیویارک، واشنگٹن، لاس انجلس، شکاگو اور بوسٹن وہ مرکزی شہر ہیں جہاں بڑی تعداد میں یہودی اقلیت موجود ہے، انہیں شہروں میں مسیحیوں کے تعلیمی اور تبلیغی ادارے اور یہودیوں کے تجارتی مراکز پائے جاتے ہیں، نیویارک اور واشنگٹن میں حکومت کے دفاتر بھی ہیں۔ میڈیا سے متعلق صحافیوں اور نمائندوں کے لئے سرکاری افسروں، امریکی سینٹ کے ارکان، وزارتِ داخلہ، خارجہ و وزارت دفاع کے اہم ذمہ داروں سے رابطہ آسان ہوتا ہے، اس بنا پر امریکی بین الاقوامی سیاست کے ظاہر و مخفی حاشیے اور زاویے لوگوں کی نگاہ میں آجاتے ہیں۔

بوسٹن سے نکلنے والا امریکی روزنامہ کرسچین سائنس مانیٹر ایسا روزنامہ ہے جو امریکی کلیسا کے زیر اہتمام شائع ہوتا ہے، یہ روزنامہ عالم عربی کے مسائل کو زیادہ بہتر طریقہ سے

پیش کرتا ہے اور ان کے متعلق متوازن رائے رکھتا ہے، اکثر یہ اخبار اسرائیلی پالیسی پر تنقید اور اس کی مذمت کرتا ہے۔

ہیرالڈ ٹریبون تیسرا اخبار ہے جو بین الاقوامی مسائل و مشکلات کے بارے میں سوچی سمجھی رائے رکھتا ہے، اعتدال و توازن کے علاوہ ہر موضوع کے ماہرین غیر جانبداری کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار اس اخبار کے صفحات پر کرتے ہیں۔ اس خصوصیت کے علاوہ یہ اخبار امریکی انتظامیہ کے اہم ذمہ داروں، سفارت کاروں اور بڑے بڑے صنعت کاروں سے براہِ راست رابطہ قائم رکھتا ہے، اس بنا پر ہیرالڈ کی خبروں، افتتاحی اداریوں، تبصروں اور مقالات کو بڑی غیر معمولی اہمیت اور وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ خبر رساں ایجنسیوں کا تذکرہ ہم ابتدا میں ہی کر چکے ہیں۔

ماہنامے اور سہ ماہی رسالے

ریاستہائے متحدہ امریکہ سے نکلنے والے رسالوں، ماہناموں، سہ ماہی اور ششماہی رسالوں کی تعداد اگرچہ ہزاروں تک نہیں پہنچتی لیکن ہم ان رسالوں کو چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱- عمومی نوعیت کے سیاسی اخبارات اور تجزیاتی رسالے۔
۲- کسی خاص علمی و تحقیقی موضوع پر نکلنے والے ماہنامے، سہ ماہی اور ششماہی میگزین۔
۳- سماجی اور طبقۂ نسواں سے متعلق رسالے، آرٹ، لٹریچر، فلم اور جنسیات سے متعلق تفریحی رسالے۔
۴- زراعت، سائنس، تجارت، اقتصادیات اور کھیل سے متعلق رسالے۔

اخبارات کے مقابلہ میں ہفت روزہ رسالوں اور ماہناموں کی نوعیت، صورت و شکل، بحث و تحقیق، تحلیل و تجزیہ، مضامین و مقالات اور انٹرویوز اور رپورٹوں کے اعتبار سے منفرد ہوتی ہے، ہم یہاں عام رسالوں اور ماہناموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ہر جگہ ملتے ہیں۔ اس جگہ صرف انہی رسالوں اور ماہناموں کا ذکر کرتے ہیں جو انفرادی اہمیت رکھتے ہیں اور نہ صرف امریکی رائے عامہ بلکہ عالمی رائے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ رسالے

حسب ذیل ہیں :

(الف) ۱۔ورلڈ پریس ریویو (ماہانہ) عالمی صحافت کے اہم اقتباسات کی تلخیص پر مشتمل ہوتا ہے۔

۲۔ورلڈ ویو (ماہانہ) یہ رسالہ ہر ماہ تین سے پانچ علمی موضوعات پر ماہرین سے مضامین لکھواتا ہے اور دنیا بھر سے شائع ہونے والی اہم کتابوں کی فہرست دیتا ہے۔

۳۔نیو ریپبلک (ہفت روزہ) امریکی سماج کے مسائل ومشکلات پر لکھتا اور یہودیوں کے نقطۂ نظر کی وکالت کرتا ہے۔

۴۔ایکو یکٹیو انٹلیجیٹ ویو (ہفت روزہ) بائیں بازو کا ترجمان، اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نمبر ایک ہے۔

۵۔اسٹراٹیجی ویک (ہفت روزہ) مشرق وسطی، افریقہ اور ایشیا کے مسائل پر ماہرین کے مضامین شائع کرتا ہے۔

۶۔امریکن زیونسٹ (دو ماہی) امریکی صیہونی تنظیم کی طرف سے یہ ماہنامہ شائع ہوتا ہے۔

۷۔دی پلین ٹرتھ (ماہنامہ) کلیسا کی طرف سے شائع ہوتا ہے، عمومی نوعیت کے بین الا قوامی مسائل خصوصاً تیسری دنیا کی قوموں سے متعلق مسائل ومشکلات پر مضامین شائع کرتا ہے، یہ رسالہ پچاس لاکھ کی تعداد میں شائع اور مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔

۸۔واشنگٹن رپورٹ (ماہنامہ) یہ رسالہ ۱۹۸۲ء سے شائع ہو رہا ہے، عام طور پر اس رسالہ میں امریکی شہریوں کو مشرق وسطی اور امریکہ کے باہمی تعلقات کے متعلق متوازن رائے اور اہم دستاویزات سے باخبر کیا جاتا ہے، عام طور سے یہ رسالہ عرب مسائل سے ہمدردی رکھتا ہے، یہ رسالہ امریکی وقف کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔

۹۔ورلڈ مانیٹر (ماہنامہ) روزنامہ کرسچین سائنس مانیٹر کے ادارے سے شائع ہوتا ہے۔

۱۰۔میڈل ایسٹ انسائیٹ (دو ماہی) یہ رسالہ مشرق وسطی، اسلامی تحریکوں، جماعتوں اور ان کی سرگرمیوں کے متعلق مغربی نقطۂ نظر سے مضامین شائع کرتا ہے، کبھی کبھی عربوں کے نقطۂ نظر کو بھی اپنے صفحات میں جگہ دیتا ہے لیکن اسلامی امور سے متعلق اس رسالہ کی

رائے کو ہم غیر جانبدارانہ نہیں کہہ سکتے۔

ان رسالوں اور ماہناموں کے علاوہ بھی دسیوں رسالے اور ماہنامے امریکہ سے شائع ہوتے ہیں۔

(ب) دوسرے نمبر پر وہ تحقیقی رسالے اور سہ ماہی میگزین ہیں جو چند سو سے زیادہ شائع نہیں ہوتے لیکن وہ کسی تحقیقی ادارے، وزارت، دانش گاہوں کے شعبوں اور اقتصادی وسیاسی اداروں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں، یہ ادارے حسب ذیل ہیں: میڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ، بروکنگز انسٹی ٹیوٹ، ڈیلی کارینگی انسٹی ٹیوٹ، ہارورڈ یونیورسٹی، یو ایس پیس فاؤنڈیشن، اسٹینفورڈ، جان ہوکنس، جارج ٹاؤن کولمبیا۔ ان کے علاوہ کانگریس اور امریکی مسیحی و یہودی اداروں اور تجارتی مرکز کی طرف سے یہ رسالے شائع ہوا کرتے ہیں۔ ان میں سے چند اہم رسالوں کے نام درج کئے جاتے ہیں :

۱۔ فارن براڈ کاسٹنگ انفارمیشن سروس (سہ ماہی) بین الاقوامی سطح پر پیش آنے والے روزمرہ کے واقعات کی رپورٹ۔

۲۔ فارن پالیسی (سہ ماہی) کارینگی انسٹی ٹیوٹ سے یہ رسالہ شائع ہوتا ہے، بین الاقوامی مسائل وموضوعات پر امریکی ماہرین کے قلم سے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۳۔ فارن افیرز (سال میں پانچ بار) امریکی وزارت خارجہ کے ماہرین کی نگرانی میں رابطہ کمیٹی کی طرف سے یہ رسالہ شائع ہوتا ہے، چوٹی کے سفارت کار اور سابق سفرا اس میں مقالات لکھتے ہیں۔

۴۔ ڈیفنس اینڈ فارن افیرز (ماہنامہ) امریکہ کی امن وسلامتی اور دفاعی حکمت عملی کے موضوع پر یہ رسالہ کویلی کمپنی کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔

۵۔ مڈل ایسٹ جرنل (سہ ماہی) واشنگٹن کے مڈل ایسٹ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع ہوتا ہے، ایرانی انقلاب کے بعد اسلامی تحریکات، دینی جماعتوں، مصر وپاکستان، ایران، افغانستان، شام اور ترکی میں دین کے اثرات اور نتائج کا جائزہ اس رسالہ کا خاص موضوع بن گیا ہے۔

۶۔ جرنل آف ساؤتھ ایشیا اینڈ مڈل ایسٹ اسٹڈیز (سہ ماہی) امریکی پاکستانی رابطہ کمیٹی کی

طرف سے یہ رسالہ شائع ہوتا ہے۔

۷۔ جرنل آف ریلجس (ماہنامہ) شکاگو یونیورسٹی کی طرف سے یہ رسالہ خالص دینی موضوع پر شائع ہوتا ہے، اس میں دیگر مذاہب کے متعلق مسیحی دین و مذہب کے نقطۂ نظر اور تعلق سے بحث ہوتی ہے۔

۸۔ کرسچین سائنس جرنل (دینی ماہنامہ) امریکہ کے سب سے بڑے مسیحی ادارے کی طرف سے تبلیغی مقصد سے شائع ہوتا ہے۔

۹۔ کمنٹری، بین الاقوامی مسائل و مشکلات کے موضوع پر عالمی سطح کے رہنماؤں، مدیروں اور مبصروں کے قلم سے مضامین لکھوائے جاتے ہیں، یہ رسالہ یہودیوں کی عالمی مجلس کی طرف سے شائع ہوتا ہے۔

۱۰۔ مسلم ورلڈ، ۱۹۱۱ء سے یہ رسالہ ہارورڈ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع ہو رہا ہے، اس میں اسلامی تحریکات، اسلام اور مسلمانوں سے متعلق ماضی اور حال میں مسیحیت کے رول پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔

ان رسائل کے علاوہ مسیحی و یہودی اداروں کی طرف سے درجنوں رسالے شائع کئے جاتے ہیں۔

(ج) ٹیلی ویژن: رائے عامہ کی تشکیل میں ٹیلی ویژن کو اولین اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں ایرانی انقلاب کے بعد سے مسلمانوں اور اسلام کے متعلق یہ تأثر برابر دیا جا رہا ہے کہ اسلام تشدد کی تبلیغ کرتا ہے، وہ مغرب کے خلاف بغاوت اور انقلاب کے لئے تشدد اور قوت کا سہارا لیتا ہے۔

پوری ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ٹیلی ویژن کی پانچ بڑی کمپنیاں ہیں جو سینکڑوں ٹی وی اسٹیشنوں کے ذریعہ اپنے پروگرام صرف امریکہ میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں سیاروں کے ذریعہ نشر کرتی ہیں۔

یہ پانچ کمپنیاں حسب ذیل ہیں:

۱۔ امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی (A.B.C.)

۲۔ نیشنل براڈ کاسٹنگ کمپنی (N.B.C.)

۳۔ کیبل نیوز نٹ ورک (.C.N.N)

۴۔ کولمبیا براڈ کاسٹنگ کمپنی (.C.B.C)

۵۔ پبلک براڈ کاسٹنگ سروس (.P.B.S)

مؤخرالذکر کمپنی تعلیمی وثقافتی مقصد کو فروغ دینے کے لئے ہے۔ امریکہ کے تعلیمی وثقافتی ادارے اس کمپنی کی سرپرستی کرتے ہیں، یہ ٹیلی ویژن کمپنیاں شب وروز اپنے پروگرام کے ذریعہ جس طرح رائے عامہ پر اثرانداز ہوتی ہیں اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے:

.A.B.C تیس ۳۰ گھنٹہ یومیہ۔ .C.B.S پچیس ۲۵ گھنٹہ یومیہ۔

N.B.C بیس ۲۰ گھنٹہ یومیہ۔ .C.N.N چوبیس ۲۴ گھنٹے۔

(د) جس طرح ٹی وی کمپنیاں اپنے پروگرام نشر کرتی ہیں اور عوام پر اثر انداز ہوتی ہیں اس درجہ تو نہیں البتہ ان ہی پانچ ٹی وی کمپنیوں کے ماتحت ایک ہزار ریڈیو اسٹیشن ہیں جو مقامی اور بین الاقوامی سطح پر اپنے طاقتور اور دلچسپ پروگرام پیش کرتے ہیں۔

(ہ) ڈاک کے ذریعہ پروپیگنڈہ۔ اس میدان میں یہودی لابی بہت سرگرم عمل ہے، کسی متعین قضیہ یا مخصوص مصنوعات کو فروغ دینے، انتخابات کے موقع پر رائے عامہ کو ہموار کرنے اور مخصوص اور متعین افراد سے کسی خاص زاویے، اور نقطہ نظر کی تائید حاصل کرنے کے لئے ڈاک کے ذریعہ کارڈ، فارم فولڈر بھیجے جاتے ہیں، اس طرح براہ راست زندگی کے مختلف میدانوں سے تعلق رکھنے والوں سے رابطہ قائم کر کے اپنے مقصد کو حاصل کیا جاتا ہے۔

کمپنیوں کے بلیٹن اور منشورات

ان منشورات میں مقامی طور پر کام کے مواقع، خالی جگہوں، اقتصادی خبروں اور مقامی وعالمی سطح پر اقتصادیات سے متعلق معلومات ہوتی ہیں۔

۷۔ پروپیگنڈہ اور اشتہارات:۔ کسی اخبار یا ٹی وی کمپنی کی کامیابی ونا کامی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس کو اشتہارات کتنے ملتے ہیں اور لوگ ان سے کس درجہ متاثر

ہوتے ہیں۔ امریکی اخبارات اور ٹی وی کمپنیاں اربوں ڈالر اشتہارات سے کماتی ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں پچپن (۵۵) ارب ڈالر کے اشتہارات، اخبارات، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ کے ذریعہ شائع کئے گئے، ذیل کے نقشہ سے اسکی وضاحت ہو جائے گی۔

وسائل	ڈالر		فیصدی
اخبارات	۱۶	بلین	۲۸۔۵٪
رسائل	۴	بلین	۶٫۵۳٪
ٹیلی ویژن	۱۱۵۰	بلین	۲۱٪
ڈاک کے ذریعہ	۷٫۷	بلین	۱۴٪
کمپنیوں کی مطبوعات	۱٫۷	بلین	۳٪
دیگر وسائل	۱۱	بلین	۲.۵٪

مشہور امریکی روزناموں کی یومیہ اشاعت

نام اخبار	شہر	تعداد فروخت
۱۔ روزنامہ وال اسٹریٹ جرنل	نیویارک	سات لاکھ پچھتر ہزار چھیاسی
۲۔ نیویارک ڈیلی نیوز	نیویارک	سات لاکھ اکیاسی ہزار سات سو چھیانوے
۳۔ لاس انجیلس ٹائمز	لاس انجیلس	گیارہ لاکھ چونسٹھ ہزار تین سو اٹھاسی
۴۔ نیویارک ٹائمز	نیویارک	بارہ لاکھ ایک ہزار نو سو ستر
۵۔ شکاگو ٹریبون	شکاگو	سات لاکھ تینتیس ہزار سات سو پچھتر
۶۔ نیویارک پوسٹ	نیویارک	چار لاکھ ستر ہزار نو سو ستاسی
۷۔ شکاگو سن ٹائمز	شکاگو	پانچ لاکھ تیس ہزار آٹھ سو چھپن
۸۔ واشنگٹن پوسٹ	واشنگٹن	آٹھ لاکھ چھیالیس ہزار چھ سو پینتیس
۹۔ بوسٹن گلوب	بوسٹن	پانچ لاکھ پانچ ہزار سات سو چوالیس

مشہور امریکی رسالوں کی تعداد اشاعت

رسالہ کا نام	تعداد اشاعت

ریڈرز ڈائجسٹ (ماہنامہ) ایک کروڑ باسٹھ لاکھ انہتر ہزار چھ سو سینتیس
نیشنل جغرافک (ماہنامہ) ستانوے لاکھ تریسٹھ ہزار چار سو چھ
ٹائم (ہفت روزہ) چالیس لاکھ تہتر ہزار پانچ سو تیس
نیوز ویک (ہفت روزہ) تیس لاکھ چوبیس ہزار سات سو ستر
یو ایس نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ (ہفت روزہ) بائیس لاکھ سینتیس ہزار نو

امریکی میڈیا پر یہودی قبضہ کی داستان

براعظم امریکہ پر یہودی اثر ونفوذ کی کہانی قدرے تفصیل اور گہرائی کے ساتھ مشہور امریکی صنعت کار ہنری فورڈ نے اپنی کتاب ''یہودیت سے عالم انسانیت کو خطرہ'' میں بیان کی ہے۔ یہ وہی ہنری فورڈ ہے جس نے ذاتی محنت اور جدوجہد سے موٹر سازی کی صنعت کو اس حد تک فروغ دیا۔ فورڈ موٹروں کو پوری دنیا میں معیاری ہونے کی بنا پر غیر معمولی شہرت ومقبولیت حاصل کی گئی۔ جب فورڈ کو اپنی کمپنی کی ترقی کے سلسلہ میں قدم قدم پر یہودیوں کے اثر ونفوذ اور مکر وفریب کا سامنا کرنا پڑا تو اس نے امریکہ کے چوٹی کے ریسرچ اسکالروں کی خدمات حاصل کیں، اور ان سے براعظم امریکہ میں یہودیوں کے غیر معمولی اثر ونفوذ کے اسباب ومحرکات، ان کی اقتصادی پالیسی اور غیر یہودیوں کے ساتھ ان کے طرز عمل کے متعلق ایک اہم رپورٹ تیار کرائی، اس مقصد کے حصول کے لئے فورڈ نے اس زمانے میں بیس لاکھ ڈالر خرچ کئے تھے۔

رپورٹ تیار ہونے کے بعد فورڈ کی کمپنی کے ترجمان ''ڈیر بورن انڈی پینڈنٹ'' نے جیسے ہی پہلی قسط شائع کی، یہودیوں کے اندر کھلبلی مچ گئی، ہر طرف سے فورڈ پر دباؤ بڑھنے لگا، یہودیوں کے زیر اثر اخبارات میں ان کے خلاف زبردست طوفان اٹھایا گیا، یہاں تک کہ قتل کی دھمکی بھی دی گئی، مجبوراً فورڈ نے اس تحقیقی رپورٹ کی اشاعت رکوادی، لیکن کتابی صورت میں یہ تحقیقی مقالہ شائع ہو کر بازار میں آ گیا، یہودیوں نے فوراً ہی ہزاروں نسخے اس کتاب کے خرید کر ضائع کر دیئے، کتاب کے جو نسخے لائبریریوں میں پہنچ چکے تھے وہاں سے بھی ان یہودی شاطروں نے چوری کر کے اس کو ضائع کر دیا، البتہ مشہور امریکی

صحافی اور فورڈ کے مخلص دوست ''جیرالڈ کے اسمتھ'' کے پاس وہ نسخہ محفوظ رہ گیا جو فورڈ نے اس کو بطور ہدیہ دیا تھا اور اس کو وصیت کی تھی کہ ہماری موت کے بعد اس کتاب کی اشاعت ضرور ہونی چاہیے تا کہ امریکہ اور انسانی دنیا کو یہودیوں کی تباہ کن سازشوں سے متنبہ کیا جاسکے، یہ کتاب بعد میں لندن سے شائع ہوئی، اس کا عربی ترجمہ بیروت سے 'الیھــودی العالمی' کے نام سے شائع ہوگیا جو ہمارے پیش نظر ہے۔

کتاب کے سولہ مرکزی عنوانات میں سے چند ابواب اس طرح ہیں: امریکہ میں یہودیوں کی آمد کا تاریخی پس منظر۔ یہودی اثر ونفوذ کے مخفی گوشے۔ یہودی مظلوم ہیں یا ظالم و جابر۔ کیا یہودی ایک قوم ہیں۔ صہیونی دانشوروں کی تعلیمات کا جائزہ۔ یہودی اپنے اثر ونفوذ کا استعمال کس طرح کرتے ہیں۔ امریکی سیاست پر یہودیوں کا قبضہ۔ امریکہ کے قومی ترانے کے دھن میں یہودی موسیقی۔ امریکی سماج میں شراب۔ جوا اور اخلاقی فساد کے سرپرست یہودی۔ عالم انسانیت کی سب سے بڑی مصیبت یہودی مال و دولت کی حکمرانی، امریکی صحافت پر یہودیوں کا غلبہ۔

فورڈ نے امریکی سماج پر یہودیوں کی غیر معمولی گرفت اور ان کے وسیع اثر ونفوذ کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امریکی سماج میں جہاں کہیں بھی اخلاقی انحطاط و فساد پایا جاتا ہے اس کے پس پردہ آپ کو یہودی ہی دکھائی دیں گے، شراب، شباب، قمار بازی، بدکاری، رشوت، جنسی اور مالی جرائم، قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی، قوموں کے درمیان خونریزی، معرکہ آرائی، مہلک اسلحہ سازی، غرض کہ تمام غیر فطری و غیر اخلاقی جرائم میں یہودیوں کا حصہ تناسب کے اعتبار سے ۸۰ سے ۹۰ فیصدی تک ہے۔

فورڈ نے امریکی ڈرامے، سینما اور صحافت کی صنعت کا جائزہ لیتے ہوئے واقعات و شواہد کی روشنی میں لکھا ہے کہ ۱۸۸۵ء سے پہلے ان تمام میدانوں میں یہودیوں کا کہیں دور تک پتہ نہیں تھا، لیکن یہودیوں کی آمد کے بعد ہی ڈرامے، سینما، صحافت اور تجارت پر یہودی ساہوکار قابض ہو گئے، انہوں نے ان تمام میدانوں پر سرمایہ کے بل پر قبضہ کرلیا۔ ۱۸۸۵ء سے پہلے امریکی سماج میں بے حیائی و بدکاری کا وجود خال خال تھا، لیکن یہودی قوم نے ڈراموں، گراموفون، ریکارڈوں اور بعد میں سینما و صحافت کے ذریعہ امریکی سماج کو

تباہی و بربادی کے کگار پر کھڑا کر دیا، جب ۱۸۹۴ء میں ایک نقاد نے اپنے اخبار میں یہودیو ں کی اس اجارہ داری اور ڈرامہ کے ذریعہ بداخلاقی کو فروغ دینے کی یہودی سازش سے پردہ اٹھایا تو یہودی قوم مشتعل ہوگئی، اخبار کے اشتہارات یہودی سرمایہ داروں نے بند کر دیئے، بالآخر اخبار نے اس ناقد کو ملازمت سے برطرف کر دیا اور یہودیوں سے معافی مانگی تب جا کر اس کے اشتہارات جاری ہوئے۔

یہی حال اس زمانے کے امریکی روزنامہ نیویارک ہیرالڈ کا ہوا جس کے ایڈیٹر جیمس گارڈن نے جان توڑ کوشش اس بات کی کر ڈالی کہ اپنے اخبار کو یہودی اثر و نفوذ اور اس کے دباؤ سے محفوظ رکھیں لیکن یہودی شاطروں نے ان کا اور ان کے اخبار کا ناطقہ بند کر دیا، یہ اخبار اپنے مالک کے انتقال کے بعد یہودیوں کے مکر و فریب کے آگے نہ ٹک سکا اور بند ہوگیا۔

اس کی مفصل اور عبرتناک کہانی کا خلاصہ یہ ہے کہ مسٹر جیمس گارڈن یہودیوں سے کوئی خاص پرخاش نہیں رکھتے تھے، عام اخبارات کی طرح یہودی اس اخبار کو بھی اشتہارات دیتے تھے کہ اخبارات کی اصل آمدنی اشتہارات سے ہوتی ہے۔ ایک بار ایک بااثر یہودی سرمایہ دار بداخلاقی اور قتل کے جرائم میں ملوث ہوگیا۔ اس واقعہ کی خبر جب اخبار کے نامہ نگار نے نام کے تعین کے ساتھ ایڈیٹر کو دی تو اس نے اخبار کے مالک جیمس سے استفسار کیا کہ آیا نام کی تصریح کے ساتھ خبر شائع کرائی جائے یا نہیں۔ اس درمیان میں نیویارک کے یہودیوں کو پتہ لگ گیا کہ یہ خبر نیویارک ہیرالڈ میں شائع ہونے والی ہے، بس پھر کیا تھا، ہر طرف سے ٹیلیفون آنے شروع ہوگئے، یہودیوں کی ایک جماعت اخبار کے دفتر پہنچ گئی تا کہ یہ خبر شائع نہ ہو، لیکن جیمس نے ان کے آگے جھکنے سے انکار کر دیا، خبر شائع ہوئی، لیکن دوسرے دن سے لاکھوں ڈالر کے اشتہارات یہودیوں نے بند کر دیئے۔ مسٹر جیمس نے ہمت نہیں ہاری، انھوں نے غیر یہودی سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے رابطہ پیدا کیا اور پانچ سال تک اپنے اخبار میں ان کے اشتہارات شائع کرنے کا معاہدہ کرلیا، امریکہ کے غیر یہودیوں کو اس معاہدہ سے بڑی مسرت ہوئی، اس لئے کہ یہودی سرمایہ داروں کے مقابلہ میں ان کے اشتہارات کو کوئی اخبار اہمیت نہیں دیتا تھا، اس معاہدہ

سے یہودیوں میں کھلبلی مچ گئی، انھوں نے بڑی کوشش کی کہ جیمس یہ معاہدہ منسوخ کردے اور ہم سے دوگنی قیمت لے لیں، لیکن جیمس نے پھر ان کے آگے جھکنے سے انکار کردیا، اگرچہ جیمس اس معرکہ میں کامیاب وکامران ہوگئے لیکن چند سالوں کے بعد فلاڈلفیا کے ایک یہودی سرمایہ دار ایڈولف اوچ نے نیویارک ٹائمز خرید کر اس کو سرمایہ کے بل بوتے پر ایک ایسے عالمی اخبار میں تبدیل کردیا، جس کا بنیادی مقصد یہودی مقاصد اور مصالح کی ہر قیمت پر خدمت ہے۔ ۱۹۱۹ء میں جیمس کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد یہودیوں نے اخبار کو خریدنے کی کوشش کی اس لئے کہ انھوں نے اپنے اشتہارات پر پھر پابندی لگادی تھی، لیکن جیمس کے لڑکوں نے یہودیوں کے ہاتھ فروخت کرنے کے بجائے اخبار کو بند کرنا پسند کیا، اس طرح ہیرالڈ کے بند ہوجانے کے بعد یہودی ساہوکاروں کے سامنے صحافت کا میدان مقابلہ سے خالی ہوگیا، اس واقعہ کے بعد ہی سے یہودیوں نے ذرائع ابلاغ پر اپنی گرفت مستحکم کردی کہ میڈیا پر قبضہ کرکے ہی پوری دنیا پر حکمرانی کی جاسکتی ہے۔

ہمارے سامنے امریکی سینما، ڈرامے، ریڈیو، اخبارات، ٹی وی کمپنیوں اور اشتہاری ایجنسیوں، پبلشنگ اداروں اور اخبارات ورسائل وکتب فروشوں کے متعلق جو تازہ ترین معلومات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام اداروں اور حساس مراکز پر نوے (۹۰) فیصدی یہودیوں کا غلبہ ہے، سرمایہ کاروں اور کارکنوں دونوں حیثیتوں سے "ہالی ووڈ" جو فلم سازی کا سب سے بڑا مرکز ہے اور پوری دنیا میں وہیں سے فلمیں برآمد کی جاتی ہیں، ان فلموں کے موضوعات سے قطع نظر، تمام سینما کمپنیوں کے مالک یہودی ہیں، مثال کے طور پر مندرجہ ذیل کمپنیوں کے مالک یہودی ہیں۔

سینما کمپنیوں کے نام	یہودی مالک کا نام
فوکس کمپنی	ولیم فوکس
گولڈن کمپنی	صمویل گولڈن
میٹرو کمپنی	موئس مایبر
وارنر برادرس اینڈ کمپنی	ہارنی وارنر
پیراماؤنٹ کمپنی	بڈکنس

ان مندرجہ بالا کمپنیوں میں مکالمہ نگار، اداکار، کیمرہ مین، ڈائرکٹر وغیرہ سب کے سب یہودی ہیں، یہودیوں کی اس اجارہ داری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انڈی پنڈنٹ کرسچین نیوز کے ایڈیٹر نے ۱۹۳۸ء میں لکھا تھا کہ امریکی سینما کی صنعت پر یہودی بلا شرکت غیرے مالک ہیں، اس صنعت میں کام کرنے والے سب کے سب یہودی ہیں یا ان کے ساختہ پرداختہ لوگ ہیں، ان یہودی فلم ساز کمپنیوں کی فلمیں نہ صرف مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں بلکہ پوری دنیا میں سپلائی کی جاتی ہیں۔

فورڈ نے یہودیوں کی زیر نگرانی بنائی جانے والی فلموں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فنکاری، جذبات کی عکاسی اور سماجی مشکلات و مسائل کی تصویر کشی سے ان فلموں کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا، بلکہ وہاں تو اس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ سولہ سال سے لیکر اٹھارہ سال کے نوجوانوں کے دل و دماغ کو کس طرح برباد کیا جائے، اس لئے سارا زور شہوانی جذبات کو بھڑ کانے اور امریکی سماج کی اخلاقی قدروں کے خلاف بغاوت پر ہوتا ہے۔ فورڈ آگے لکھتا ہے کہ پہلا بنیادی نصب العین زیادہ سے زیادہ مالی منافع کا حصول، اس کے بعد غیر یہودیوں کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم کرنا ہوتا ہے۔ فورڈ لکھتا ہے کہ یہودی شاطروں نے اپنی صنعت کو فروغ دینے کے لئے سینما کے اداکاروں کا خوب استعمال کیا، یہ یہودی کرتے یہ ہیں کہ فلم سازی سے پہلے فیشن کی وہ چیزیں تیار کرتے ہیں جن کو معاشرے میں فروغ دینے کا ان کا منصوبہ ہوتا ہے، تاکہ فلم دیکھنے والے اداکاروں کے فیشن اور طرزِ زندگی کے مطابق مارکیٹ سے مطلوبہ اشیاء خریدیں۔ اس طرح نہ صرف امریکی سماج بلکہ پورا انسانی معاشرہ یہودیوں کے چشم و ابرو پر چلنے کیلئے اپنے کو مجبور پاتا ہے اور ان یہودی اداکاروں کے فیشن اور طرز زندگی کو اختیار کرنے ہی کو وقت کا سب سے بڑا تقاضا سمجھتا ہے۔

امریکی فلموں میں کام کرنے والے مشہور یہودی اداکار مردوں اور عورتوں میں چند کے نام اس طرح ہیں: میل بروکس، ووڈلی ایلن، بوب ہوب، جیرلی موکس، فرانک سنیاٹرا، بیلی وائلڈ، نیل سائمن، کیرونیر، لیکی ہونی، جاک لیمن، کیرک ڈگلس، ٹونی کیرٹسی، گیرلی گرانٹ، جاک نیکلوس۔ بن عاذر، والٹر میتھر، جارج سیگل، پیرٹ رینولڈ، جین ہوکمین، جیمس کین، آسٹن ہوف مین، رچرڈ ہیرس، رچرڈ بنجا، ووڈلی اسٹائیگر، خواتین میں: الزبتھ ٹیلر، آن بینکروفٹ، باربرا اسٹرائسنڈ، میری میکر، سوزان انباک، سیلی کیلرمین، ووڈمین

کینٹن، گرالڈ مین چیلن وغیرہ، ان کے علاوہ کم از کم پچاس مزید یہودی اداکاروں کے نام فلمی دنیا میں مشہور ہیں۔(۱)

ڈرامہ اور فلم سازی کے بعد جب ٹیلی ویژن اور اس کی کمپنیاں وجود میں آئیں تو یہاں بھی یہودی ساہوکار سب سے آگے رہے، اس وقت امریکہ کی تمام ٹی وی کمپنیوں پر یہودیوں کی اجارہ داری ہے، پوری ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں سات سو سے لیکر گیارہ سو تک ٹی وی چینل ہیں جو اے، بی، سی۔سی، بی، ایس اور سی این این، اور این، بی، ایس، کے ماتحت ہیں اور ان کمپنیوں کے مالک یہودی ہیں:

اے، بی، سی، لیونارڈ جانس (یہودی)

سی، بی، ایس، ولیم بیلے (یہودی)

این، بی، سی، الفرڈ سلور مین (یہودی)

سی، این، این، نیو ویاؤس فیملی (یہودی)

ان ٹی وی کمپنیوں کے علاوہ ٹی وی سیریز تیار کر کے سپلائی کرنے والی دو بڑی امریکی کمپنیاں ''کینن'' اور ''ای، ٹی، وی'' ہیں جو پوری دنیا میں ٹی وی سیریز تیار کر کے سپلائی کرتی ہیں، ان دونوں کمپنیوں کی صرف مشرق وسطیٰ کی ملکوں میں بیالیس برانچیں ہیں ان تمام برانچوں کے ذریعہ وہ بلو فلمیں پرائیوٹ اور عوامی سینما ہالوں کو فراہم کی جاتی ہیں جن کی تیاری امریکہ، لندن اور پیرس میں ہوتی ہے۔

رندم ہاؤس کا امریکہ ہی نہیں تین براعظم تک اس کی مطبوعات کا دائرہ پھیلا ہوا ہے، کوئی ایسی تصنیف جو یہودیوں کے خلاف ہو، امریکہ، برطانیہ اور فرانس سے اس وقت تک شائع نہیں ہوسکتی جب تک رندم ہاؤس کے ماتحت کام کرنے والے پبلشنگ ادارے اجازت نہ دیں، مشہور فرانسیسی مفکر جارودی کی کتابیں اسلام لانے سے پہلے شائع کرنے

---

(۱) امریکی اخبار انڈیپنڈنٹ کرسچین نیوز نے ۱۹۳۰ء میں امریکی فلموں پر یہودی اجارہ داری اور غلبہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہالیوڈ دورِ جدید کا سدوم ہے (وہ بستی جس کو خلاف فطرت بدکاریوں کی وجہ سے الٹ دیا گیا تھا اور الٹنے سے پہلے وہاں پتھروں کی بارش ہوئی تھی) ہالیوڈ نہ صرف ہر طرح کی برائیوں کا مرکز ہے بلکہ پوری دنیا میں یہیں سے فلموں کے ذریعہ برائی و بے حیائی اور مجرمانہ کردار کو زرق برق لباس اور دلکش اصطلاحات میں پھیلایا جارہا ہے بلکہ مردوں سے انکی مردانگی اور عورتوں سے ان کی نسوانیت چھینی جارہی ہے، مجرم اور بدکار لوگوں کو ڈھالنے کے اس کارخانہ کو بند کردینا چاہئے۔

کے لئے نشر واشاعت کے ادارے مسابقت کرتے تھے لیکن جب انھوں نے صہیونیت کے خلاف کتاب لکھی تو غیر یہودی ادارے تک ان کو چھاپنے کیلئے تیار نہیں ہوئے، حد یہ ہے کہ جارودی کی دیگر تصنیفات بھی اپنے یہاں فروخت کرنے سے عالمی سطح کے مکتبات نے انکار کر دیا۔ رندم ہاؤس کے علاوہ دس بڑے پبلشنگ ادارے اور چودہ ایڈورٹائزنگ کمپنیاں یہودیوں کی ملکیت میں اخبارات، ٹی وی، سینما میں اشتہارات بنانے اور نشر کرنے کا کام یہودی ایجنسیاں کرتی ہیں، ان اشتہارات کے نمونے ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ جہاں تک امریکی اخبارات ورسائل پر یہودی اجارہ داری کا تعلق ہے تو حالیہ جائزے کے مطابق امریکہ کے مشہور یہودی ساہوکار نیوہاؤس گروپ اڑتالیس امریکی روزناموں اور بیس (۲۰) مشہور عالم ہفت روزہ رسالوں کا مالک ہے، اس کے علاوہ (C.N.N.) جیسے مشہور عالم ٹی وی کمپنی اور ایک سو دس ریڈیو اسٹیشنوں پر اس خاندان کی اجارہ داری ہے۔(۱) مشہور اخبارات میں نیو یارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، نیویارک پوسٹ، وال اسٹریٹ جرنل، نیوز ویک، ٹائم، پلے بوائے، بزنس ویک، شکاگو ٹائمز، شکاگوسن ٹائمز، ایروزونا نیوز، نیویارک میگزین اور ریڈرز ڈائجسٹ پر رابرٹ مردوخ، ولیم ہیرسٹ، نیوہاؤس، ایڈولف اوچ اور تھامسن دائمن (گروپ) جیسے یہودی ساہوکاروں کا قبضہ ہے۔ تمام اخبارات میں ۹۰٪ کارکن یہودی ہیں، ان اخبارات کو پوری دنیا میں تقسیم کرنے کی جو سترہ سو پینتالیس ایجنسیاں اور پبلشنگ ادارے ہیں ان سب پر یہودی قابض ہیں، مجموعی طور پر پورے امریکہ میں ایک سو چالیس ٹی وی چینل یہودی ملکیت میں ہیں، دوسری طرف پینسٹھ ملین سے زائد جو امریکی روزنامے تقسیم ہوتے ہیں ان میں ۶۲ ملین کے مالک یہی یہودی ہیں جب کہ امریکہ میں یہودیوں کی آبادی کا تناسب صرف ۲ء۹٪ ہے۔

---

(۱) C.N.N. کے سربراہ اور بانی Ted Terner نے نیوہاؤس گروپ کی طرف سے ۱۹۸۰ء میں بیس ملین ڈالر کے سرمایہ سے C.N.N. کو قائم کیا تھا۔ پانچ سال کے سخت تجارتی مقابلہ کے بعد اس کو نفع ملنا شروع ہوا۔ اس وقت ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں C.N.N. کے ستائیس اور بیرونی ملکوں میں اٹھارہ اخباری مراکز میں اس کے ملازمین کی تعداد اٹھارہ سو ہے۔ پوری دنیا کے ایک سو بیالیس ملکوں کے اٹھارہ ملین خاندانوں تک چوبیس گھنٹے C.N.N. کا پروگرام پہنچتا رہتا ہے۔

امریکی میڈیا کے متعلق امریکیوں کی رائے

لیکن خود امریکہ کی اکثریت اس یہودی میڈیا کے بارے میں کیا خیالات رکھتی ہے اور اس کا ردعمل اور تاثر کیا ہے، یہ ہمیں مشہور روزنامہ لاس انجیلو ٹائمس کے ایک سروے سے معلوم ہوتا ہے، جو جولائی ۱۹۹۳ء میں اس کی طرف سے کرایا گیا تھا:

۴۰٪ امریکی اپنے میڈیا پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ اپنے مالکوں کے نقطۂ نظر کی حمایت کرتا ہے۔

۴۵٪ امریکیوں کا کہنا ہے کہ اخبارات ورسائل کی سرخیوں اور خبروں کے درمیان کوئی مطابقت نہیں ہوتی۔

۶۵٪ امریکیوں کا کہنا ہے کہ امریکی میڈیا دولتمندوں اور اصحاب ثروت کے اثر ونفوذ کی حمایت کرتا ہے، اس میں خود امریکی حکومت بھی شامل ہے۔

۶۵٪ امریکیوں کا کہنا ہے کہ امریکی میڈیا کی خبروں میں عدم توازن اور جانبداری پائی جاتی ہے۔

۴۲٪ کا کہنا ہے کہ امریکی ذرائع ابلاغ کی خبریں فرضی اور من گھڑت ہوتی ہیں۔

۶۲٪ امریکی فحاشی اور عریانی سے متعلق خبروں اور تصویروں اور کہانیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔

۵۳٪ امریکی خبریں سی، بی، ایس، این، بی، اور اے، بی، سی، سے حاصل کرتے ہیں۔

۵۱٪ امریکی روزناموں سے خبریں حاصل کرتے ہیں۔

۱۸٪ سی، این، این، سے خبریں حاصل کرتے ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں یہ تناسب ۸۸٪ تک پہنچ گیا۔

۱۰٪ ریڈیو سے اور ۳۰٪ مقامی ٹی وی سے خبریں حاصل کرتے ہیں۔

عالمی یہودی صحافت پر ایک نظر

یہودی دانشوروں نے اپنے بارہویں پروٹوکول میں ادب اور صحافت کو غیر معمولی

اہمیت دیتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ "ہماری حکومتوں کی یہ کوشش ہوگی کہ وہ میڈیا کے بڑے حصہ پر قابض ہو جائے" اگر غیر یہودی دس اخبار و رسائل نکالیں گے تو ہم ان کے مقابلہ میں تیس (۳۰) اخبار و رسالے نکالیں گے اور لوگوں کو اس بات کا اعترف کرنا ہوگا کہ ہم یہودی ہی میڈیا پر قابض ہیں اور اسکی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، میڈیا کے ذریعہ ہم غیر یہودیوں کو ایسے جال میں پھنسا دیں گے جن کا انھیں تصور بھی نہ ہوگا...... یہودی میڈیا کی شہنشاہی یورپ و امریکہ کے ان ہی تین ملکوں (امریکہ، برطانیہ و فرانس) تک محدود نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ہی براعظموں کی راجدھانیوں اور مشہور و غیر مشہور شہروں تک اس کی فرماں روائی ہے، اور یہ بارہویں دستاویز کے دعوے کا عملی ثبوت ہے، ذیل میں ہم پوری دنیا میں یہودی صحافت کے وجود کے متعلق ایک اجمالی جائزہ پیش کر رہے ہیں، یہ اعداد و شمار دس سال پہلے کے ہیں، میڈیا میں ٹی، وی، ریڈیو، سینما اور ڈرامہ سے صرف نظر کر کے ہم نے صرف نیوز ایجنسیوں، روز ناموں، سہ روزہ ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہناموں، سہ ماہی، ششماہی، اور سالانہ نکلنے والے اخبارات و رسائل کو لیا ہے، یہ اخبارات و رسائل عبرانی ،فرنچ ،یدیشی (یورپین یہودیوں کی زبان) جرمن اور انگریزی، پرتگالی، اسپینی، روسی و افریقی اور مقامی زبانوں میں نکلتے ہیں۔

پوری ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے مجموعی طور پر ایک ہزار سات سو انسٹھ روز نامے اور چھ سو اڑسٹھ ہفت روزہ رسالے شائع ہوتے ہیں، ماہنامے، پندرہ روزہ، سہ ماہی ششماہی اور سالانہ میگزین ان کے علاوہ ہیں، جن کی طرف ہم نے اشارے کیے ہیں، نیویارک پوسٹ، شکاگو سن ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، وال اسٹریٹ جرنل، ڈیلی نیوز، سن ٹائمز، اسٹار لیجر، نیویارک پوسٹ، ایروزونا نیوز، ٹائم، نیوز ویک، ریڈرز ڈائجسٹ جیسے روز نامے او ہفت روزہ اور ماہنامے، عالمی شہرت اور حیثیت رکھتے ہیں اور انگریزی میں شائع ہوتے ہیں اور پوری دنیا میں پڑھے جاتے ہیں، ہم یہاں ان امریکی روز ناموں او ہفت روزہ رسالوں، ماہناموں، سہ ماہی و ششماہی اور سالانہ رسالوں کی اجمالی تعداد پیش کرتے ہیں جو یورپی النسل یہودیوں کی زبان یدیشی اور عبرانی میں امریکہ سے شائع ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر صرف امریکہ کی قومی زبان انگریزی ہی میں یہودیوں نے اخبارات، رسالے نہیں

نکالے بلکہ اپنی قومی زبان کو بھی غیر معمولی اہمیت انھوں نے دی ہے۔

امریکہ	۳۳
نیوز ایجنسیاں	۸
روزنامے	۳
ایک بدیشی اور دو عبرانی میں	
ہفت روزہ رسالے	۹۲
پندرہ روزہ رسالے	۹۴
ماہنامے	۹۶
دو ماہی و سہ ماہی	۴۸
ششماہی سالانہ غیر مستقل	۶۸
میزان	۴۰۹

نوٹ : ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ صرف یہودیوں کی ایک فیملی، نیو ہاؤس فیملی گروپ اڑتالیس روزناموں اور بیس مشہور ہفت روزہ رسالوں کا مالک ہے یہ اعداد و شمار شمالی امریکہ کے ۸۹ شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل کے ہیں اور صرف دو زبانوں یدیشی اور عبرانی کے:

۳۴۔ وسطی اور جنوبی امریکہ

نیوز ایجنسیز	۴
روزنامے	۸
سہ روزہ	۱۲
ہفت روزہ	۱۹
پندرہ روزہ	۲۲
ماہنامے	۶۴

سہ ماہی	۱۲
ششماہی	۳۸
غیر مستقل	۶۴
سالانہ	۳۴
میزان	۲۷۷

جنوبی اور وسطی امریکہ کے بتیس شہروں سے یہ اخبارات اور رسالے یدیشی، عبرانی، پرتگالی، اسپینی اور جرمن زبانوں میں شائع ہوتے ہیں۔

پینٹس (۳۵) ویسٹ انڈیز یوروگوائے اور وینزویلا سے مجموعی طور پر تین روز نامے، دس ہفت روزہ، آٹھ پندرہ روزہ، بارہ ماہنامے، چار سہ ماہی، یدیشی اور عبرانی میں شائع ہوتے ہیں۔

۱۔ آسٹریا	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۸
ماہنامے	۳
	۱۳
۲۔ بلجیم	
روزنامے	۳
سہ روزہ	۲
ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۳
	۱۲
۳۔ بلغاریہ	
روزنامہ	۱
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۱
	۴
۴۔ چیکوسلواکیہ	
روزنامہ	۱
ہفت روزہ	۲
ماہنامہ	۲
	۵
۵۔ ڈنمارک	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۳
ماہنامے	۳
ششماہی	۲
سالانہ	۲
	۱۲
۶۔ فرانس	
نیوز ایجنسیز	۳
روزنامے	۸
ہفت روزہ	۱۴
پندرہ روزہ	۹
ماہنامے	۲۰
سہ ماہی	۴
ششماہی	۸
غیر مستقل	۱۴
	۸۰
۷۔ ہالینڈ	
روزنامہ	۱

ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۲
	۷

۸۔جرمنی	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۳
سہ ماہی	۲
ماہنامے	۴
پندرہ روزہ	۲
	۱۳

۹۔برطانیہ	
نیوز ایجنسیز	۸
روزنامے	۱۰
ہفت روزہ	۱۸
پندرہ روزہ	۶
ماہنامے	۱۵
دوماہی	۱۲
سہ ماہی	۱۶
ششماہی	۱۴
سالانہ	۸
	۱۰۷

۱۰۔ترکی	
ہفت روزہ	۸
ماہنامے	۲
	۱۰

۱۱۔یونان	
روزنامے	۳
ہفت روزہ	۲
پندرہ روزہ	۳
ماہنامے	۲
	۱۰

۱۲۔اٹلی	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۲
پندرہ روزہ	۲
	۶

۱۳۔ہنگری	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۴
	۸

۱۴۔ناروے	
روزنامے	۳
ہفت روزہ	۴
پندرہ روزہ	۳
ماہنامے	۴
	۱۴

۱۵۔پولینڈ	
روزنامے	۳
ہفت روزہ	۶
سہ روزہ	۲
ماہنامے	۴
سہ ماہی	۶
	۲۱

۱۶۔ایران	
ہفت روزہ	۱

۱۷۔رومانیہ	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۴
پندرہ روزہ	۲
ماہنامے	۳
ششماہی	۲
	۱۳

۱۸۔روس	
روزنامے	۶
ہفت روزہ	۸
سہ روزہ	۴
	۱۸

۱۹۔سویڈن	
روزنامے	۲
سہ روزہ	۲
ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۵
	۱۳

۲۰۔ سوئزرلینڈ	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۴
سہ روزہ	۶
پندرہ روزہ	۴
	۲۰

۲۱۔ کنیڈا	
نیوز ایجنسیز	۲
روزنامے	۶
ہفت روزہ	۱۴
پندرہ روزہ	۲
ماہنامے	۱۳
	۳۷

۲۲۔ یوگوسلاویہ	
ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۲
	۶

۲۳۔ الجزائر	
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۳
سالانہ	۴
	۹

۲۴۔ کینیا	
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۳
	۵

۲۵۔ مراکش	
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۲
سالانہ	۴
	۸

۲۶۔ جنوبی افریقہ	
نیوز ایجنسیز	۲
روزنامہ	۱
ہفت روزہ	۸
پندرہ روزہ	۴
ماہنامے	۲۲
دوماہی	۶
غیر مستقل	۴
سالانہ	۴
	۵۱

۲۷۔ ہندوستان	
پندرہ روزہ (انگریزی)	۱
ماہنامے (")	۳
	[illegible]

۲۸۔ جنوبی رہوڈیشیا	
روزنامہ	۱
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۳
	۶

۲۹۔ اسرائیل	
نیوز ایجنسیز	۳
روزنامے (صبح ایڈیشن)	۲۲
روزنامے (شام ایڈیشن)	۶
سہ روزہ	۲۲
ہفت روزہ	۸۲
پندرہ روزہ	۲۷
ماہنامے	۱۱۰
دوماہی	۶
سہ ماہی	۴۲
غیر مستقل	۸۸
سالانہ	۳۴
	۴۴۴

۳۰۔ فلپائن	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۲
ماہنامے	۳
سہ ماہی	۲
	۹

۳۱۔سنگاپور	
روزنامے	۲
ہفت روزہ	۴
ماہنامے	۲
سہ ماہی	۲
	۱۰

۳۲۔آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ	
روزنامے	۸
ہفت روزہ	۱۰
ماہنامے	۲۲
سہ ماہی	۶

نیز ایجنسیز	۴
	۵۵

امریکہ وبرطانیہ سے شائع ہونے والے اخبارات ورسائل کی بڑی تعداد پر یہودی قابض ہیں، جن اخبارات ورسائل پر براہِ راست ان کا قبضہ نہیں ہے ان پر یہودی اشتہارات کا دباؤ ہے۔

دو سال قبل ساٹھ امریکی روزناموں کا تحلیل وتجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ اڑتالیس اخبارات روزانہ مجموعی طور پر تین سے سات کالم تک یہودی پروپیگنڈے کے لئے وقف رہتے ہیں، آٹھ امریکی روزنامے یہودیوں سے متعلق تمام خبریں، تجویزیں، تصویریں، اداریے، تبصرے اور تائیدی مراسلے ومضامین کلی طور پر بغیر کسی ترمیم کے اپنے صفحات میں شائع کرتے ہیں حالانکہ یہ اخبارات یہودیوں کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ یہودی اشتہارات کے دباؤ کی بنا پر وہ ایسا کرتے ہیں۔

مسیحی معاشرہ کی تباہی میں یہودی میڈیا کا رول

قرآن کریم اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو اللہ تعالی نے غیر معمولی انعامات سے نوازا تھا، لیکن انھوں نے ان نعمتوں کی ناقدری کی تو انسانی قیادت ورہنمائی کی باگ ڈور ان سے چھین لی گئی، اس قوم نے اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو قتل کیا، کتاب الٰہی میں تحریف کی، ان گھناؤنے جرائم کے نتیجہ میں ان کو مختلف امراض میں مبتلا کر دیا گیا، یہی امراض ان یہودیوں کی قومی خصوصیات بن گئے یعنی بزدلی، مجرمانہ ذہن، اور قساوت قلبی، ناشکری، کذب، بہتان تراشی، مکروفریب اور دھوکہ

دہی، مال کی پرستش اور حرام خوری، عہد شکنی اور خیانت، تکبر وغرور، فسق وفجور و بے حیائی، سود خوری اور ذلت ورسوائی۔

ان بدنما داغوں کو دھونے کے لئے یہودیوں نے پہلا نشانہ مسیحیوں کو پھر مسلمانوں کو، اس کے بعد ساری انسانیت کو بنایا۔

تلمود یہودیوں کی معتبر کتاب ہے جس کے مطالعہ سے ان کی انسانیت دشمنی اور مسخ فطرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور رسولوں کے متعلق یہودیوں کے جو عقائد وخیالات ہیں ان کو تحریر میں لانے سے انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے، زمین کے شق ہونے اور آسمان کے پھٹ پڑنے کا اندیشہ ہونے لگتا ہے۔

اس مختصر کتاب میں اس کی گنجائش نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ موضوع ہے، ہم تو اختصار کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کریں گے کہ مغربی یا مسیحی معاشرہ کی تباہی وبربادی کے اسباب ومحرکات کیا ہیں، اور اس معاملہ میں یہودیوں کو کتنی غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس تباہی وبربادی کے اثرات اسلامی معاشرہ تک کس حد تک پہونچے اور کیسے بھیانک نتائج سامنے آئے۔

مسیحیوں کے متعلق یہودیوں کے عقائد وعزائم

مسیحیوں سے یہودیوں کی دشمنی اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود یہ مذاہب۔ یہودیوں پر یہ الزام لگایا جاتا رہا ہے کہ انہوں نے ہی حضرت مسیح کو تختۂ دار تک پہنچایا ہے، یہودی پیشانی پر لگے اس بدنما داغ کو بیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں پاپائے روم نے یہودیوں کے غیر معمولی دباؤ پر ہمیشہ کیلئے دھو دینے کا اعلان کر دیا اور انھیں اس جرم سے بری قرار دیا۔ لیکن مسیحیوں کے متعلق یہودی عقائد بدستور وہی ہیں جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور جن کی تنفیذ کو اس قوم نے اپنا بنیادی نصب العین بنا رکھا ہے، یہودی تلمود سے چند اقتباسات مسیحیوں کے متعلق ملاحظہ فرمائیں:

- ہر یہودی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دن میں تین بار مسیحیوں پر لعنت بھیجے اور یہ دعا مانگے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسیحیوں کو نیست ونابود کردے۔

- مسیحیوں کا قتل ہر یہودی کے بنیادی فرائض میں سے ہے، اگر یہودی مسیحی کو قتل نہ کرے تو ان کے قتل کے اسباب مہیا کرے، یا پھر ان کی بربادی کے اسباب فراہم کرے۔
- مسیحیوں کا قتل ان کے فرائض میں ایک ہے جن کی تنفیذ ہر یہودی پر واجب ہے۔
- مسیحیوں کا قتل ان کارناموں میں سے ایک ہے جن پر یہودی قاتل کو اللہ تعالی بھرپور بدلہ عطا فرمائے گا۔
- مسیحیوں نے ارتداد اختیار کرلیا تھا، اگر وہ یہودی مذہب اختیار نہیں کرتے تو وہ اللہ اور یہود کے دشمن ہیں۔
- مسیحیوں کے ساتھ کسی عہد کی پابندی کسی یہودی کے لئے قطعا ضروری نہیں۔
- مسیحی گرجا گھر غلاظت کا مرکز اور ان گرجا گھروں کے واعظ مسیحی پادریوں کی حیثیت بھونکنے والے کتوں کی طرح ہے۔
- یہودیوں کو چاہئے کہ وہ مسیحیوں کے ساتھ بے عقل اور رذیل جانوروں جیسا معاملہ کریں۔
- مسیحی گرجا گھر گمراہیوں کا مرکز اور بت پرستی کا اڈہ ہیں، ان کا تباہ کرنا ہر یہودی کا نبیادی فرض ہے۔
- یہودیوں کے لئے جھوٹی قسمیں کھانا اور جھوٹی گواہی دینا جائز ہے تاکہ وہ غیر یہودیوں کو نقصان پہنچا سکیں۔
- یہودی اللہ کی منتخب قوم ہے، غیر یہودی جانوروں سے بدتر ہیں۔
- ہم یہودیوں کو اللہ تعالی نے خدمت کیلئے دو طرح کے جانور عطا کئے ہیں، ایک تو گدھے، کتے، خنزیر، مختلف قسم کے پرندے، دوسرے مسیحی، مسلمان اور بدھسٹ وغیرہ۔

انسان اور جانوروں میں جو فرق ہے وہی یہودی اور غیر یہودی کے درمیان ہے غیر یہودی کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں، یہودی کے سامنے اگر بھوکے کتے اور غیر

یہودی بیٹھے ہوں تو کتوں کو کھلانا افضل ہے۔

یہ خلاصہ ان عقائد کا ہے جو یہودی مسیحیوں کے متعلق رکھتے ہیں، ان عقائد کی تنفیذ کو یہودیوں نے اپنا نصب العین بنالیا تا کہ ایک طرف تو اپنے مجرمانہ کردار اور بدنما چہرے پر دبیز پردہ ڈال سکیں، دوسری طرف پوری انسانیت سے انتقام لے سکیں۔ انھوں نے پہلا نشانہ مسیحیوں کو بنایا کہ انجیل کی تحریف بلکہ پورے مسیحی ڈھانچے کو یکسر تبدیل کرنے اور پوری مسیحیت کا رخ متضاد سمت میں موڑنے کا کارنامہ یہودیوں ہی نے انجام دیا تھا۔ اسلام کی آمد نے کسی حد تک مسیحیوں کو مذہب کی طرف مائل کیا تھا، لیکن مذہب وسائنس کی کشمکش میں تحریف شدہ مسیحی مذہب کی شکست سے مسیحی معاشرہ کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، رہی سہی کسر ڈارون اور فرائڈ نے پوری کردی، مسیحی تابوت میں آخری کیل کارل مارکس نے ٹھونک دی، ان تینوں یہودی شاطروں کے افکار کی تشریح وتطبیق کو یہودی میڈیا نے اپنا بنیادی نصب العین قرار دیا۔ یہودیوں نے مسیحی سماج کو (جو پہلے ہی سے زار ونزار تھا اور مذہب کی گرفت اس پر ڈھیلی پڑ چکی تھی) ٹھکانے لگانے کے لئے جن ذرائع کا انتخاب کیا وہ حسب ذیل تھے۔ ادب، فلم سازی، ڈرامے، تعلیم وتربیت، صحافت اور بعد میں الکٹرانک میڈیا۔

امریکہ، فرانس اور برطانیہ کی سرزمین کو یہودیوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا، انھوں نے پوری منصوبہ بندی سے ڈراموں، گانوں اور فحش ناولوں کے ذریعہ نوجوان نسل پر یلغار کی اور اس کو گمراہیوں کے گہرے غار میں ڈھکیل دیا۔

مغربی ڈراموں کے تحلیل وتجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کائنات اور اس میں موجودہ انسان کی تخلیق بے مقصد ہے، دونوں کے درمیان کوئی معقول ومنطقی رابطہ اور رشتہ نہیں، نہ ہی اس کائنات کا کوئی خالق ومالک اور مدبر ہے۔

مشہور ڈرامہ نگار ٹی۔ ولیمس نے اپنے ڈراموں میں کھلے طور پر نئے دور کے امراض کو دور کرنے کیلئے آزاد جنسی تعلقات کی دعوت دی، اس نے لکھا کہ جب تک آزادانہ طریقہ سے انسانیت کے درمیان جنسی میل ملاپ نہیں ہوگا اس وقت تک انسان درجہ کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ ٹی۔ ولیمس نے اپنے مشہور ڈرامہ ''خواہش جس کا نام گاڑی ہے'' میں لکھا ہے کہ جنسی خواہشات اور نفسانی لذت کے آزادانہ حصول سے ہی انسانی تعلقات استوار ہوتے ہیں، فرد وسماج کی آزادی کا مطلب جنسی آزادی ہے یہی ہمارے ڈراموں کا بنیادی مقصد ہے۔ اس طرح ایک دوسرے ڈرامہ نگار جان وائٹنگ نے ''شیاطین'' نامی

ڈرامہ میں سیاسی عروج واقتدار، دولت مندی اور اسلحہ وجنس کو کامیاب زندگی کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ برطانوی ڈرامہ نگار گلیز کو پرنے اپنے ڈرامہ "باغیچہ میں سب کچھ ہے" میں معاشرہ میں حصول عزت ودولت، شہرت وناموری اور معیار زندگی بلند کرنے کے لئے بدکاری کو بطور پیشہ اختیار کرنے کی زبردست وکالت کی ہے اور اس کو فلسفہ بنا کر علمی ونفسیاتی دلائل کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ دوسرے مغربی ڈرامہ نگاروں میں البیر کامی، سلاکرو، بارولڈ پنٹر، آرتھر آڈمس یوجن انیل وغیرہ نے خالق کائنات کے متعلق شکوک وشبہات اور انسانوں کے متعلق مایوسی ونامرادی کے احساسات لوگوں کے ذہنوں میں پیدا کئے، آخری دور میں سارٹر نے کھل کر وجودی فلسفہ کی تلقین کی۔

اس طرح کے ڈرامے امریکی سماج میں اسٹیج کرنے والے فنکار واداکار سب کے سب یہودی تھے۔ ہنری فورڈ کے تجزیے اور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۵ء تک پورے امریکہ میں ڈراموں اور فلموں پر یہودیوں کی اجارہ داری قائم ہو چکی تھی۔ روزانہ دو گھنٹے تک امریکی نوجوان جب ہیجان انگیز جنسی مناظر دیکھتے اور اسی طرح کے گانے اور مکالمے سنتے، برہنہ خوبصورت جسم دیکھتے، شبینہ کلبوں میں عریاں رقص کا مشاہدہ کرتے تو ان کے جسم میں آگ سی لگ جاتی، اخبارات اور ناول وکہانیوں کے ذریعہ ان کی مزید حوصلہ افزائی کی جاتی، جب ان ڈراموں اور فلموں کی مانگ فرانس وبرطانیہ اور یورپ کے دوسرے ملکوں سے آنے لگی تو ان یہودی شاطروں نے تجارتی پیمانے پر ان ڈراموں اور ان میں کام کرنے والے فنکاروں کو تیار کرکے باہر بھیجنے کا کام شروع کردیا۔ یہی حالت فلم سازی کے میدان میں دیکھنے میں آئی۔ فحش گانوں کے سیلاب نے اچھے اچھے گھروں کو متاثر کیا، ہنری فورڈ کے بقول امریکی سماج کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا، رہی سہی اخلاقی قدروں، معمولی مذہبی حس، سماجی بندش اور گرجا کی گرفت کو ملحدانہ نظام تعلیم وتربیت نے ختم کردیا، اگر کسی صاحب ضمیر نے یہودیوں کی اس حرکت پر تنقید کی تو اس کو میڈیا کے زور پر معاشرہ میں الگ تھلگ کردیا گیا اور رزق کے دروازے اس پر بند کردیئے گئے۔

امریکی ڈراموں کے مشہور نقاد "بیریسن گیری" نے ۲۵ر دسمبر ۱۸۹۷ء میں اپنے رسالہ "ڈرامٹیک میرر" میں امریکی ڈراموں کا تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "عجیب سانحہ یہ ہے کہ امریکی ڈراموں پر وہ جماعت چھائی ہوئی ہے جن کی نشوونما صحیح طریقہ سے

نہیں ہوئی ہے، رسوائیوں سے پوری تاریخ اس قوم کی بھری ہوئی ہے، یہ جماعت اول و آخر تاجر اور آبرو باختہ ہے۔ اعلیٰ فنی مہارت، ذوق جمال اور رعنائی خیال سے یکسر محروم ہے، جو لوگ اس وقت ڈراموں پر اجارہ داری قائم کئے ہوئے ہیں وہ ڈراموں میں دوسرے درجہ کی ملازمت کے بھی قابل نہیں، ان کی پوری تاریخ رسوائیوں کا مجموعہ ہے اور بیشتر حالات میں ان کی پوری زندگی مجرمانہ ہے، اس بنا پر ڈراموں میں ان کا کردار بھی مجرمانہ ہے جو ان کے قومی کردار کا عکس ہے۔''

اس تنقید پر...... جو ایک مسیحی کے قلم سے تھی۔ پوری یہودی صحافت میں بھونچال آ گیا، یہودی سرمایہ داروں نے اس تنقید کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ تمام ڈراموں پر اجارہ داری قائم کر لی، دوسری طرف یہودی میڈیا نے مسیحی ناقد کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا۔ اخبارات و رسائل تقسیم کرنے والی یہودی کمپنی نے اس رسالہ کو اپنے یہاں رکھنے اور فروخت کرنے سے انکار کر دیا۔ ڈرامہ پیش کرنے والے اداروں نے اپنے یہاں اس نقاد کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ تیسری طرف اس اخبار کے خلاف یہودیوں نے عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا کہ اس تنقید سے ان کے ڈراموں پر اثر پڑا ہے اس لئے دس لاکھ ڈالر جرمانہ ادا کیا جائے اور آخری فیصلہ یہ کیا گیا کہ ڈراموں اور فلموں اور ادبی کتابوں پر فنی تنقید کرنے والے جتنے غیر یہودی ناقدین تھے ان کو منہ مانگے داموں پر خرید لیا یا پھر ان کی تمام تحریروں کو یہودی صحافت میں ممنوع قرار دے دیا۔

میڈیا کے کردار کے بارے میں یہودی عزائم

- .... ذرائع ابلاغ کی تعریف
- .... مغربی میڈیا کی پالیسی
- .... مغربی نیوز ایجنسیوں کی رپورٹنگ

میڈیا کے کردار کے بارے میں یہودی عزائم

(صیہونی پروٹوکول سے ایک اقتباس)

- ''موجودہ دور میں پریس کا کیا کردار ہے؟ یہ پریس یا تو ان جذبات کو ابھارتا اور ہوا دیتا ہے جو ہمارے مقاصد کے لئے ضروری ہوتے ہیں یا دوسری جماعتوں کے خود غرضانہ مقاصد کی خدمت کرتا ہے۔
- ہماری اجازت کے بغیر کوئی خبر عوام تک نہیں پہونچ سکے گی، آج کل بھی یہی مقصد اس طرح حاصل ہو رہا ہے، چونکہ تمام خبریں چند خبر رساں اداروں کے ذریعہ ہی سے ملتی ہیں جن کے دفتروں میں یہ ساری دنیا سے آکر جمع ہو جاتی ہیں، اس وقت یہ سارے خبر رساں ادارے ہماری ملکیت ہوں گے اور صرف وہی خبریں شائع کریں گے جن کے شائع کرنے کا ہم حکم دیں گے۔
- ادب اور صحافت عوام کا ذہن تیار کرنے کے لئے اہم ستون ہیں، اس لئے بیشتر اخبارات اور رسالے ہم اپنی حکومت کی ملکیت میں رکھیں گے، یہ ذرائع ابلاغ نجی ملکیت کے پریس کے منفی اثرات زائل کریں گے، اور رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کے لئے ہمارے ہاتھوں میں زبردست طاقت ہوں گے، اگر عوام کو ہم دس رسالوں کے اجرا کی اجازت دیں گے تو یہ اجازت اپنے تیس رسالوں کو دیں گے، اور جتنے بھی رسالے چھپیں گے ان کا تناسب یہی رہے گا، عوام کو بہر حال اس کا شبہ نہیں ہونے دیا جائے گا، عوام کی نظروں میں اپنا اعتماد بحال رکھنے کے لئے ہم جو رسالے شائع کریں

گے وہ بظاہر ہمارے مخالف ہوں گے، اس طرح ہمارے مخالفین بھی کوئی شبہ کئے بغیر ہمارے ہمنوا بن جائیں گے اور ہمارے جال میں پھنس کر بے ضرر ہو جائیں گے۔

- صف اوّل کے رسالے سرکاری نوعیت کے ہوں گے یہ ہمارے مفادات کی نگرانی کریں گے، اس لئے ان کا اثر نسبتاً کم ہوگا، دوسری صف کے رسالے نیم سرکاری نوعیت کے ہوں گے جن کا کام یہ ہوگا کہ وہ غیر جانبداروں کی توجہ اپنی طرف مبذول کریں گے۔"
- تیسری صف کے رسالے وہ ہوں گے جو ہم اپنی مخالفت کرنے کے لئے جاری کریں گے، وہ بظاہر کلی طور پر ہماری حکمت عملی کی شدید مخالفت کریں گے، ہمارے ازلی دشمن اس مصنوعی مخالفت کو اپنی آواز سمجھ کر اپنا باطن ہمارے سامنے کھولتے رہیں گے، ہمارے یہ سب اخبارات ہندوؤں کے دیوتا وشنو کی طرح ہوں گے جس کے سو ہاتھ ہوتے ہیں، ان میں سے ہر ایک انگلی حسب ضرورت رائے عامہ کے ہر شعبہ پر رکھی ہوئی ہوگی، جب نبض کی رفتار تیز ہوگی یہ ہاتھ رائے عامہ کا رخ ہمارے نصب العین کی طرف موڑ دیں گے۔ ہمارے مخالفین کے پاس چونکہ پریس کے ذرائع نہیں ہوں گے جن کے ذریعہ وہ اپنے خیالات کا کما حقہ، اور حتمی طور پر اظہار کر سکیں، ہم پریس کو ان کے خلاف استعمال کر کے فتح حاصل کر لیں گے، دراصل سوائے رسمی تردید کے ہمیں ان کی اصل تردید کرنے کی ضرورت پیش بھی نہیں آئے گی۔

(صہیونی پروٹوکول کے بارہویں دستاویز سے ایک اقتباس)

ذرائع ابلاغ کی تعریف

ذرائع ابلاغ یا پروپیگنڈہ کی تعریف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دوسروں پر پروپیگنڈہ کے ذریعہ قابو پانا تا کہ ان کے طرز عمل اور سلوک کو تبدیل کیا جا سکے۔ پروپیگنڈہ میں متعین افکار و خیالات کو اس طرح پھیلایا جاتا ہے کہ دوسروں کے آراء یا سلوک یا دونوں کو متاثر کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی سطح پر جو پروپیگنڈہ ہوتا ہے اس میں کسی خاص حکومت کی پالیسی اور

نقطۂ نظر کو ادارے یا افراد اور ملک کے شہریوں تک منتقل کیا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ پروپیگنڈہ کا کام جو لوگ کرتے ہیں ان کی قومیت کیا ہے۔

میڈیا کے ماہرین اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ حکومتوں کی خارجہ پالیسی کے اجزائے ترکیبی میں ذرائع ابلاغ کو کلیدی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اس کے علاوہ جو عناصر خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں ان میں تاریخی پس منظر، جغرافیائی محل وقوع، آبادی، اقتصادی اور فوجی قوت کے ساتھ ساتھ نظریاتی عوامل ومحرکات شامل ہوتے ہیں، اس طرح اس ملک کا سیاسی نظام اور انتظامی صلاحیت بھی موثر کردار ادا کرتے ہیں، پھر خارجہ پالیسی کی تنفیذ کے کلیدی وسیلہ میڈیا کا سہارا لے کر فوجی، سیاسی، اقتصادی، نیز مقامی حالات کو سامنے رکھ کر پروپیگنڈہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ غیر حقیقی افکار وخیالات اور باطل عقائد ونظریات کو غیروں کے دل ودماغ میں اچھی طرح راسخ کر دیا جاتا ہے، پھر ان سے اسی وقت کام لیا جاتا ہے جب کوئی بحران سامنے آتا ہے اور ایسے موقع پر اس ملک کی فوجی، اقتصادی اور سیاسی قوت اور اس ملک کی رائے عامہ کی نفسیاتی کیفیت وخصوصیت، نیز پروپیگنڈہ کے وسائل یہ سب مل کر ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حالات سے مزید واقفیت کی طلب وجستجو میں اضافہ ہو جاتا ہے، یہی وہ موقع ہوتا ہے جب افراد اور جماعتوں کی ذہن سازی اور ان پر اثر انداز ہونے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے ،اس لئے کہ بحرانی حالات میں تعلیم یافتہ طبقہ کی نفسیات اور ذہنی حساسیت بہت بڑھ جاتی ہے، اور وہ ایسے مواقع پر پروپیگنڈہ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح پروپیگنڈہ کی کامیابی میں بہترین قومی واقتصادی طاقت اور سرگرم سفارتی جد وجہد سب ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ یہ بھی ایک بنیادی حقیقت ہے کہ پروپیگنڈہ کا کام کرنے والے اور اس کی منصوبہ بندی کے پس پردہ جو دماغ ہوتے ہیں ان کی صلاحیت واستعداد پر سارا دارومدار ہوتا ہے۔

پروپیگنڈہ کے ذریعہ دشمنوں کے خلاف نفرت وعداوت کے شعلہ کو تیز کرنا، دوست ملکوں کی دوستی کو باقی رکھنا، غیر جانبدار ملکوں کی توجہ اور ہمدردی حاصل کرنا، دشمن کی معنوی روح کو ختم کرنا، ان سب امور کا انحصار پروپیگنڈہ کی منصوبہ بندی، سیاسی اور قومی مقاصد

کے ساتھ ان کی ہم آہنگی و ربط، پروپیگنڈہ کی تنفیذ کے وسائل کی نوعیت اور اس تنفیذ کی مسلسل نگرانی اور آئندہ کے مراحل میں نئی منصوبہ بندی پر ہوتا ہے۔

پروپیگنڈہ کو کامیاب بنانے کے لئے طاقتور سیاسی پارٹیوں، ان کے قائدین، دانشگاہوں کے دانشور، عوام سے ربط اور اس ملک کی مقتدر اور نمائندہ شخصیتوں سے تعلق ضروری ہوتا ہے۔

مغربی میڈیا کی پالیسی

اس تمہید کے بعد ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان افہام وتفہیم اور ربط وتعاون کے سلسلہ میں مغربی میڈیا کے رول پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ان کی بنیادی پالیسی پوری طرح ان کے قومی مفاد اور مصالح کے ماتحت ہے، کوئی خبر خواہ وہ کتنی ہی معمولی ہو یا بڑی ہو، اس کی نوعیت کچھ بھی ہو، یہاں تک کہ تصویریں اور کارٹون بھی مغربی میڈیا کے مالکوں کی مذہبی اور قومی مفادات کے ترجمان ہوتے ہیں۔

جب سے ذرائع ابلاغ کو یہودیوں نے دوسرا بڑا استون قرار دیا ہے اور وہ اس پر پوری طرح قابض ومتصرف ہوئے ہیں اسوقت سے یکطرفہ ٹریفک کے اصول پر یہودی افکار وعقائد ہی کو پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے۔ بالفاظ دیگر ہم یہ پورے وثوق واعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں پچانوے فیصدی میڈیا پر یہودیوں کا قبضہ ہے، اور وہی پوری دنیا کی ذہن سازی کا کام کررہے ہیں، وہ جدھر چاہتے ہیں اسی طرف رائے عامہ جھکتی ہے، یہودیوں کی پسند پوری دنیا کی پسند، ان کا ذوق پورے عالم کا ذوق، اور ان کی کراہیت ونفرت کا جونشانہ بنتا ہے پوری دنیا اس سے نفرت کرتی اور اس کے وجود کو ملیامیٹ کرنے کے لئے پوری قوت سے تیار رہتی ہے۔ یہودی دماغوں سے نکلے ہوئے افکار وخیالات، چاہے ان کا تعلق تہذیب وتمدن سے ہو یا سیاسیات واقتصادیات، معیار زندگی یا فیشن اور لباس کے تراش خراش اور رنگ وبو سے متعلق، پوری مہذب دنیا اس کے پیچھے دیوانہ کی طرح لگ جاتی ہے اور اس پر عمل کرنا اپنا دین وایمان قرار دیتی ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے؟ اس لئے ہے کہ ذرائع ابلاغ اور اقتصادیات جیسے دو مضبوط ومستحکم ستونوں پر ان کی عمارت قائم ہے۔

مغربی نیوز ایجنسیوں کی رپورٹنگ

ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کے درمیان افہام وتفہیم اور ربط وتعاون کے سلسلہ میں بین الاقوامی میڈیا کے رول پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ اگر چہ مغربی نیوز ایجنسیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی خبروں میں معروضی اور غیر جانبدارانہ پالیسی پر گامزن رہتی ہیں۔(۱) لیکن اس کے برعکس یہ نیوز ایجنسیاں حالات وواقعات اور حقائق کو عام طور پر مسخ کر کے پیش کرتی ہیں، یا خوبصورت اور دلکش اسلوب واصطلاحات میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بنا کر پیش کرتی ہیں، ترقی پذیر ملکوں کے ساتھ عموماً اور عالم اسلام کے ساتھ خصوصاً تعاون کے بجائے وہ ایسی فضا تیار کرتی ہیں جن سے اندرونی کشمکش اور انتشار واختلافات کو پھیلنے میں مدد ملے، ان ملکوں کی معمولی کمزوریوں اور دبی ہوئی چنگاریوں اور مخفی اختلافات کو بڑھا چڑھا کر اس طرح پیش کرتی ہیں جیسے یہی بنیادی مسائل ہیں، قومی سطح کی شخصیتوں اور بے داغ رہنماؤں اور بلند کردار کے قائدین کی کردار کشی کی مہم بھی وقفہ وقفہ سے جاری رہتی ہے اور نئے نئے پہلو سامنے لائے جاتے ہیں۔

مغربی ملکوں کے پالیسی ساز اپنے سازشی منصوبوں کو ہر پہلو سے تیار کر کے نیوز ایجنسیوں کے حوالہ کر دیتے ہیں، جہاں سے ایک خاص مدت تک مختلف زاویوں سے اس منصوبہ سے متعلق خبریں شائع کی جاتی ہیں، پھر ان کا تحلیل وتجزیہ سیاسی واقتصادی ماہرین، سفارتی اور خصوصی نامہ نگاروں کے قلم سے کرایا جاتا ہے، راہ چلتے لوگوں کو سماجی کارکن، یونیورسٹی کے پروفیسروں کو، دانشور اور عوامی نمائندہ وترجمان بنا کر اپنے مخصوص نقطہ نظر کی تائید وحمایت میں ان سے انٹرویوز اور بیانات لئے جاتے ہیں، اس طرح رائے

---

(۱) امریکن خبر رساں ایجنسی اور اے، ایف، پی (ایسوسی ایٹیڈ فرانس پریس) کے دستور میں درج ہے کہ ''ایجنسی خبروں میں غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کرے گی، اور کسی مخصوص جماعت یا متعین نظریہ اور مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، مالی اعتبار سے وہ آزاد ہوگی، اور خریداروں کے چندوں پر اس کی آمدنی کا انحصار ہوگا'' ......لیکن ان ایجنسیوں پر قابض ومتصرف یہودی سرمایہ کاروں سے غیر جانبداری کی توقع؟ ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' كبرت كلمة تخرج من أفواههم إن يقولون إلا كذبا.

عامہ ایک خاص درجہ تک تیار کر دی جاتی ہے جس کا ردعمل اخبارات ورسائل کے صفحات سے لگایا جاتا ہے، اس کے بعد اس منصوبہ کا دوسرا جز تنفیذ کے دائرہ میں لایا جاتا ہے اور اس کو دوسرے زاویے سے آگے بڑھایا جاتا ہے، اس مرحلہ میں احتمالات وامکانات اور کبھی صراحت کے ساتھ بغاوت، کشمکش اور مسلح جدوجہد کی تلقین بھی کی جاتی ہے، مثلاً: ''بظاہر تو ان کا کوئی مخالف نہیں، لیکن اس کا قوی امکان ہے کہ فلاں فلاں شخصیتیں ان کی مخالفت کریں، اس لئے کہ عوام میں ان کی پوزیشن مضبوط ہے''۔ ''جنگ کا امکان تو نہیں لیکن گوریلا جنگ شروع کئے جانے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔'' ''اس لئے کہ جغرافیائی حالات اس طرز کی جنگ کے لئے موزوں ہیں۔'' ''ان کی حکومت کو فوری طور پر کوئی خطرہ تو نہیں ہے، لیکن اخوانیوں سے آگے چل کر یہ خطرہ ہوسکتا ہے، اس لئے وہ کوشش کریں گے کہ دینی جماعتوں پر پابندی لگادیں''۔ ''یہ دھماکہ کس نے کرایا؟ فی الحال یہ نہیں معلوم ہوسکا، لیکن سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ اس دھماکہ کے پیچھے شدت پسند عناصر ہوسکتے ہیں، اس لئے کہ کچھ عرصہ سے یہ عناصر مساجد میں حکومت مخالف تقریریں کرتے رہے ہیں''۔ ''غیر ملکی سیاحوں پر جو حملے ہوئے ہیں اگر چہ فوری طور پر قاتلوں اور حملہ آوروں کا پتہ نہیں چل سکا ہے، لیکن ہمارے سفارتی نامہ نگار نے سرکاری اور آزادانہ ذرائع سے ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ اس کے پیچھے الجماعات الاسلامیہ کا ہاتھ ہوسکتا ہے، یہ وہی جماعت ہے جو فنڈ امنٹلسٹ ہے، ان کی خواتین پردہ کرتی ہیں، اور یہ لوگ امریکی اور یورپی سیاحوں کی آمد کو دینی اعتبار سے حرام سمجھتے ہیں'' (۱)

(۱) مغربی ملکوں نے اسلامی ملکوں پر بجائے فوجی حملے کے میڈیا کو اسلحہ کا درجہ دے دیا ہے، اسی کو وہ ایسی جنگی مہارت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں کہ گھر بیٹھے عالم اسلام میں خاص طور سے اور ترقی پذیر ملکوں میں عام طریقہ سے عوام اور حکومت کو متحارب فریقوں میں تقسیم کر کے خون ریزی کراتے ہیں، مندرجہ بالا ٹکنک کی مثالوں سے اسلامی ملکوں کی پچاس سالہ تاریخ بھری پڑی ہے، مثال کے طور پر عالم عربی میں سیاسی انتشار اور خانہ جنگی وبرادرکشی کیلئے فوجی انقلابات کا سہارا مصر وشام، عراق الجزائر اور تونس میں لیا گیا، مصر وشام اور عراق میں اخوانیوں کے گہرے اور ہمہ گیر اثرات کو ختم کرنے کیلئے اخوان ہی کے نام سے ریڈیو اسٹیشن قائم کئے گئے جہاں سے اخوانیوں کے دینی پروگرام نشر کئے جاتے تھے، اور ان ہی اسٹیشنوں سے عرب حکومتوں کے خلاف مسلح بغاوت پر آمادہ کیا جاتا تھا، بعد میں جمال عبدالناصر کی فوجی حکومت نے ''اسیوط'' کے مقام پر ایسے اسٹیشن کا انکشاف کیا، معلوم ہوا کہ بیرونی طاقتوں کے سہارے یہ

= اسٹیشن چلائے جارہے تھے، لیکن اس وقت تک ہزاروں اخوانی تہ تیغ کئے جاچکے تھے، جیسا کہ ناصر کے بعد تحقیقاتی کمیٹی نے انکشاف کیا تھا۔ اس طرح ناصر کو مقبول بنانے کے لئے امریکہ نے ایک ماہر کو قاہرہ بھیجا تھا، جس کے مشورے سے جلسہ عام میں ناصر پر قاتلانہ حملہ کا منصوبہ بنایا گیا، پھر اس کو بنیاد بنا کر پچاس ہزار اخوانیوں کو ایک رات میں پورے ملک سے گرفتار کرلیا گیا، دوسری مثال اسرائیل سے تعلقات کی بحالی کے بعد کی ہے "ہفت روزہ المجتمع" کویت، کی تحقیق یہ ہے کہ مصر کے ایک بڑے ذمہ دار نے اس کا اعتراف کیا کہ مصر میں ہونے والے سولہ دھماکوں میں غیر ملکی سیاحوں اور مصری ذمہ داروں پر قاتلانہ حملوں کے ویڈیو تیار کرلئے گئے ہیں، ان سے یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ ان تمام حوادث میں اسرائیل کی خفیہ سروس موساد اور امریکی ایجنسی سی، آئی، اے ملوث ہیں، جب اس افسر سے پوچھا گیا کہ مصری حکومت ان حقائق کو سامنے کیوں نہیں لاتی تو اس نے بتایا کہ دو بنیادی رکاوٹیں ہیں، ایک تو یہ کہ امریکی حکومت ناراض ہوجائے گی، کہ اس کی ایجنسی بھی ملوث ہے، دوسرے عوام ناراض ہوجائیں گے، ہم ابتک اپنے عوام کو یہی یقین دہانی کراتے آئے ہیں کہ اسرائیل سے تعلقات کا قیام ہمارے حق میں ہے۔ مصری وزارت داخلہ کے ماہرین نے مصر کے مختلف مقامات پر ہونے والے دھماکوں اور قاتلانہ حملوں میں استعمال ہونے والی دھماکہ خیز اشیاء اور گولیوں کے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ یہ مادے باہر سے لائے گئے ہیں اور اتنے قیمتی ہیں کہ حکومتیں ہی ان کی متحمل ہوسکتی ہیں۔ مصری افسر نے فروری ۱۹۹۳ء میں ہونے والے جاسوس کیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ یونانی اور مصری شہریت رکھنے والی یہودی اداکارہ لوسی نے مصر کے چوٹی کے افسروں سے جنسی اور مالی تعلقات قائم کرکے وزارت داخلہ سے وہ فائلیں حاصل کرلیں جن میں سرگرم اخوانیوں کی تفصیلات تھیں، پھر انھیں موساد کے قاتل دستوں کے حوالہ کردیا گیا، ان دستوں نے مصری پولیس کی وردی میں پولیس مڈبھیڑ کے ذریعہ سینکڑوں نوجوانوں کو ٹھکانے لگادیا۔ دوسری مثال اس افسر نے اگست ۱۹۹۳ء میں اسکندریہ کے ساحل پر دھماکہ کی دی، جس میں دھماکہ کی جگہ (باقی اگلے صفحہ پر) (پچھلے صفحہ کا بقیہ) ریک عربی میں ایک خط ملا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ دھماکہ اس لئے کیا گیا ہے کہ مصری حکومت کافر اور بے شرم ہے، لوگ ساحلوں پر برہنہ غسل کرتے ہیں، ہم اس حکومت کو ختم کردیں گے، اس کے بعد اسکندریہ یونیورسٹی کے پروفیسروں اور نوجوانوں کے نام لکھے ہوئے تھے، اس افسر نے بتایا کہ ہم کو حکم ہے کہ ان تمام واقعات کی ذمہ داری اخوان پر ڈالدیں۔

الجزائر میں ہر روز اس طرح کی خبریں معمول بن چکی ہیں، ساٹھ انسانوں کو بڑی بے دردی سے قتل کردیا گیا۔ بچوں اور عورتوں کے پیٹ پھاڑ دئے گئے۔ "پچاس خواتین گھروں سے غائب ہیں۔ بھرے بازار میں کار بم کے دھماکہ میں اسی آدمی مارے گئے، ان خبروں کے متعلق بھی مغربی نیوز ایجنسیاں یہی کہتی ہیں کہ قاتلوں کا پتہ نہیں چل سکا، لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ فنڈامنٹلسٹوں نے یہ حرکت کی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ حکومت کو بدنام کرنے کے لئے ایسے قتل کرائے جارہے ہیں" چار سال کے اندر ستر ہزار قتل ہوچکے ہیں اور قاتلوں میں سے کسی کا سراغ نہ لگایا جاسکا۔

خبریں دیتی ہیں، ان کا تعلق زیادہ تر اپنی کامیابیوں، مادی اور سائنسی ترقیوں اور فوجی قوت سے ہوتا ہے، جرائم، تخریب کاری اور قتل وغارتگری سے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں ان کا اسلوب وانداز ایسا ہوتا ہے جیسے کہ ان خبروں کی کوئی اہمیت نہیں، اور یہ معمول کے مطابق ہیں، اگر کوئی بڑی دھماکہ خیز خبر ہوتی ہے تو اس میں بھی اچھائی کا پہلو تلاش کرلیا جاتا ہے، جیسے جنوری ۱۹۹۳ء میں جب ڈیوڈ قورش کی جماعت پر امریکی فوج نے حملہ کیا اور ڈیڑھ سو انسانوں کو گولیوں سے بھون دیا، یا دو سو افراد نے اجتماعی طور پر خودکشی کرلی، تو مغربی خبر رساں ایجنسیوں نے اتنے بڑے واقعہ کی توجیہ یہی کی کہ دنیا میں ہر جگہ اور ہر سماج میں ایسے لوگ اور ایسی جماعتیں پائی جاتی ہیں جو معاشرہ سے الگ تھلگ رہتی ہیں، ایسے لوگ نفسیاتی اور ذہنی مریض ہوتے ہیں، ان پر ماہرین کو توجہ دینی چاہئے۔ یورپ وامریکہ سے ہر روز خبریں تسلسل سے آتی رہتی ہیں کہ ایک شخص نے مشین گن سے پچاس آدمیوں کو بھون ڈالا۔ دوسرے نے تین ہزار خواتین کی عصمت دری کی، پھر انھیں بے دردی سے ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ تیسرے نے تین سو معصوم بچوں کو بدفعلی کے بعد قتل کردیا۔ اوکلاہوما کی نومنزلہ عمارت کو دھماکہ سے جس شخص نے اڑادیا وہ سفید فام امریکی تھا، اس دھماکہ میں ایک ہزار کے قریب جانی نقصانات ہوئے، لیکن دھماکہ کرنے والوں کے دین ومذہب اور اس کے قومی تشخص کو نشانہ نہیں بنایا گیا، اسی طرح ایزاک رابین (اسرائیلی وزیراعظم) کا قاتل ایک عام قاتل تھا، قاتل کے مذہب، تہذیب، عقائد اور اس کی قومی خصوصیات کو کسی بھی مغربی خبر رساں ایجنسی یا اخبار وٹی وی نے اپنے نشانہ پر نہیں رکھا، اور نہ ہی فوج وپولیس نے قاتل کے خاندان، دوستوں اور جس کالج یا اسکول میں اس نے تعلیم حاصل کی ان کے سب لوگوں کو گرفتار کیا یا ان اداروں کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دیکر بند کردیا۔

امریکی ریڈیو نشریات، پرائیوٹ اور سرکاری دونوں نوعیت کے ہوتے ہیں، ایک سروے کے مطابق ایک سو پچاس ملین امریکی روزانہ ریڈیو سنتے ہیں، اس طرح امریکہ کی ٹی وی کمپنیوں سے چوبیس گھنٹے پروگرام ہوتے رہتے ہیں، اس سروے کے مطابق امریکی میڈیا سے نشر ہونے والے پروگراموں میں ۹۰٪ پروگرام ایسے ہوتے ہیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔

وائس آف امریکہ، بی، بی، سی، ریڈیو اسرائیل، اور ماسکو سے نشر ہونے والے پروگراموں میں فلسطینیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ لیبیا، عراق، لبنان اور شام وسعودی عرب کی شخصیتوں اور سماج و مذہب کو نشانہ بنایا جاتا ہے، دینی عناصر کو رجعت پرست، تشدد پسند، اور تہذیب وترقی کے لئے ان کے وجود کو خطرہ قرار دیا جاتا ہے، عرب قوم تعیش پسند ہیں، تاریک خیال ہیں، شراب، جوا، اور جنس ہی ان کا مشغلہ ہے، اگر مغربی دنیا کو کسی سے خطرہ ہوسکتا ہے تو وہ دین دار عناصر ہیں، جو تمام سائنسی ترقیوں کے دشمن ہیں، اور وہ گھڑی کی سوئی کو ہمیشہ پیچھے لے جانا چاہتے ہیں، اس کے برعکس یہودی اور عیسائی مہذب ہیں، ان کی حکومتیں جمہوری ستونوں پر قائم ہیں، جبکہ عالم عربی کی حکومتوں کا نظام فوجی ڈکٹیٹر شپ پر قائم ہے۔(۱)

مغربی نیوز ایجنسیاں اسلامی دنیا سے متعلق خبروں کی رپورٹنگ کس طرح کرتی ہیں، اور ٹی وی کمپنیاں کس طرح ذہن سازی کرتی ہیں اس کی طرف ہم اجمالی اشارے کررہے ہیں۔

- ۱۹۶۳ء میں امریکی صدر جان ایف، کینڈی کے قتل کے بعد پوری مغربی دنیا میں عربوں کے خلاف ایک بھونچال سا آ گیا تھا، اس قتل میں اول وآخر یہودی دماغ اور ہاتھ ملوث تھے، لیکن اصل قاتل کو ٹھکانے لگا کر یہودی میڈیا نے اپنی طرف سے رخ موڑ کر پوری دنیا کی توجہ بشارہ سرحان کی طرف مبذول کرادی اور اسے قاتل قرار دیکر عربوں اور ان کے مذہب کے خلاف طوفان برپا کیا گیا، بشارہ سرحان بتیس سال سے قتل کے الزام میں جیل کے اندر پھانسی کا منتظر ہے۔
- ۱۹۷۱ء میں مصر واسرائیل کی جنگ کے بعد جب مغربی دنیا کے خلاف پٹرول کی بندش کا اعلان کیا گیا تو خاص طور سے شاہ فیصل شہید کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی اور ان کے خاندان کے خلاف کردار کشی کے لئے متعدد فلمیں بنائی گئیں، پھر جب ایک سازش کے تحت شاہ فیصل کو شہید کیا گیا تو اس ہولناک واقعہ کی سب سے

---

(۱) ایک طرف مغربی ممالک فوجی آمریت کی مذمت کرتے ہیں، دوسری طرف ایسی حکومتوں اور ان کے مطلق العنان سربراہوں کی سرپرستی وحمایت بھی کرتے ہیں۔

پہلی خبر رپوٹر خبر رساں ایجنسی نے پوری دنیا کو اس طرح دی:

"شاہ فیصل کو ان ہی کے خاندان کے ایک نوجوان نے اس وقت گولی ماردی جب وہ عید میلاد النبی کے موقع پر دربار میں لوگوں سے مبارک بادی وصول کررہے تھے"۔(۱)

اس خبر سے یہ تاثر پوری دنیا کو دیا گیا کہ جس نبی کو پوری دنیا میں رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس نے صلح وآشتی کا پیغام دیا تھا اسی کے یوم عید میلاد کے موقع پر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کردیا، اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ایسا اس مذہب کے ماننے والے کرتے رہتے ہیں، اس واقعہ کے بعد ہی مغربی میڈیا نے اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے تشدد کے واقعات پر مبنی مقالات اور خبروں اور تجزیوں سے ذہن سازی کی ناپاک مہم شروع کردی۔

مغربی نیوز ایجنسیوں کا بنیادی مقصد دشمنوں کو غلط فہمی یا خوش فہمی میں مبتلا کرنا، شکوک وشبہات کے پہلے مرحلہ کے بعد دوسرے مرحلہ میں طاقتور اسلوب میں نیا حملہ کرنا تاکہ شکوک اور وتذبذب وتردد کے بعد اپنے ہی مذہب وعقیدے، تہذیب اور ہم وطنوں اور تاریخ کے خلاف نفرت کے بیج بودیے جائیں، مستشرقین نے یہی اسلوب علمی مضامین میں اختیار کیا(۱) دورجدید کی میڈیا نے اسکو صحافتی اور تصویری قالب میں ڈھال دیا۔

یہودی میڈیا نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھوڑے تھوڑے وقفہ سے خبریں جاری کرنا اپنا بنیادی مقصد قرار دے رکھا ہے، اس کے لئے منصوبہ سازی بھی ایسی مہارت سے کی جاتی ہے کہ بہت سے لوگوں کا ذہن اس خبر کی تہہ میں کارفرما مقاصد کی طرف نہیں جاسکتا وہ ایسی خبروں کو بعینہٖ قبول کرلیتے ہیں۔

- ۲۶ رفروری ۱۹۹۲ء کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکہ کرایا گیا، لیکن اس واقعہ کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیسے استعمال کیا جائے تاکہ اس کو بہانا بنا کر یورپ وامریکہ میں مقیم مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کردی جائے، اور ان کی یہاں آمد پر نہ صرف پابندی عائد کردی جائے بلکہ یہ مطالبہ بھی کردیا جائے کہ ایسے مسلمانوں کا

---

(۱) حالانکہ پوری دنیا کو معلوم ہے کہ سعودی عرب میں یوم میلاد النبی کی تقریب نہیں منائی جاتی، اس خبر کے منفی اثرات کی ہمہ گیری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

وجود عیسائیوں اور یہودیوں اور پوری مہذب دنیا کے لئے سنگین خطرہ ہے؟
ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دھماکہ سے پہلے دو سال سے یورپ وامریکہ میں مقیم مسلمانوں کی تعداد، ان کی دینی وسماجی سرگرمیوں، ان کی مالی حیثیت، یورپ وامریکہ کے معاشرہ پر ان کے اثرات، مساجد، مدارس، اور دیگر اسلامی ودعوتی انجمنوں اور اداروں کے قیام پر متعدد دستاویزی فلمیں تیار کی جارہی تھیں، وائس آف امریکہ سی، بی، ایس۔اے، بی، سی نیویارک ٹائمس، ٹائم، نیوز ویک، وال اسٹریٹ جرنل، اور لاس انجلو ٹائمس نے اپنے نامہ نگاروں کے تیار کئے ہوئے فیچر اور مضامین اور انٹرویوز شائع کئے اور ہر پہلو سے مسلمانوں کی امریکہ میں موجودگی کے دوررس اثرات ونتائج کا تجزیہ کیا، مغربی میڈیا کی مسلمانوں سے غیر معمولی دلچسپی امریکی مسلمانوں کو کھٹک گئی تھی کہ یہ کسی بڑے واقعہ کی تمہید ہے، اس لئے کہ ہر پروگرام کے بعد تہران میں امریکی سفارت خانہ پر قبضہ، لاکربی طیارہ کو بم سے تباہ کرنے، میونخ میں گیارہ اسرائیلی کھلاڑیوں کی فلسطینیوں کے ہاتھوں قتل جیسے واقعات بھی دکھائے جاتے، اور یہ تاثر دیا جاتا کہ اگر مسلمان یورپ وامریکہ میں مقیم رہے، ان کی تعداد دن بدن بڑھتی رہی، تو وہ کلیدی عہدوں پر قابض ہوجائیں گے، چونکہ مسلمانوں کے یہاں چار شادیوں کا رواج ہے جس کی وجہ سے ان کی تعداد بھی غیر معمولی سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے، اس لئے وہی تجارت وصنعت پر قابض ہوجائیں گے، اس لئے ان مسلمانوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے، اس طرح ذہن سازی کرنے کے بعد وقت آنے پر ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں دھماکہ کرادیا گیا، اس موقع پر اسرائیلی حکومت نے بغیر کسی جرم کے مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے فلسطینی ڈاکٹروں، انجینیروں اور سائنسدانوں کو جلاوطن کردیا، اس واقعہ پر بڑا ہنگامہ ہوا، لیکن ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دھماکہ میں یہ واقعہ دب کر رہ گیا، اس جلاوطنی سے امریکہ کو یہ بھی بتلانا تھا کہ جس طرح ہم نے وطن دشمنی کی سرگرمیوں میں ملوث لوگوں کو

---

(۱) مثال کے طور پر مستشرقین نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کو عرب دنیا کے حالات کا ردعمل قرار دیا، اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ عرب میں ایسے حالات ہوگئے تھے جن میں اس دعوت کو عام قبولیت حاصل ہوگئی۔ ایک دوسرے مستشرق نے اس کے برعکس لکھا ہے کہ عرب ممالک کے حالات سے اس طرح کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

گھروں سے نکال دیا ہے، اسی طرح امریکی حکومت کو بھی چاہیئے کہ وہ امریکی مسلمانوں کو نکال دے، اس دھماکہ میں اسرائیلی خفیہ سروس (موساد) اور امریکی سی آئی اے، نیز مصری خفیہ سروس نے مشترکہ طور پر حصہ لیا تھا، دھماکہ کے بعد یہودی میڈیا نے باقاعدہ امریکی حکومت سے مطالبہ کردیا کہ وہ مسلمانوں کی مزید آمد پر پابندی لگادے اور غیر قانونی طور پر جو لوگ یہاں مقیم ہیں انھیں وطن سے نکال دے اور یہ قانون بنادے کہ امریکی وزارت داخلہ غیر ملکیوں کو بغیر تحقیق کے ملک سے نکال سکتی ہے۔

اس دھماکہ سے خود امریکی حکومت کو حیرت ہوگئی کہ عام طور پر امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے خلاف کوئی رپورٹ نہیں تھی۔ اس دھماکہ کو یہودی میڈیا نے کس طرح عربوں کے خلاف موڑا اس کا اندازہ اس کی سرخیوں اور تجزیوں سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً: نیو یارک ٹائمس نے اس دھماکہ کے بعد پہلی سرخی یہ لگائی ''ایک تشدد پسند مسلمان کی گرفتاری'' یہودی سرمایہ داروں کے ترجمان وال اسٹریٹ جرنل کی سرخی اس طرح تھی ''ہمارے باغیچہ میں تشدد کا اژدہا موجود ہے'' ایک تیسرے ترجمان جیوش پریس نے اپنے اداریہ کا عنوان یہ رکھا، ''اسلامی فنڈامنٹلسٹ پوری دنیا کے لئے خطرہ''

یہودی بلیٹن (ADL) نے اپنے افتتاحیہ کی یہ سرخی جمائی ''حماس'' اسلامی جہاد، اور اخوان امریکہ کیلئے تشدد کا خطرہ'' ٹائم نے اپنے پہلے صفحہ پر مسجد کے منارہ کو بندوق کی نال کی شکل میں پیش کیا، اور اس پر یہ عنوان لگایا ''مساجد کے مینارے بھی بندوق کی نال کی طرح تشدد اور درندگی کا رمز ہیں'' نیوز ویک اس سے کیوں پیچھے رہتا، اس کی سرخی اس طرح وارننگ کے انداز میں تھی ''ہوشیار! خبردار! مسلمان مجاہدین آرہے ہیں، ''فرانسیسی رسالہ لی پوائنٹ نے صفحہ اول پر ایک نقاب پوش خاتون کو اپنے ہاتھوں میں رائفل اٹھاتے ہوئے بتایا، اور عنوان یہ لگایا'' حتی کہ صنف نازک بھی تشدد کی علمبردار ہے''۔

کم وبیش اس طرح کے عنوانات، خبریں، تجزیے اور تصویریں، انٹرویوز کے ساتھ شائع کی گئیں، اس مہم کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل تھے:

- امریکی معاشرہ میں، سیاسی، سماجی، ثقافتی، اور دینی سطح پر مسلمانوں کی سرگرمیوں کو کمزور کرنا۔

- چونکہ اس صدی کے اختتام تک امریکہ میں مسلمانوں کی عیسائیوں کے بعد دوسری پوزیشن ہو جائیگی اور وہ گہرے اثرات سیاست واقتصادیات پر ڈال سکتے ہیں، اس لئے مزید مسلمانوں کی آمد پر پابندی عائد کرنا، ان کو حقوق شہریت دینے میں دشواریاں پیدا کرنا، کیونکہ مسلمانوں کی بکثرت آمد اوران کی سرمایہ کاری سے یہودی مفادات پر ضرب کاری لگ رہی ہے۔
- امریکی حکومت پر دباؤ ڈالنا تا کہ عرب دنیا اور عالم اسلام کی سرگرم دینی جدو جہد کو ختم کرنے کے لئے وہ حکومتوں کو مجبور کردے اور مالی وفوجی امداد کو اسلام پسندوں کے ختم کرنے کے ساتھ مشروط کردے۔ (۱)
- اسلامی ملکوں میں خصوصاً اور یورپ وامریکہ میں عموماً اسلامی بیداری کی لہر کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کرنا، اس مقصد کے لئے اسرائیل کی زیادہ سے زیادہ تائید وحمایت اور فوجی واقتصادی امداد پر امریکی حکومت کو آمادہ کیا جائے۔ (۲)
- ۲۹ رجنوری ۱۹۸۷ء کو مغربی نیوز ایجنسیوں نے یہ خبر پوری دنیا میں دی کہ جنوبی کوریا کے بوئنگ طیارہ L.L کو دھماکہ سے اڑا دیا گیا ہے، دھماکہ سے پہلے یہ جہاز بغداد اور بحرین کے ایرپورٹ پر اترا تھا، خیال ہے کہ اس دھماکہ میں کسی عرب کا ہاتھ ہوسکتا ہے۔

اس خبر کے ساتھ ہی عربوں اوران کے مذہب وتہذیب کے خلاف ذرائع ابلاغ میں سیلاب سا آگیا، لیکن جب ۲۵ / اپریل ۱۹۸۸ء کو ٹھیک ایک سال کے بعد تحقیقات کے بعد جنوبی کوریا کی ایک خاتون کو مجرم پایا گیا اور اسے پھانسی دیئے جانے کا حکم ہوا اور یہ کہ اس نے یہ جرم شمالی کوریا کے اشارے اور مدد سے کیا تھا، تو اس خبر کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی، عربوں کے خلاف جو مہم چلائی گئی تھی اس کے بارےمیں کسی معذرت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

- ابو جہاد (خالدالحسن) کو موساد کے قاتل دستوں نے گھات لگا کر جب قتل کردیا تو

---

(۱) اس مہم کے نتیجہ میں امریکی حکومت کے دباؤ کی بنا پر متعدد عرب ممالک میں صدقات وزکوۃ جمع وتقسیم کرنے والے خیراتی اداروں اور انجمنوں پر پابندی لگادی گئی، بعض مسلم سربراہان مملکت (باقی اگلے صفحہ پر)

مغربی میدیا نے اسرائیل کی ذہانت، موساد کے قاتل دستوں کی مہارت، پیشہ ورانہ تربیت کی خوب تشہیر کی۔ اسی طرح جب اسرائیل نے عراق کے ایٹمی پلانٹ پر بمباری کر کے اس کو تباہ و برباد کر دیا تو اس کے ہوابازوں کی جرأت، ماہرین کی

= نے اپنے ہی ہم مذہب انسانوں کو تشدد پسند اور فنڈامنٹلسٹ کہا، اور جو خیراتی ادارے یتیموں اور بیواؤں کی مدد کر رہے تھے یا طلبہ کی تعلیمی کفالت کر رہے تھے، اور دینی کتابوں کی اشاعت پر پیسے خرچ کر کے انھیں مفت تقسیم کر رہے تھے، ان سب پر پابندی عائد کر دی گئی، چوٹی کے داعیان اسلام پر میڈیا کے ذریعہ اپنی بات پہونچانے پر پابندی عائد کر دی گئی، مفید و موثر اور طاقتور اور فعال شخصیتوں کو ان کے کلیدی عہدوں سے برطرف کر کے ان کی جگہ غیر متعلق اشخاص کو رکھا گیا تا کہ وہ عالمی ادارے جو تمام دنیا کے مسلمانوں کو باہم مربوط رکھتے تھے، اور دینی جدوجہد میں ان کی مدد اور رہنمائی کرتے تھے، ان کے دور کو ختم کر دیا جائے۔

(۲) یہ مقصد بھی امریکی یہودیوں نے اس طرح حاصل کر لیا کہ امریکی دباؤ سے اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان ایسی صلح کرائی گئی جس میں یہودیوں کا سو فیصدی فائدہ ہوا، اس حد تک کہ ان کے تصور سے بھی بالاتر اور اس واقعہ سے یہودی اتنے مسرور ہوئے کہ ایزاک رابین جیسے کٹر اور متعصب یہودی نے یاسر عرفات کی یہودیت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے یہ تاریخی شہادت دی کہ مجھے ابتدا میں شک تھا کہ آپ یہودی ہیں، لیکن اس صلح کے بعد ہمیں یقین ہو گیا کہ واقعی آپ بڑے مخلص اور پکے یہودی ہیں۔ اس صلح کے بعد امریکی حکومت نے قدس میں اپنے سفارت خانہ کو منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور عیسائیوں کے نزدیک مقدس شہر بیت اللحم کو فلسطینیوں کو دے دیا، جن کے سربراہ کی بیوی "سہی الطویل" ایک عیسائی مبلغ کی بیٹی ہے، اور ان کا پورا اسکریٹریٹ ایسے ہی عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا مقصد یہودیوں نے امریکی سرزمین پر حاصل اس طرح کیا کہ صدر کلنٹن نے یہ حکم جاری کر دیا کہ فلسطین کے نام سے جتنی تنظیمیں امریکہ کی سرزمین پر سرگرم عمل ہیں ان پر پابندی عائد کر دی جائے، اور مسلمانوں کی دینی و دعوتی سرگرمیوں کو محدود کر دیا جائے، چنانچہ پہلے مرحلہ میں فلوریڈا کے ورلڈ اسلامک اسٹڈیز سنٹر کے دفاتر پر ایف، بی، آئی نے آخری ہفتہ میں چھاپہ مار کر تمام رکارڈ کو اپنے قبضہ میں کر لیا، مرکز کے صدر ڈاکٹر سامی العریان کے گھر اور جنوبی فلوریڈا یونیورسٹی میں ان کے دفتر پر بھی چھاپہ مار کر تمام رکارڈ پر قبضہ کر لیا گیا، ڈاکٹر سامی العریان فلسطینی ہیں، یونیورسٹی کے شعبہ انجینیرنگ سے وابستہ ہیں چند سال ہوئے امریکی شہریت کا مرحلہ بھی انھوں نے طے کر لیا تھا، لیکن قانونی طور پر انھیں شہریت ابھی تک نہیں دی گئی ہے، خیال ہے کہ اس کاروائی کا مقصد امریکی شہریت دینے کے فیصلہ میں رکاوٹ ڈالنا ہے، اس لئے کہ ایف، بی، آئی، کے ذرائع کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر کے خلاف دلیل تلاش کی جارہی ہے۔ یہودی میڈیا نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر کے خلاف مالی خرد برد کے الزامات ہو سکتے ہیں، فلوریڈا کا یہ سنٹر کئی سال سے کام کر رہا ہے، متعدد سیمینار بھی کر چکا ہے، علمی اور سیاسی موضوعات پر تحقیقات بھی شائع کرتا ہے، اگرچہ ڈاکٹر عریان کو گرفتار نہیں کیا گیا ہے، لیکن اس سے پہلے......(باقی اگلے صفحہ پر)

منصوبہ بندی، اور اسرائیلی جہازوں کی پرواز کی خوب خوب تفصیلات شائع کی گئیں اور اس ڈکیتی کو شجاعت و جرأت سے تعبیر کیا گیا۔

- خلیجی جنگ اسلحہ کی جنگ نہیں تھی، بلکہ خود میڈیا کے ماہرین نے اسے ذرائع ابلاغ کی جنگ کا نام دیا ہے، ایسی جنگ جو صرف میڈیا نے لڑی ہے یا اس کو آلۂ کار بنا کر کھربوں ڈالر عربوں سے وصول کئے گئے اور ان کے سر پر تسلط بھی حاصل کرلیا۔

اس جنگ میں صدام حسین کو امریکہ اور مغربی دنیا کا سب سے بڑا مخالف مشہور کیا گیا، اور اس کی نیشنل گارڈ کو دنیا کی طاقتور ترین اور اعلی درجہ کی ایسی ماہر فوج قرار دیا گیا جو غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال ہے، اور بہترین اسلحہ سے لیس ہے، اس کے مقابلے کیلئے اتنی فوج، اتنے اسلحے (زمینی، فضائی، اور بحری) مطلوب ہیں اور یہ کام صرف امریکہ نہیں بلکہ اکیس ملکوں کی مسلح فوج انجام دے سکتی ہے، عراق کے صدر صدام حسین اور اس کی فوج کی اتنی بھیانک تصویر کھینچنے کے بعد مغربی میڈیا برابر یہی خبر ساری دنیا کو دیتی رہی کہ امریکہ کا سب سے بڑا دشمن عراق ہے، جب کہ بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ امریکہ کے منصوبوں کی تنفیذ صدام نے کی تھی اور انھیں مغربی دنیا کی مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ "اب بھی صدام حسین امریکہ کی ضرورت ہیں ایسے صدام امریکہ ایجاد کرتا رہتا ہے"۔ (نیوز ویک)

= ڈاکٹر موسیٰ ابومرزوق کو موساد کی رپورٹ پر امریکی ایف، بی، آئی، نے نیویارک ایر پورٹ پر اس وقت گرفتار کرلیا جب وہ فلسطین سے واپس آرہے تھے، ڈاکٹر موسیٰ مرزوق امریکی شہریت رکھتے ہیں بعد میں ان کو رہا کردیا گیا۔

دُنیا کے پردۂ سیمیں پر مسلمانوں کی تصویر

- .... مغربی فلموں پر ایک نظر
- .... پردار تلی
- .... دولت کی فراوانی
- .... فتنہ پرور انسان
- .... شہوت پرست انسان
- .... سطحی انسان
- .... شیطان آدمی
- .... آئندہ کے لئے خطرہ
- .... مغربی ٹی وی کمپنیوں کے ذریعہ مسلمانوں کی کردار کشی

عالمی خبر رساں نیوز ایجنسیوں کے ذریعہ یہودی تمہارے دل ودماغ کو دھو رہے ہیں، وہ اپنی مرضی کے مطابق دُنیا کے حالات وحوادث دیکھنے پر مجبور کردیتے ہیں، یہ نہیں کہ واقعی حقائق اور حوادث کیا ہیں۔

اور دوسری طرف فلموں کے ذریعہ ہمارے نوجوانوں اور فرزندانِ قوم کے دل دماغ کو اپنے افکار وخیالات کی مسلسل غذا پہنچا رہے ہیں، تاکہ ہمارے بچے جوان ہو کر ان یہودیوں کے دم چھلے اور غلام بن جائیں، اور یہ صرف دو گھنٹہ کے قلیل وقفہ میں، اس وقفہ میں یہودی شاطر فلموں کے ذریعہ ہمارے نوجوان اور ابھرتی ہوئی نسل کی عقل وکردار کو مٹا کر رکھ دیتے ہیں، وہی عقل اور کردار جس کی تیاری میں مہینوں اور سالوں اساتذہ اور مربیوں نے صرف کئے تھے۔

امریکی دانشور اڈریان آرکنڈر کی نیویارک میں تقریر۔
۱۹۳۷/۱۱/۳۱ء

دُنیا کے پردۂ سیمیں پر مسلمانوں کی تصویر

مغربی فلموں پر ایک نظر

مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو جنگ چھیڑ رکھی ہے، وہ توپوں اور بندوقوں کی جنگ نہیں ہے، بلکہ اصل جنگ میڈیا کے ذریعہ لڑی جانے والی جنگ ہے، جو اتنے بڑے پیانے پر لڑی جارہی ہے جس کی نظیر وسعت وعمومیت اور دوررس اور گہرے اثرات کے اعتبار سے نہیں ملتی، یہ جنگ بندوق اور ایٹم بم سے کہیں زیادہ خطرناک اور مہلک ہے، میدان جنگ میں ہلاکت خیزی وسیع کرنے اور کاری زخم لگانے کیلئے مغرب نے ایک طرف تو تعلیم کے تیزاب میں مسلمانوں کی خودی کو ڈال کر پگھلا دیا ہے تو دوسری طرف رہی سہی کسر اس نے میڈیا کے ذریعہ پوری کردی، ہماری مراد فلمی صنعت سے ہے جو مکمل طور پر یہودیوں کے قبضے وتصرف میں ہے، اور دن ورات بغیر کسی توقف کے کروروں ڈالر کے صرفے سے مختلف طریقوں سے ایسی فلمیں بنائی جارہی ہیں جن میں دین اسلام اور مسلمانوں کو اصل نشانہ بنایا جارہا ہے، وہ یہ کارنامے انجام دے رہے ہیں اور ہم ثقافت کے نام پر سرکاری پیسوں سے ان فلموں کو زبردستی اپنے مسلمان عوام پر مسلط کررہے ہیں، سینما کی اس جنگ کے شعلوں نے ٹیلیویژن کو بھی اپنے زد میں لے لیا ہے، اب براہ راست ڈش انٹینا کے ذریعہ ہمارے گھروں پر دن دھاڑے حملے کئے جارہے ہیں۔

صلیبی جنگ میں شکست کے بعد مغرب نے اسلامی دنیا کے خلاف جنگ کی جو منصوبہ بندی کی تھی اور جو مقاصد پیش نظر رکھے گئے تھے اس کی طرف صراحت کی ساتھ

اشارہ کرتے ہوئے امریکن کیتھولک چرچ کی ایک انجمن کے صدر مارشل بولڈاون نے اپنی ایک تقریر میں انجمن کے دوسرے سالانہ اجلاس ۱۹۴۱ء میں کی تھی جس میں کہا تھا کہ:

''مغرب اسلام کو صرف موجودہ تمدن کے لئے ہی خطرناک نہیں تصور کرتا بلکہ عالم مسیحیت اور مختلف عیسائی فرقوں کی کم از کم ہزار سال سے اس کے ساتھ نبرد آزمائی چلی آرہی ہے، اور یہ جنگ برابر جاری رہے گی''۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی یہ جنگ پہلے علم وادب کے راستے سے لڑی جارہی تھی، ایک صدی سے اس جنگ کو فلموں کے ذریعہ گھر گھر پہونچا دیا گیا ہے، فلم وسیع پردہ سیمیں اور ٹیلیویژن کا اثر وماحول اس بات کی ضامن ہیں کہ مغربی افکار ومقاصد کو زیادہ وسیع پیمانے پر لوگوں کے دل ودماغ میں راسخ کردیا جائے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی ایک واقعہ سے جو مسلمانوں سے متعلق ہو یا اسلام سے اس کی نسبت ہو، مغربی میڈیا نے اس کو پیش کرنے میں چشم پوشی تو دور کی بات ہے، کبھی سہل پسندی سے کام نہیں لیا، اور اسلوب بدل کر تسلسل کے ساتھ اس کو نئے قالب میں پیش کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر مہدی سوڈانی کی شخصیت کو دنیا کے پردہ سیمیں پر ۱۸۸۵ء میں خرطوم نامی ڈرامہ کے ذریعہ لندن میں پیش کیا گیا، اس میں مہدی کو اسلام کا غلط اور مکروہ کردار بنا کر پیش کیا گیا تھا، اس ڈرامہ کو فلم اور ناولوں اور افسانوں کی شکل میں مہدی کو پیش کیا جاتا رہا، مثال کے طور پر ''چار پر'' نامی ناول ہے، جس کو اے۔ آئی۔ ڈبلیو۔ سونی نامی انگریز نے اس صدی کے آغاز میں تحریر کیا تھا، یہ ایسی کہانی تھی جس کو یہودی فلمسازوں نے نظر انداز نہیں کیا، اگرچہ انگریزی ناولوں میں ناقدوں نے اس ناول کو بہت گھٹیا اور پست قرار دیا تھا، لیکن ۱۹۲۹ء میں اس ناول کو یہودی فلمساز الیگزینڈر نے کورڈا کیرزولٹن کی ہدایت کاری میں خاموش فلم کی صورت دیدی، دوسری فلم ''دریائے نیل کی طغیانی'' ۱۹۵۵ء میں، تیسری فلم مشرقی سوڈان کے نام سے ۱۹۶۴ء میں بالترتیب زولتا کورڈا اور چارلس شنڈ یٹ (دونوں یہودی) نے بنائی، چوتھی فلم ''چار پر'' ۱۹۷۹ء میں فارمن راشوٹ نے ڈان شارپ کی ہدایت کاری میں تیاری کی۔

ان چاروں فلموں کا موضوع مہدی سوڈانی کی شخصیت کے پردہ میں اسلام اور

مسلمانوں کونشانہ بنانا تھا، سینما سازی کی تاریخ کے مرتب جیفرے اب کرڈ اس فلم کے پس منظر کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''چار پر'' کی بنیاد پر جو فلمیں تیار کی گئیں ان میں فلم کے اصل کردار ہیرو کو ایک ایثار پیشہ شخص کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، وہ سرتاپا ایثار و قربانی کا مجسم ہے، اور قوانین وضوابط کا پابند، جس ملک کے لئے وہ خدمات انجام دیتا ہے وہ اسے بہت عزیز ہے، اس کے علاوہ اسے ان لوگوں سے بھی دلی محبت وانسیت ہے جو اس کے ماتحت کام کرتے ہیں، جس ملک میں وہ مقیم ہے اس کے آداب ورسوم اور اعتقادات سے اسے کوئی سروکار نہیں، البتہ وہ مقامی باشندوں کو شورش پر آمادہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے، انقلاب پسندوں اور راہنماؤں کو مادر وطن کے فرزندوں کے دشمنوں کی صورت میں پیش کرتا ہے، چار پر کے عنوان سے جتنی بھی فلمیں بنی ہیں ان سب کا مسلسل پیغام یہی ہے کہ عوام اسی وقت خوش حالی اور فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں جب کہ ان پر اغیار کا سایہ رہے، دوسرا بنیادی مقصد یہ دکھانا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے قول وفعل کا ذرا بھی پاس نہیں، وہ اخلاقی اصولوں سے قطعی بے بہرہ اور تہذیب وتمدن سے عاری بلکہ اس سے متنفر ہیں۔

جو ڈرامہ ۱۸۸۵ء میں خرطوم کے نام سے لندن کے اسٹیج پر پیش کیا گیا تھا اس کو فلمی صورت میں ۱۹۶۲ء میں تبدیل کر دیا گیا، اس فلم میں ایک ایسے قتل گاہ کا منظر پیش کیا گیا ہے جسے مہدی سوڈانی کے پیروکاروں نے برطانوی فوجیوں کے لئے تیار کیا تھا، خوں ریزی، دشمنوں کے ناک کان کاٹنے کے منظر کو اس طرح دکھایا گیا ہے کہ یہ کام مہدی سوڈانی کے سپاہی تکبیر کے فلک شگاف نعروں کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، اور کہتا ہے کہ اے میرے آقا! اے مہدی مقدس! ہم نے ہزاروں سپاہیوں کے جسم وجان اور ان کے اسلحہ کو آپ پر قربان کر دیا۔ یہ سن کر اسی وقت مہدی سوڈانی آسمان کی جانب نظر اٹھاتا اور کہتا ہے اے میرے حبیب! اے رسول خدا!...... اتنا کہنے کے بعد وہ اپنے چیلوں کی طرف دیکھتا ہے اور کہتا ہے کیا میں نے تمہیں اس معجزے کی خوش خبری نہیں دی تھی کہ غیب سے مدد نازل ہوگی، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ دشمن پر حملہ کرو اور اس کی گولیوں کا خوف دل میں نہ لاؤ، کیونکہ اس سے پہلے کہ وہ تمہارے سینوں میں پیوست ہوں پگھل کر پانی ہو جائیں گی۔

اسلام کی تاریخ کے ساتھ قتل وخوں ریزی کو جس طرح لازم وملزوم کر دیا گیا ہے اس

کی یہ ایک مثال ہے، اس کے کینوس پر آپ اسلامی غزوات کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس طرز پر جو فلمیں تیار کی جاتی ہیں ان میں اداکاروں کو گراں قدر معاوضے دیئے جاتے ہیں۔

اس بنا پر امریکہ و برطانیہ کے مشہور و معروف سر لارنس اور لاپور یا چارلٹن ہسٹن اور انتھونی کوئن جیسے فنکاروں نے اس فلم میں اداکاری کی ہے۔

مہدی سوڈانی تو دراصل بہانہ ہے اسلام اور اس کی پوری تاریخ کو مسخ کرنے کا جو نئی فلموں کی صورت میں مسلسل جاری ہے۔

اسلام پر حملہ کرنے کے لئے فلم سازوں اور ہدایت کاروں نے جس وقت مہدی سوڈانی کی شخصیت کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا اس وقت لارنس کی شخصیت کو بھی اس کی سازشی ذہنیت اور کارنامے کے باعث استعمال کیا گیا، اور اسلامی تاریخ میں اس طرح تحریف کی گئی کہ جو چیزیں اسلامی تاریخ کا کارنامہ تھیں انھیں مغرب سے منسوب کر دیا گیا۔(۱)

اس ضمن میں یہاں لارنس آف عربیہ کا ذکر کر دینا ضروری ہے، یہ فلم ۱۹۶۲ء میں تیار کی گئی تھی، جس کے بنانے والے شام اشپیگل اور ہدایت کار ڈیویڈلین تھے، اس فلم میں عربوں کی بعض حقیقی شخصیتوں کو (جیسے شاہ فیصل) کو بھی دکھایا گیا تھا، فلم میں لارنس کے کردار کو شاندار بنا کر پیش کیا گیا ہے، جب کہ عربوں کو احمق، نادان، غلام، اور فقیر و بے نوا کی حیثیت سے دکھایا گیا ہے، ان میں سے بعض لوگوں کے لئے ایک دوسرے کو قتل کرنا معمولی بات ہے، مہمان سے جب تک رقم نہیں وصول کر لی جاتی اسے کھانا نہیں دیا جاتا، آزادی و استقلال اور عزت نفس سے عربوں کو قطعی بے بہرہ دکھایا گیا ہے، فلم میں ہر جگہ اس طرح منظر کشی کی گئی ہے کہ قتل و خوں ریزی کے وقت مسلسل تکبیر کے نعرے بلند کرتے رہتے ہیں۔

یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شام اشپیگل اور ڈیوڈلین یہودیوں کی اس فلم میں پوری کوشش اس پر مرکوز رہی کہ لارنس کو عربوں کی سرزمین پر پوری آب و تاب کے ساتھ، پیش کریں تا کہ ان افراد کی ستائش کی جاسکے جو مشرق وسطی میں استعماری نظام کو قائم اور یہودیوں کے لئے تمام عرب ممالک میں سرزمین فراہم کرنے کے

(۱) جرجی زیدان کے ناولوں میں یہی کیا گیا ہے۔

لئے میدان ہموار کرر ہے ہیں (۱)۔ اسرائیلی صدر وائزمین نے اپنی کتاب ''تجربہ ولغزش'' میں لکھا ہے کہ ''میں یہاں اعلان کرتا ہوں کہ جنرل لارنس نے جو گرانقدر خدمات ہمارے لئے انجام دی ہیں، ان کے لئے میں موصوف کا شکر گذار ہوں اور ان کی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ سرزمین فلسطین پر یہودیوں کی مملکت قائم ہوجائے کہ بعد میں عربوں کا فائدہ ہو''۔

یہ حقیقت ہے کہ پوری فلم وائزمین کے ان ہی الفاظ کے اردگرد گھومتی ہے، فلم میں سرسری طور پر اخوان المسلمین کی سرگرمیوں کو باغیانہ انداز میں دکھایا گیا ہے، ترکوں کے خلاف عربوں کی قوم پرستانہ تحریک کو نمایاں طور پر پیش کیا گیا ہے، تاکہ لارنس کے اس فعل کو ایک انقلابی اقدام کہا جاسکے، اس فلم میں شریف علی کو جس کا کردار ایک یہودی اداکار عمر شریف نے ادا کیا ہے، اس فلم میں شکل وصورت کے اعتبار سے دوسری عرب شخصیتوں کی مانند پیش کیا گیا ہے، اور تمام عربوں کی شکل وصورت کو مکمل طور پر مسخ کر کے رکھ دیا گیا ہے، اس کے ساتھ صہیونیت ومغرب کی ستائش کو مدنظر رکھا گیا ہے۔

فلموں کی دنیا کو عالم اسلام سے جو عدوات ودشمنی ہے وہ قطعی واضح ہے، اور اس میں کوئی استثنا نہیں ہے، بعض عرب حکومتوں نے شمالی افریقہ کی طاقت ور شخصیتوں پر بنائی جانے والی فلموں کو مالی مدد بھی فراہم کی تھی، لیکن بعد میں انھیں افسوس ہوا کہ یہودی فلم سازوں نے انھیں دھوکہ دیا، مثال کے طور پر شمالی افریقہ سے متعلق بہت سی فلمیں تیار کی گئیں، قلعہ ساگان ۱۹۸۳ء، مروان جدید ۱۹۳۶ء اور جنرل ڈکورنا ۱۹۳۷ء، ان فلموں پر کروڑوں ڈالر صرف کئے گئے، لیکن ان میں کہیں بھی امیر عبدالقادر الجزائری اور عبدالکریم خطابی، عبدالحمید بادیس اور عمر مختار وغیرہ کا ذکر نہیں۔ جو فلمیں دوسری جنگ عظیم کی بنیاد پر تیار کی گئیں ان میں یہ دکھایا گیا کہ عربوں نے اس جنگ میں خیانت وغداری کا ثبوت دیا،

---

(۱) مغربی میڈیا مشرق وسطی کے ان حکمرانوں کی واقعی ستائش کررہا ہے جو اپنے ملک کے جیل خانوں کو ساٹھ اور ستر ہزار انسانوں سے صرف اس لئے بھرتے ہیں کہ وہ اسرائیل کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کے مخالف ہیں، اور نماز روزہ کرتے ہیں اور داڑھی رکھنے کے باغیانہ عمل کے مرتکب ہوتے ہیں، دوسری طرف یہ مسلم حکام اسلامی بنیادوں پر قائم بنکوں اور کمپنیوں کو یہودیوں کے ہاتھ فروخت کررہے ہیں۔

انھوں نے معمولی پیسوں کی خاطر ہزاروں جرمن فوجوں کے ساتھ انگریزی فوج کو بھی کٹوا دیا، جوان عربوں کو معمولی رقم یا لڑکی دیتا تھا وہ اس کے لئے کام کرتے تھے۔

جنرل یائن نامی فلم کو مثالی قرار دیکر اوسکار انعام کے ساتھ مزید چھ انعامات دے گئے، اس فلم کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ حقیقی واقعات پر مبنی ہے، لیکن اس میں دروغ گوئی اور بہتان تراشی کی وہ آمیزش ہے جو ہالی وڈ کی فلموں کی خصوصیت ہے، فلم دیکھنے والا واقعی اس نتیجے پر پہونچتا ہے کہ حقائق کو ہر طرح مسخ کر دیا گیا ہے، نیز یہ کوشش بڑے بھونڈے طریقے سے کی گئی ہے کہ یہودی کے کردار کو نمایاں اور عربوں کی شخصیت کو ذلیل و پست بنا کر پیش کیا جائے، یہودیوں کو جانباز، بہادر، سخی، شریف، عفو و درگذر کا مجسم۔ اور عربوں کو بزدل، کاہل، ست، خائن و بدکردار، بخیل، قاتل و ظالم او رخونخوار بنا کر پیش کیا گیا ہے، ایسے بھی مناظر ہیں کہ امریکی سپاہی نشہ میں مست ہونے کے باوجود عزت و عصمت کے محافظ اور عرب اس کے برعکس عیاشی کے دلدادہ ہیں، یہودیوں کے دلیرانہ کارناموں کو نمایاں کرتے وقت ان کو شہید اور ان کے قبروں پر داؤدی ستارہ کو آب و تاب کے ساتھ چمکتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ اداکار نے ہر جگہ اس بات کو مدنظر رکھا ہے کہ ہر حادثہ اور واقعہ میں یہودی متین و باوقار اور متواضع و شریف دکھائی دیں۔

الجزائر سے متعلق دس فلمیں بنائی گئیں، ان سب میں الجزائری مجاہدوں کو راہزن اور ڈاکو و ظالم بنا کر پیش کیا گیا، اور اس بات کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ یہ دکھایا جائے کہ جو لوگ مسلح ہو کر فرانس کے ساتھ نبرد آزما ہونے کیلئے سامنے آئے، وہ راہزن، مجرم، قاتل، چور، ڈاکو، اور لفنگے انسان تھے، جن کیلئے معصوم بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا معمولی بات تھی، وہ لوگ اس قسم کے جرائم کرنے کے بعد مسجد میں نمازیں ادا کرنے لگتے۔

ہالی وڈ کے فلم سازوں کا ہمیشہ اس امر پر اصرار رہتا ہے کہ اہل مغرب اور امریکی باشندوں کے سامنے مسلمانوں کا چہرہ مسخ اور مکروہ بنا کر پیش کریں، اس کے بالمقابل صہیونیوں کو مطیع و فرماں بردار بنا کر نمایاں کریں، تاکہ تماشائیوں کے افکار میں ایسے ہیولے کی پرورش ہو سکے کہ جب کوئی امریکی لفظ "عرب" یا "مسلمان" سنے تو وہ یہ سوچنے لگے کہ یہ

وہ دغاباز اور فریب کار و قاتل و ظالم انسان ہے جو امریکہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جانی دشمن ہے(۱)۔ چنانچہ ان کے کردار سے ایسے مکروہ پہلو وابستہ کردیے جاتے ہیں جو انسانی صفات کا ہرگز خاصہ نہیں، اسی بنا پر تماشہ بین یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ایسے انسان دھرتی کے سینے کا بوجھ ہیں اور ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ایسے درندہ صفت انسانوں سے جلد از نجات حاصل کرلینا چاہئے۔

پروفیسر ڈگلس کیلو اور مائیکل رامان یان نے اپنی مشترکہ تصنیف میں لکھا ہے کہ نسل پرستی کی رو سے عربوں کو دولتمند اور لالچی جماعت کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، تاکہ تماشا بین کو یہ یقین ہوجائے کہ تمام اقتصادی بحرانوں کے ذمہ دار یہی متعصب اور دہشت گرد عرب ہیں جو بے گناہ انسانوں کو انتہائی سرد مہری سے قتل کردیتے ہیں، اور اپنے عیش وعشرت کی خاطر یورپ اور امریکہ کے لوگوں پر پٹرول بند کرکے انھیں معاشی طور پر بحران میں مبتلا کرتے ہیں۔

میچ گرین فیلڈ نے نیوز ویک میں لکھا ہے کہ ”آئندہ ہم جو کچھ دیکھیں گے اس میں یقیناً عہد ماضی کا اعادہ کیا جائے گا، جس میں واقعات کو کم کرنے کی نہیں بلکہ عمومیت ومقبولیت کی خاطر فروغ دینے کی کوشش کی جائے گی، اور اس بات کو دہرایا جائے گا کہ عرب دہشت گردی کے ذریعہ مغربی قوموں کو تباہ کرنے کے درپے ہیں“۔

اس طرح مغرب میں تیار ہونے والی ان فلموں میں عرب خواتین کو یا تو ایسی رقاصہ کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے جو اپنے شکم کی نمائش کرتی رہتی ہیں، یا انھیں سیاہ عریاں لباس میں نمایاں کیا جاتا ہے، مردوں کو بھی بظاہر زائرین کوفہ بنا کر عبا قبا میں ملبوس اور آنکھو پر سیاہ چشمہ لگائے اور اونٹوں پر سوار دکھایا جاتا ہے، جن کا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ یورپی عورتوں کا اغوا کرتے پھریں۔

پس منظر میں تیل کے کنویں ہوتے ہیں، اور دونوں ہاتھوں میں دولت کے انبار،

---

(۱) ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں ۱۹۹۳ء دھماکہ کی امریکی سازش، پھر اپریل ۱۹۹۵ء میں اوکلاہوما میں ہلاکت خیز دھماکوں کے فوراً بعد مغربی میڈیا نے امریکہ اور یورپ میں مقیم مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس طرح کے ڈرامے وقتاً فوقتاً اسٹیج کیے جاتے رہتے ہیں، تاکہ کردار کشی کا عمل تسلسل کے ساتھ جاری رہے، یہی ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد بھی کیا گیا۔

عرب خواتین پر یا تو ہمیشہ شہوت سوار رہتی ہے یا وہ ایسی رقاصہ ہوتی ہیں جنھیں رقص وسرود کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں، وہ یا تو فحش افعال کی مرتکب ہوتی ہیں، یا دوسروں کو اپنے پست کردار سے خوفزدہ کیئے رکھتی ہیں، یا انھیں سرتاپا پردہ نشیں و برقعہ پوش خواتین دکھایا جاتا ہے، جن میں ہر ایک اپنے شوہر کے پیچھے اس طرح چلتی ہے گویا اسے اپنے شوہر کی جدائی ذرا بھی گوارا نہیں (۱) ایک اور فلم ''تحفہ'' جو برطانیہ میں تیار کی گئی ہے اس میں ان عرب امراء شیوخ کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنے سفر پیرس میں اپنے ہمراہ درجنوں عورتوں کو لے جاتے ہیں۔ پھر ان کو بڑے ہوٹلوں میں بند کر دیتے ہیں، اور خود یہ عرب امراء پیرس کی فاحشاؤں کے ساتھ بدمستی کرتے ہیں، دوسری طرف ہوٹل میں مقیم عرب خواتین ہوٹل کے بوڑھے ملازمین کے ساتھ بدکاری میں ملوث ہوتی ہیں۔

ہم یہاں میٹرو گولڈن، فلم ساز کمپنی (یہودی ملکیت) کی تیار کی ہوئی دو فلموں کا تجزیہ پیش کرتے ہیں، جن میں سے ایک بظاہر بچوں اور نوجوانوں کے لئے اور دوسری سائنسی ترقی دکھانے کے مقصد سے تیار کی گئی ہے، لیکن دونوں فلموں کو کس طرح عربوں کے خلاف استعمال کیا گیا ہے وہ مکالمہ نویس اور منصوبہ بندی کرنے والے کی ذہانت ظاہر کرتی ہے، اور یہود کی سازشی ذہنوں کی بھی۔

پردار بلی

یہ فلم میٹرو گولڈن کمپنی نے بچوں اور نوجوانوں کے لئے تیار کی تھی، لیکن اس فلم میں جن اصول اور نظریات کو مدنظر رکھا گیا ہے ان کی رُو سے بچوں سے زیادہ بڑی عمر کے لوگ اسے دیکھنے کی متمنی اور مشتاق رہتے ہیں۔

یہ کہانی اس خوبصورت ننھی بلی کی ہے جو کسی دور دراز مقام پر واقع سیارہ سے آ گئی ہے، یہ ایسا سیارہ ہے جہاں صرف بلیاں ہی رہتی ہیں، اور سب کی سب ہوشیار و عقلمند، اس بلی کے گلے میں پٹہ بھی بندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے اس بلی میں ایسی غیر معمولی طاقت آ گئی

---

(۱) یہ تو مغربی فلموں نے پیش کیا ہے، احسان عبد القدوس، احمد بہاء الدین، اور محمد التابعی و نجیب نے جو تصویر عرب خواتین کی پیش کی ہے وہ مغرب کی ان تصویروں سے کسی طرح کم نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب ''اُدجوک خذنی من هذا البرمیل'' بطور نمونہ کے۔ من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من آنچہ کرد۔

تھی کہ وہ ہر چیز پر قابو پالیتی تھی۔(۱) بہت سے حادثات و واقعات گذر جانے کے بعد ایک امریکی دانشور یہ کوشش کرنے لگتا ہے کہ اس بلی کے پٹے کو کسی مفید کام کیلئے استعمال کرے اور اس کے ذریعہ تیسری دنیا کے لوگوں کی مشکلات حل کر دے، اس خیال کے پیش نظر وہ بلی سے پیار کرنے لگتا ہے، بلی بھی اس امریکی دانشور کی مدد کرنا چاہتی ہے، اور اس نظریے سے وہ اس دانشور کو جو مغربی انسانوں کی ایک نمایاں شخصیت ہے، بڑے سودمند مشورے دیتی ہے، اسی اثنا میں ایک ایسا خطرناک گروہ کہیں سے پیدا ہو جاتا ہے جو یہ کوشش کرنے لگتا ہے کہ اس بلی کا پٹہ حاصل کر کے ساری دنیا پر قبضہ کر لے، اس گروہ کے افراد اس لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں جس کا چلن عربوں میں عام ہے، وہ تلوار ہاتھوں میں لئے نمایاں ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کو احمد، محمد، اور جعفر اور علی و یوسف جیسے ناموں سے پکارتے ہیں۔

اس خیال کے پیش نظر کہ تمام فلم کے کردار کو مکمل طور پر مکروہ شکل میں پیش کیا جائے، اس گروہ کے سردار (جس کا نام عمر ہے) کی پناہ گاہ کو مسجد قرار دیا گیا ہے، فلم میں جگہ جگہ ایسے مناظر مہیا کئے گئے ہیں، جن میں دکھایا گیا ہے کہ مسجد کے حدود میں عیش وعشرت کی محفلیں گرم ہیں اور میخواری کا دور چل رہا ہے، یہ محفلیں اس وقت برخواست ہوتی ہیں جب اذان کی آواز آتی ہے، چنانچہ وہ سب نماز میں شریک ہو جاتے ہیں (۲) اس طریقہ سے یہ دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ چونکہ شرپسندی کے مراکز ہیں اس لئے انھیں نیست و نابود کر دینا چاہئے، چنانچہ فلم کے آخری منظر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس گروہ کی وجہ سے مسجد کو شہید کر دیا گیا۔

دوسری فلم "غبارہ جہاز" ہے، جسے اس فلمساز کمپنی نے ۱۹۸۱ء میں تیار کیا تھا۔ اس

---

(۱) بچوں کے سادہ اور معصوم ذہنوں اور دلوں پر مشرکانہ عقائد نقش کر دینے کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف نفرت و عداوت کی پرورش کی اس یہودی سازش اور منصوبہ بندی کے وسیع و عمیق غیر معمولی دور رس اثرات و نتائج کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مشرکانہ عقائد کو ویڈیو اور ٹی وی گیمز کے ذریعہ بھی بچوں کے دل و دماغ پر لکھا جا رہا ہے، اس طرح کے گیمز عرب ممالک میں عام ہیں اور گھر گھر دیکھے جاتے ہیں۔

(۲) امریکہ کے بعض شہروں سیاٹل وغیرہ میں شراب خانوں کی عمارت مسجد کی شکل میں بنائی گئی ہے، اور نام بھی عرب مسجد کا دیا گیا ہے، لندن، پیرس، اور تل ابیب میں شبینہ کلبوں اور شراب خانوں کی عمارت کو سبز گنبد اور مینار سے مزین کر کے ان کے نام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر رکھے گئے ہیں۔

فلم کی کہانی اس سائنسی سفر سے متعلق ہے جسے امریکی دانشوروں کی ایک جماعت نے غبارہ جہاز کے ذریعہ شروع کیا تھا۔ جس میں ایک سنہرے بالوں والی حسینہ دانشور بھی شامل تھی۔ سفر کے دوران جہاز خراب ہوجاتا ہے اور یہ گروہ افریقہ کے وحشی آدم خوروں کے ہاتھ گرفتار ہوجاتا ہے، کچھ وقت گذرنے کے بعد اس غبارہ جہاز کے ذریعہ عین اس وقت جب کہ افریقی باشندے انھیں قتل کرنے اور ان کے گوشت کو پکا کر کھانے کا بندوبست کررہے ہوتے ہیں یہ لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

کچھ دن بعد یہ غبارہ جہاز کسی دور افتادہ صحرا میں ایسی جگہ اترتا ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے، کیونکہ وہاں بکثرت مینارے موجود ہیں، یہاں کے بیشتر لوگ خیموں میں رہتے ہیں، اور اس کی کچی سڑکیں اونٹوں کی آمدورفت کی وجہ سے خراب ہوچکی ہیں، جس وقت اس شہر کے لوگ غبارہ جہاز کو دیکھتے ہیں، تو سوچنے لگتے ہیں کہ آسمان سے کوئی شیطان اتر کر نیچے آرہا ہے، چنانچہ خوف کے مارے اس کے آگے سجدہ میں گرجاتے ہیں، مؤذن اذان دینے کے لئے اونچی جگہ پر چڑھ جاتے ہیں، اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ انھیں اس شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔

جس وقت دانشوروں کی جماعت سامان خوردونوش خریدنے کے لئے ان مسلمان عربوں کے شہر میں آتی ہے تو یہاں کے لوگوں کو اطمینان ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو آسمان سے اتر کر زمین پر آئے ہیں وہ انہیں جیسے انسان ہیں، اس لئے وہ ان دانشوروں کو اپنے امیر کے پاس اس کے شاندار محل میں لے جاتے ہیں، جس وقت یہ لوگ وہاں پہنچتے ہیں تو امیر شہر اپنے حرم سرا کی عورتوں اور علمائے دین کے درمیان بیٹھا ہوا نظر آتا ہے، اور بیک وقت وہاں قرآن خوانی بھی ہوتی ہے، اور فحاشی کا عمل بھی جاری رہتا ہے، جس وقت امیر کی نگاہ اس سنہرے بالوں والی دانشمند حسینہ پر پڑتی ہے تو وہ یہ فیصلہ کرلیتا ہے کہ اس کو بھی اپنے حرم سرا میں داخل کرے گا، اس کے بعد ان دانشوروں اور اہل شہر کے درمیان سخت مقابلہ ہوتا ہے، بالآخر اسی سنہرے بالوں والی حسینہ کی مدد سے یہ لوگ نجات پالیتے ہیں اور غبارہ جہاز میں سوار ہوکر اپنی راہ لیتے ہیں۔

پوری فلم میں مسلمانوں کے خلاف ہر طرح سے دشمنی اور عداوت کا مظاہرہ کیا گیا

ہے، جہاں کہیں موقع ملا ہے اس میں اسلام اور مسلمانوں کی زبردست توہین کی گئی ہے، بلکہ انھیں ایسی شکل میں دکھایا گیا ہے گویا یہی لوگ آدم خور وحشی ہیں، بھرے پرے شہر کو خاک و خون میں ملا کر جب مال غنیمت لے کر واپس جانے لگتے ہیں تو اذانوں اور تکبیروں کے نعرے کے ساتھ واپس چلے جاتے ہیں۔

دنیا کے پردہ سیمیں پر عربوں اور مسلمانوں کو جن خصوصیات کے ساتھ دکھایا جاتا ہے انھیں ہم چھ عنوانات میں تقسیم کر سکتے ہیں:

۱- دولت کی فراوانی

بطور مثال ایسی چھ فلموں کے نام لئے جا سکتے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی ایسا دولتمند عرب موجود ہوتا ہے جو بیہودہ اور فضول باتوں میں ضرور دخل اندازی کرتا ہے، اوراس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنی بے پناہ دولت کے ذریعہ پوری دنیا پر قبضہ کر لے، جن فلموں میں یہ مناظر دکھائے گئے ہیں، ان کے نام یہ ہیں: دریائے نیل کے جواہر، عہدو پیان، بالاتر دفاع، لولیرو، صحرائے یوروگوائے، ان کے علاوہ دو ایسی فلموں میں بھی جو ٹیلیویژن کے لئے ''محاصرہ'' اور ''یرغمالیوں کی پرواز'' کے نام سے ۱۹۸۵ء میں تیار کی گئی تھیں، ان سب میں عربوں کو بیوقوف دولتمند اور عیاش دکھایا گیا ہے۔

۲- فتنہ پرور انسان

عہد و پیان نامی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ فلم کی ہیروئن (گولڈی ہاون) کس طرح اس دہشت پسندانہ سازش کو ناکام بنانے کی کوشش کرتی ہے، جو عرب حکام میں ایک نے تیار کی تھی، اپنے اس اقدام کی وجہ سے وہ گرفتار بھی کر لی جاتی ہے، اس جرم کی اسے یہ سزا دی جاتی ہے کہ اس عرب حاکم سے شادی کر لے ورنہ اس کو امریکہ جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، اس طریقہ سے عرب حاکم یہ چاہتا ہے کہ وہ اس عورت کے ساتھ داد عیش دے اور جس طرح جب بھی وہ چاہے امریکی سیاست میں دخل اندازی کرے، جیسا کہ ہر فلم میں ہوتا آیا ہے، وہ ہیروئن عرب حاکم کے چنگل سے نجات پانے میں کامیاب ہو جاتی ہے، اور جس وقت وہ امریکی ٹیلیویژن اسکرین پر آتی ہے تو سارا واقعہ سنانے کے بعد یہی کہتی ہے کہ ''مسلمانوں کا وجود ہمارے عیش و آرام کے لئے مسلسل خطرہ ہے''۔

۳-شہوت پرست انسان

مغرب کے پردۂ سیمیں پر یہ منظر نمایاں کرنے کیلئے ذرا بھی کوتاہی نہیں کی جاتی کہ عورتوں کے معاملے میں عرب اور مسلمان مرد یکساں طور پر شہوت پرست واقع ہوئے ہیں، چنانچہ ان میں سے ہر وہ شخص جو کسی عورت پر عاشق وفریفتہ ہوجاتا ہے وہ کسی طرح بھی اپنی شہوت رانی کے عمل میں سیر نہیں ہوتا، عورت اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے، بالخصوص یورپین عورت جس کے بال سنہرے ہوں، اس قسم کے مناظر ان فلموں میں بھی دکھائے جاتے ہیں جن کے متعلق یہ دعوی ہے کہ وہ ہر قسم کی جانبداری سے لاتعلق ہے، ''میونخ کی کارگزاریاں'' نامی فلم کو لیجئے جس کے نمایاں اداکار اسپنر اور ٹرانس بل ہیں، یہ فلم تمام عرب ممالک اور اسرائیل میں دکھائی گئی ہے، اگرچہ فلم سازوں کا دعویٰ ہے کہ اس فلم میں غیر جانبداری سے کام لیا گیا ہے، مگر اس کے باوجود عربوں کے خلاف جو نفرت کی جنگ چلی آرہی ہے اسے ایسی خوبی سے اس فلم میں پیش کیا گیا ہے کہ عرب تماشہ بین اسے محسوس نہیں کرتے ہیں، مگر یورپی اور امریکی تماشہ بینوں کی نظریں اس حقیقت تک پہونچ جاتی ہیں کہ جس چہرہ کو پردہ سیمیں پر نمایاں کیا گیا ہے وہ اس شخص کا چہرہ ہے جو سنہرے بالوں والی لڑکی کے حسن وجمال کی تاب نہیں لاسکتا ہے اور اس کے سامنے پانی پانی ہوجاتا ہے، جس وقت عرب ممالک میں تعمیراتی کام کے سلسلے میں گفتگو ناکام ہوجاتی ہے، اور امریکی وزارت دفاع کے ذمہ داروں سے امریکی ہوائی جہاز کی اربوں ڈالر کی قیمت کی خریداری کی گفتگو کامیابی سے دوچار نہیں ہوتی تو عرب وفود کی رہبری کیلئے سنہرے بالوں والی ایرہوسٹس کو بھیجا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ لڑکی انھیں جلد ہی رام کرلے گی، اس عورت کے ذریعہ جو مطالبات کئے گئے تھے اس کا نتیجہ بہت جلد حسب مرضی برآمد ہوتا ہے، اور جو سودا پہلے دس ارب ڈالر میں طے نہیں ہورہا تھا وہ بیس ارب ڈالر میں طے کرلیا جاتا ہے، اس بات کو بہت سادہ طریقے سے بغیر گفتگو کے ثابت کردیا جاتا ہے۔

''بولیرو'' نامی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ایک عرب شیخ جب ایک دولتمند جوان خاتون کو راضی کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے تو وہ اسے اغوا کرلیتا ہے۔

''دریائے نیل کے جواہر'' نامی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ فلم کی ہیروئن ایک عرب حکمراں کے محل میں داخل ہوتی ہے کہ اس کی سوانح عمری لکھ سکے، یہاں پہونچ کر اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جال میں پھنس گئی ہے اور وہ اس حکمراں کی قید میں ہے، اسے جلد ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ جنسی اعتبار سے وہ حکمراں کمزور ہے۔

۴- سطحی انسان

''صحرا نامی'' فلم (جون ۱۹۸۴ء میں بنائی گئی ہے) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ عرب جادو اور ٹونے پر یقین رکھتے ہیں، اور جو کام بھی کرتے ہیں ان پر ہنسی آتی ہے۔

''گولی'' نامی فلم کا پہلا حصہ ۱۹۸۱ء میں دوسرا حصہ ۱۹۸۴ء میں تیار کیا گیا تھا، اس فلم میں یہ دکھایا گیا ہے کہ امیر فلافل (عرب شیخ) اپنے لڑکے عبد ابن فلافل کو سرزنش کرتا ہے کہ وہ موٹروں کی دوڑ کیوں ہار گیا، بیٹے کے اوپر باپ جھلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ میری بدصورت ترین بیوی کی نالائق اولاد یہ دو ملین ڈالر کی رقم لے اور امریکہ چلا جا، شاید وہاں تو دوڑ کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائے۔ اس مکالمہ کے بعد بہت مضحکہ خیز اور خود غرضی پر مبنی مناظر سے گذرنے کے بعد ایک منظر سامنے آتا ہے جس میں فلافل کہتا ہے کہ رات خدا نے میرے پاس آ کر مجھے حکم دیا ہے کہ اپنی دولت کو لوگوں میں تقسیم کر دوں، اب یہ رقم لے اور کپڑوں سے بھری الماری خرید کر لے آ۔ لڑکے کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ وہ کوئی مغربی دھن گنگنا رہا ہے، وہ باپ سے یوں ہم کلام ہوتا ہے، ''چونکہ تجھے یہ دھن پسند ہے اس لئے میں نے اس کمپنی کو جس نے یہ دھن تیار کی تھی اڑتالیس ملین ڈالر کے عوض خرید لیا ہے''۔

۵- شیطان آدمی

عرب جب کسی کا قتل کرتے ہیں تو بڑی بے رحمی اور بیدردی سے یہ کام انجام دیتے ہیں۔ یہ وہ منظر ہے جسے بعض فلموں میں بڑی آب و تاب سے نمایاں کیا گیا ہے، جبکہ اس کا عربوں کی زندگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، مگر یہ کام اس غرض سے کیا جاتا ہے کہ عربوں کو پست و ذلیل اور قاتل و ظالم کی صورت میں دکھایا جائے۔ چنانچہ ''شیطان'' نامی فلم میں جو ۱۹۸۴ء میں تیار کی گئی تھی، جارج ہرنس کو شیطان کے روپ میں دکھایا گیا ہے، اسے اس

بات پر فخر ہے کہ ایک عرب سربراہ کا پیرو ہے۔

"آتشزنی" نامی فلم (۱۹۸۵ء) میں یہ دکھایا گیا ہے کہ دانشگاہ کی ایک ریسرچ اسکالر طالبہ کو ایک عرب اغوا کر کے ہوٹل لے جاتا ہے، اس کو نشہ آور اشیاء کھلا کر عصمت دری کرتا ہے، یہ عرب ایسے ہیں جن کو عزت و ناموس کی کوئی پرواہ نہیں، ان کی صورت پر مردنی چھائی رہتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنسی طور پر کمزور ہیں، اس لئے عربوں کے ذریعہ نشہ آور اشیاء کو فروغ دیا جارہا ہے۔

۶- آئندہ کے لئے خطرہ

اس فلم کا نام ہے جو ۱۹۸۵ء میں صرف اس مقصد سے تیار کی گئی کہ عربوں سے خصوصاً اور تمام مسلمانوں سے عموماً چوکنا اور بیدار رہنے کی ضرورت ہے، عربوں کو ایسے اسلامی بم کی تلاش ہے جس کے ذریعہ وہ ترقی یافتہ دنیا کو تباہ و برباد کرسکیں۔

مغربی ٹی وی کمپنیوں کے ذریعہ مسلمانوں کی کردار کشی

مغربی ٹیلیویژن کا دور کسی طرح مغربی فلموں سے کم نہیں، بلکہ ہر لحہ ٹی وی خبروں کی عالمی سطح پر نشر و اشاعت کی سہولت کی وجہ سے پوری دنیا میں کروڑوں انسانوں کے دل و دماغ کو ایک لحہ میں متاثر کرنے اور ان کے نقطہ نظر کو تبدیل کرنے کا موثر ترین اور طاقتور ہتھیار ہے، جو صرف اور صرف یہودی شاطروں کے قبضہ و تصرف میں ہے، ٹی وی کی خبروں اور تصویروں کے تسلسل سے مشاہدین کو ایک لحہ کے لئے یہ موقع نہیں ملتا کہ وہ خیر و شر کے درمیان تمیز کرسکیں اس لئے کہ واقعات کو دیکھتے اور سنتے ہیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ٹی وی کی ہر بات سو فیصدی درست ہے، خبروں کی رپورٹنگ کے علاوہ سیریز کے ذریعہ بھی مشاہدین کی ذہن سازی کی جاتی ہے، تیسری طرف تجارتی اشتہارات بھی اس طرح تیار کئے جاتے ہیں، جن سے ایک طرف مصنوعات کا تعارف کرایا جائے دوسری طرف اپنے دشمنوں کے خلاف مشاہدین کے ذہنوں کو مسموم کردیا جائے، اس کے ساتھ بداخلاقی اور فواحش کو فروغ دینے کا بھی کام ہوجائے، مندرجہ ذیل نمونوں سے آپ یہودیوں کی اسلام دشمنی، عربوں سے خصوصی بغض و کینہ اور مسلمانوں کو دھوکہ و فریب دینے

میں ان کی چالاکی وذہانت اور سازشی فطرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں:

امریکی ٹی وی کمپنی N.B.C. نیشنل براڈ کاسٹنگ کمپنی نے فروری ۱۹۶۴ء میں ''تحریف شدہ تورات'' نامی ایک فلم تیار کی، ایک مسیحی پادری اسٹاک نے ہیرو کا کردار ادا کیا ہے، اس فلم میں بڑی ذہانت اور مہارت سے عام امریکی مسیحیوں کو اس بات کا قائل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ یہودیوں اور مسیحیوں کے درمیان عقائد میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، اور یہ کہ یہودیوں پر حضرت مسیح کو قتل کرنے کا جو الزام لگایا جارہا ہے یہودی اس سے قطعی بری ہیں (۱)۔

دوسری امریکن ٹی وی کمپنی A.B.C. (امریکن براڈ کاسٹنگ کمپنی) نے مسلسل چار ہفتوں تک اسرائیلی خفیہ ایجنسی سے متعلق ایک سیریز دکھائی جس میں یہود کو مظلوم، شریف، اور متین و باوقار قوم کے طور پر دکھایا گیا تھا۔

۱۹۸۲ء میں اسرائیلی فوجوں نے لبنان پر زبردست بمباری کی تھی، پھر صبرا، شتیلا اور عین الحلوۃ میں مقیم فلسطینیوں کا قتل عام کیا تھا، اس واقعہ میں ساڑھے سترہ ہزار فلسطین مرد وعورت اور بچے قتل کیے گئے تھے۔ امریکی ٹی وی کمپنیوں نے اس قتل عام کی رپورٹنگ جب کی تو اسرائیلیوں کو صاف بری کرکے سارا الزام لبنان کے مارونیوں پر لگا دیا، اور بار بار مغربی میڈیا یہودیوں کی براءت کرتی رہی، اسی کے ساتھ اے، بی، سی نے عزرا وائز ملین (سابق اسرائیلی صدر) کی کتاب ''امن کے لئے جنگ'' کے تعارف میں مصنف کا انٹرویو لیا جس میں یہ دکھایا کہ اسرائیل کی ساری جدوجہد امن وخوشحالی کی خاطر ہے، خواہ اس کے لئے لاکھوں انسانوں کو قتل کرنا پڑے۔

امریکن کمپنی کینن کا شمار ٹی وی سیریز تیار کرنے والی مشہور کمپنیوں میں ہوتا ہے، اس کے یہودی مالک مناحم گولان ہیں جو ''کینن'' کے نام سے فلمساز کمپنی کے بھی مالک ہیں، عالم عربی کے ہر بڑے شہر میں اس کمپنی کی شاخیں ہیں جہاں سے ہر طرح کے ویڈیو کیسٹ فروخت کیے جاتے ہیں، اسی طرح برطانوی یہودی سرمایہ دار ''لارڈ گرڈ'' E.T.V کمپنی

---

(۱) یہودیوں کی منصوبہ بندی اور کوشش اس طرح کامیاب ہوگئی کہ ویٹکن سٹی کے پوپ پال نے مرکزی مجلس مشاورت کے جلسہ میں بحث ومباحثہ کے بعد یہ بیان جاری کیا کہ ''یہودی حضرت عیسیٰ کے قتل سے بری کیے جاتے ہیں''۔

کے مالک ہیں، یہ کمپنی ٹی وی سیریز تیار کر کے جنوب مشرقی ایشیا کو سپلائی کرتی ہے، ''ڈلاس'' نامی مشہور سیریز اسی فرم نے تیار کی تھی۔

فرانسیسی اور برطانوی ٹی وی کمپنیوں پر بھی یہودی سرمایہ داروں کا قبضہ ہے، اس لئے ان کے تیار کئے ہوئے سیریز ''عنٹیبی ایرپورٹ کی کاروائی'' گولڈامیر'' ''ایک فولادی عورت'' جیسی سیریز تیار کر کے یہودیوں کو پوری دنیا میں بہادر، مہم جو، ذہین، عمل پسند قوم ثابت کیا گیا ہے۔

بی، بی، سی کی زیرنگرانی ٹی وی سیریز تیار کرنے والی کمپنی نے ''انگلش سیکھئے'' نامی کیسٹ جب تیار کیا تو اس تعلیمی ذریعہ کو بھی اسلام دشمنی کے استعمال سے غفلت نہیں کی، مثال کے طور پر ایک کلاس میں جہاں مختلف ملکوں اور قوموں کے طلبہ ہیں، استاذ سوال کرتا ہے کہ غبی اور بیوقوف کے مترادف کوئی لفظ بتاؤ، ہندوستانی طالب علم کہتا ہے غبی و بے وقوف کا مطلب ہے ''مسلمان''۔(۱)

ایک ٹی وی ڈرامہ میں جو پہلے ۱۹۸۱ء میں اسٹیج پر پیش کیا گیا تھا، بعد کو اس کو ٹی وی کے لئے تیار کیا گیا ''کپکپی'' نامی اس ڈرامہ میں ''محمد عرب'' ہیرو کو ایسے دولت مند کی صورت میں دکھایا جاتا ہے جو قیمتی شراب خریدنے اور انگریز حسینہ کو قیمتی تحفے تحائف دینے کے لئے دس لاکھ ڈالر خرچ کر دیتا ہے، لیکن لاکھوں ڈالر خرچ کرنے کے بعد بھی انگریز حسینہ اس کے دام میں پھنستی ہے اور نہ ہی لندن اور پیرس کے حسن و جمال سے وہ لطف اندوز ہونے میں کامیاب ہوتا ہے، ہیرو کے نام کیلئے محمد کا انتخاب اور ''عربی'' کا اس کے ساتھ اضافہ یہ سب عربوں کو بدنام کرنے کی ٹکنک ہے، تاکہ ان دونوں الفاظ کے ساتھ جو اسلامی تصورات وابستہ ہیں ان کو دل و دماغ سے محو کر کے ان کی شبیہ مسخ کر دی جائے۔

ٹیلیویژن چونکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں انسان دیکھتے ہیں اس لئے سب سے زیادہ تجارتی اشتہارات گرانقدر قیمت کے ٹی وی کمپنیوں کو ملتے ہیں، تجارتی اشتہارات کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ مصنوعات کا موثر پروپیگنڈہ کیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ ان کی کھپت ہو، اس کے لئے دلچسپ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں، اور نئی پیکنگ کے ساتھ نئے نئے نام رکھے جاتے ہیں، لیکن یہودیوں کی مکاری اور شاطرانہ خباثت نے ان تجارتی

اشتہارات کو بھی اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور اس کے لئے وہ اسالیب اختیار کئے جن کی طرف شاید شیطان کا ذہن بھی نہیں جا سکتا تھا۔

.C.N.N جیسی مشہور عالمی ٹی وی کمپنی پر ایک صابن کے اشتہار کا اعلان اس طرح اناؤنسر کرتا ہے "یہ صابن ہر چیز صاف کر سکتا ہے حتی کہ گندے عربوں کو بھی" اس اعلان کے بعد ٹی وی اسکرین پر ایک شخص عربی لباس میں ظاہر ہوتا ہے، اس کے چہرے، ہاتھوں اور لباس پر گندگی ہی گندگی ہے، پھر ایک نیم برہنہ نوجوان لڑکی سامنے آتی ہے جو اس عرب کو پانی کے حوض میں دھکا دے کر گرا دیتی ہے، اور اس عرب کے جسم کو صابن سے رگڑ کر خوب صاف کرنے لگتی ہے، پھر کہتی ہے معاف کیجئے: ہم چیلنج کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس سے زیادہ اور کوئی صابن صاف نہیں کر سکتا، اتنے میں ایک نوجوان آتا ہے اس کے ہاتھ سے ایک کاغذ لے کر بڑے جوش وخروش سے وہ نیم برہنہ لڑکی پڑھتی ہے کہ ابھی ابھی لیبارٹری سے اس صابن کے متعلق یہ رپورٹ آئی ہے کہ صابن کے اندر صاف کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے، لیکن مصیبت یہ ہے کہ عرب اتنا گندا اور میلا کچیلا ہے کہ یہ صابن بھی کام نہیں کرتا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ عرب کیلئے کبھی صاف رہنا ممکن بھی نہیں"۔

.N.B.C پر ایک کمپنی نے یہ اشتہار دیا کہ حفاظت خود اختیاری اور عزت وعصمت کی حفاظت کی خاطر ایک خاص قسم کی سیال چیز کا استعمال کمزور لوگ کر کے اپنے کو محفوظ کر سکتے ہیں۔

ایک خوبصورت لڑکی نیم برہنہ اطمینان کے ساتھ ٹہل رہی تھی، کہ ایک عرب اچانک سامنے آتا ہے اور اس نوجوان لڑکی سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے، پھر خنجر لے کر اس کو خوف زدہ کر کے عصمت دری کی کوشش کرتا ہے، اپنی عصمت بچانے کی خاطر وہ لڑکی اس سیال شے کو اس عرب کے منہ پر مار دیتی ہے، پھر اچانک وہ عرب بیہوش ہو جاتا ہے، اور وہ لڑکی اس کے منہ پر تھوک کر اپنا راستہ لیتی ہے۔

اک اٹالین سینما کے اسکرین پر جنسی قوت بڑھانے کی ایک دوا کا اشتہار اس طرح

---

(۱) مصری ٹی وی پر جو سیریز یا جو ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں ان میں اور سینما میں بھی برے کردار ادا کرنے والے ہیرو کا نام احمد، محمد، عبدالجبار، عمر اور علی رکھے جاتے ہیں: من از بیگانگاں......

دیا جاتا ہے، اسکرین پر ایک بوڑھا کھوسٹ عرب اپنے عربی لباس میں ظاہر ہوتا ہے، سر کے سارے بال سفید ہو چکے ہیں، کمر جھکی ہوئی ہے، وہ ٹہلتا ہوا ایک ایک اسٹال پر پہونچتا ہے جہاں عریاں قسم کے جنسی رسالے فروخت ہو رہے ہیں، ان عریاں تصویروں کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے، ایسے میں جنسی قوت کی دوا کا ایک جرعہ اس عرب کو پیش کیا جاتا ہے، جس کو پیتے ہی بدمست سانڈ کی طرح اٹلی کی شاہراہوں پر لڑکیوں کے پیچھے بھاگنے لگتا ہے اور حیوانوں کی طرح شاہراہ عام پر ناشائستہ حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کو دیکھ کر تماشہ بیں قہقہہ لگاتے ہیں۔

ٹی وی اور سینما اشتہارات کے علاوہ یہودی کارخانوں کی مصنوعات پر بھی ایسی عبارتیں لکھی جاتی ہیں، جن سے مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوں اور ان کے مذہب کی تحقیر و تذلیل ہو۔

بلجیم کی راجدھانی برسلز میں یہودی دوکانوں پر سامان کی پیکنگ کے کاغذ پر سورہ مریم اور سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات طبع کرائی گئیں۔

لندن میں مشہور یہودی ڈپارٹمنٹل اسٹور مارک اسپنسر نے مردوں اور عورتوں کے اندرونی لباس (انڈر ویر) پر کلمہ لا إله إلا الله لکھایا، لفظ اللہ کو مخصوص جگہ پر رکھا گیا۔

امریکہ کے مشہور جنسی رسالہ پلے بوائے اور لندن کے جنسی رسالوں میں برہنہ لڑکیوں کی تصویر کو قرآنی آیات کے ہالے میں دکھایا گیا۔ امریکہ برطانیہ اور یورپ کے دوسرے شہروں میں برہنہ کلبوں کی عمارت مسجد کی طرح بنا کر اس کے اوپر برقی الفاظ سے مکہ لکھا گیا، عرصہ تک مکہ کی انگریزی اسپیلنگ اس طرح لکھی جاتی رہی، MECCA۔

قبرص کے ایک یہودی کارخانہ دار نے اپنے کارخانے کے بنائے ہوئے جوتوں کی ایڑی پر لفظ اللہ جڑ دیا۔

امریکی ہوٹلوں میں ٹوائلٹ پیپر پر عرصہ تک علماء دین کی تصویریں چھاپی جاتی رہیں۔

عالم عربی پر مغربی میڈیا کی یورش

- ..... تاریخی پس منظر
- ..... مصری میڈیا۔ جائزہ اور تجزیہ
- ..... دارالہلال
- ..... مصری میڈیا کے نمونے
- ..... مصری ٹیلیویژن
- ..... تجربہ کے نتائج
- ..... مصری معاشرہ پر میڈیا کے اثرات ونتائج
- ..... کویت پر ایک نظر
- ..... قاہرہ ٹیلیویژن کے پروگراموں کا ایک اجمالی جائزہ
- ..... قاہرہ ریڈیو کے پروگرام
- ..... سعودی میڈیا پر ایک نظر

عالم عربی پر مغربی میڈیا کی یورش

تاریخی پس منظر

یوں تو مغربی ممالک میں سنیما، ڈراموں اور صحافت کے دور کا آغاز انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہو گیا تھا، لیکن عالم عربی تک ڈراموں اور فلموں کو مسافت طے کرنے میں کوئی زیادہ مدت نہیں لگی، اس لئے کہ استعماری طاقتوں کے غلبہ اور میڈیا کی صنعت پر یہودی سرمایہ داروں کی اجارہ داری کی بنا پر ۱۸۷۶ء میں صحافت اور ۱۸۹۷ء میں فلمی صنعت نے پہلے مصر و لبنان اس کے بعد دوسرے عرب ممالک کو اپنی گرفت میں لے لیا، ۱۹۱۳ء سے خاموش فلمیں دکھائی جانے لگیں۔

جنوری ۱۸۹۷ء میں جب قاہرہ کے مشہور پارک حدیقۃ الازبکیہ میں سنیما کا پہلا شو ہوا تو پورے ملک میں اس کی بڑی شہرت ہوئی، اس سنیما کے مالکانہ حقوق ایک یہودی فلمساز ''موسیو ڈلسٹرولوگو'' کو حاصل تھے، مصری حکومت نے اس یہودی کو پورے ملک میں اس فلم کی نمائش کی اجازت دے دی۔

۱۹۰۰ء سے ۱۹۱۷ء تک ایک فرنچ یہودی فلمساز کمپنی، اس کے بعد اٹلی کی دوسری یہودی کمپنی نے ''بنک ڈی روما'' کے مالی تعاون سے فلمی کمپنی کی بنیاد ڈالی۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۷ء تک ترکی کے یہودی سرمایہ داروں ''داروو دعرفی'' ''سغو اٹلی'' کے یہودی دولتمند استیفن کے تعاون سے سنیما کی صنعت میں سرمایہ کاری کی، دوسری دو مصری یہودی بھائیوں ''ابراہام اور بدر لاما'' نے ۱۹۲۶ء میں اسکندریہ میں ایک فلمساز کمپنی کی بنیاد

ڈالی، اس کمپنی نے پہلی فلم ''روڈلف ونسٹو'' کے نام سے تیار کی جس میں اول سے آخر تک یہودیوں کی مظلومیت کی تاریخ بیان کی گئی تھی، اس کمپنی نے ''صلاح الدین'' نامی فلم بھی بنائی جو فنی خوبیوں اور سچائی کی ترجمانی اور ٹھوس تاریخی حقائق پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک طاقتور اور معلوماتی فلم تھی، لیکن ان دو فلموں کے علاوہ دونوں بھائیوں نے ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۷ء تک ستر کے قریب ایسی فلمیں بنائیں جن میں فحاشی وعریانی کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات اور اسلامی شخصیات کے خلاف ایسا زہریلا مواد تھا جنھوں نے نئی نسل کے دل ودماغ کو غیر معمولی حد تک مسموم کر دیا، اور اسلام اور اس کی تعلیمات وشخصیات سے نفرت وکراہیت پیدا ہوگئی۔

۱۹۴۸ء سے ۱۹۸۸ء تک جو فلمیں حکومت کے مالی تعاون سے تیار کی گئیں ان میں ایک سو بیاسی فلمیں ہالی ووڈ کی بنی ہوئی فلموں کا مکمل چربہ اور نقل تھیں، باقی دو سو نواسی فلموں میں، جن کی کہانیاں مصری معاشرہ کے گرد گھومتی ہیں۔ کام کرنے والے مصری اداکاروں میں اسی فیصدی تعداد ایسی تھی جو عربی ناموں سے مشہور تھی، لیکن اصلاً وہ یہودی قومیت رکھتی تھی، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: آسیہ داغر، مزراحی، میشیل شہلوب (عربی نام عمر الشریف)، نجمہ ابراہیم، راقیہ ابراہیم، لیلیٰ مراد، کامیلیا، رجاء عبدہ، جبرئیل تلمی، ماریہ منیب، جورج ابیض، دولت ابیض، نجیب الریحانی، الیاس مؤدب، یعقوب صنوع، ابونضارہ، نجویٰ سالم (اصل نام نینات سلام، راقیہ ابراہیم کا اصل نام راشیل ابراہیم لیفی تھا)۔

فلمی صنعت پر یہودی گرفت کیوجہ سے ۱۹۴۰ء سے ۱۹۵۱ء تک کے مختصر عرصہ میں ہالی ووڈ نے صرف یہودیوں کے موضوع پر ترپن فلمیں تیار کیں جنھیں عربی میں منتقل کیا گیا۔

مصر میں میڈیا کے میدان میں کی جانے والی جدوجہد میں یہودی کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور اسرائیلی صحافی وادیب فورس شماس (جس کی پیدائش قاہرہ میں ہوئی تھی) لکھتا ہے کہ بیسویں صدی میں عالم عربی میں جو فلمیں، ڈرامے، اور اخبارات منظر عام پر آئے ان کی تاسیس اور ان میں سرمایہ کاری کی حد تک یہودی دولت مندوں کا کام محدود نہیں رہا، بلکہ یہودی اداکاروں نے اپنا اصلی نام مخفی رکھتے ہوئے عربی ناموں سے ان

فلموں میں کام کیا، تیسری اور چوتھی دہائی میں فلم ساز، ڈرامہ نویس، اوران کے کردار، نغمہ موسیقی گانوں اور لٹریچر کے تیار کرنے میں نمایاں نام یہودیوں کے ہیں، مشہور فلم ساز اور پروڈیوسر ''توگومزراحی'' نے عربی سنیما کی خشت اول مصر میں رکھی تھی، لیلیٰ مراد، جس نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا۔ مشہور مغنیہ، یہودی تھی، اسی طرح اشتر شطاح، داؤد حسنی، مراد فرح اور درجنوں صحافی اور نقاد وادیب یہودی تھے، اور اپنے قومی مفاد کے لئے سرگرم عمل تھے، اس طرح مصری میڈیا کے دروبست پر یہودی حاوی تھے(۱)۔

۱۹۲۶ء سے ۱۹۶۷ء کا طویل دور مصر میں ایسا گذرا ہے جس میں مصری میڈیا کو بھرپور آزادی حاصل تھی، چنانچہ اس نے خوب بال و پر نکالے، یہودی فلمسازوں نے جو فلمیں اور ڈرامے تیار کئے، مصری دانشوروں کے لٹریچر نے ان کے افکار ومقاصد کی تائید وحمایت کی اور نئی نسلوں کے دل ودماغوں میں مسلسل ان پودوں کو غذا فراہم کی، چونکہ تعلیمی وثقافتی مراکز میں کام کرنیوالوں کی ذہن سازی پیرس اور لندن میں ہوچکی تھی، اسلئے مغربی افکار واقدار کو عرب معاشرہ میں جگہ بنانے میں کوئی دشواری اور ادنیٰ درجہ کی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔

سب سے پہلے عرب دانشوروں اورعوام کے ذہنوں کو مغربی افکار واقدار (لادینیت، اخلاقی انحراف، جنسی اباحیت) کے لئے زمین وفضا تیار کرنے کے لئے عرب قوم پرستوں کے داعیوں کی پوری کھیپ سامنے آئی، اس میں سلامہ موسیٰ، ساطع الحصری، جرجی زیدان (بانئ دار الہلال) سلیم وبشارہ تقلا (بانی روزنامہ الاہرام) قاسم امین، علی عبد الرازق، لطفی السید، سعد زغلول، لوئس عوض، فکری اباظہ ایڈونیس اور غالی شکری پیش پیش تھے، اس ہراول دستہ نے بڑی چالاکی اور ذہانت سے عرب قوم پرستی کے پردے میں لادینیت کے بیج بوئے، جن کے تناور درختوں میں توفیق الحکیم، نجیب محفوظ، احسان عبدالقدوس، لطفی الخولی، احمد عبد المعطی حجازی، عبدالرحمان الشرقاوی، علی امین، مصطفیٰ امین، محمد التابعی، ذکی عبد القادر، فاطمہ روز الیوسف، امینہ السعید، صلاح عبد الصبور، مرسی جمیل عزیز، سعد وہبہ، یوسف السباعی، احمد بہاء الدین، یوسف ادریس، مصطفیٰ بہجت بدوی، اور

---

(۱) ہفت روزہ المجتمع الکویت ۱۹/۱۷ اپریل ۱۹۹۴ء

انہیں منصور ہیں، ان مصنفین اور صحافیوں نے مغربی افکار و اقدار کی ترویج و اشاعت کیلئے جن فلموں، ڈراموں اور اخبارات و رسائل اور ناولوں کا سہارا لیا ان میں سے چند کے نام اس طرح ہیں:

روزنامہ الأہرام، ماہنامہ الہلال ہفت روزہ المصور، روزنامہ الاخبار، آخر ساعة، روز الیوسف حواء، الشبكة، الصياد، الكواكب، هو، هی، صباح الخير، روزنامه الجمهورية صحافت کے میدان میں فلموں، ناولوں، اور ڈراموں میں مندرجہ ذیل نام بطور نمونہ ہیں، ورنہ حد شمار سے باہر ان کی تعداد ہیں جنھوں نے عرب دنیا کے دل و دماغ کو مسموم کرنے اور جنسی اباحیت، اور اخلاقی انحراف کو عام کرنے اور سماج کے ڈھانچہ کو بکھیرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے، نساء الليل (ناول اور فلم) الكبارية، احترسی من الرجال، بابا آخر من يعلم، أبی فوق الشجرة، مدرسة المراهقين اريد حلاً، امرأة لكل رجل، المرأة الخائنة، شباب امرأة، عريس لبابا، رحلة فی امرأة، دعونا نحب، امرأة اسمها محمود، إنی راحلة. أنا امينة، راقصة فی الاجازة، الطريق المسدود، انف وثلاثة عيون، العذراء والشعر الأبيض، أرجوك خذنی من هذا البرميل، نساء فی حياتی، يوميات نص الليل، الكرنك، الشحاذ، ثرثرة فوق النيل، ميرامار والمرايا، أولا دحارتنا، اللص الشريف، البنات لازم تتجوز، بائعات الهوى، نحن لانحب الكوسة، یہ نام ان بے شمار فلموں اور ناولوں میں سے چند کے ہیں، لیکن جو فحاشی اور عریانی میں مغربی فلموں اور ناولوں کو بھی پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔

مصری میڈیا - جائزہ اور تجزیہ

مصر پر فرانسیسی یورش کے بعد ہی سے مغربی میڈیا نے ایک مضبوط اور طاقتور فوج کی حیثیت سے اپنا محاذ سنبھال لیا، چنانچہ مصر سے اخبارات و رسائل کی اشاعت کے لئے لبنانی صحافیوں (جن کا پورا گروہ عیسائیوں پر مشتمل تھا) مصر بلا لیا گیا، اس گروپ نے مصری دار الحکومت قاہرہ کو مغربی میڈیا کا ایک ایسا مضبوط مرکز بنانے کا پختہ عزم کر لیا جو ایک مستقل

مکتب فکر اور مدرسہ ہو، جہاں سے پورے عالم عربی کو غذا فراہم کی جائے۔

قاہرہ سے سب سے پہلے سرکاری گزٹ کے طور پر **الوقائع المصریۃ** کا پہلا شمارہ ۱۳ر ستمبر ۱۸۲۸ء میں شائع ہوا، اس کے بعد روزنامہ الأہرام ۵ر اگست ۱۸۷۶ء کو نکلا جسے مغربی میڈیا کا عالم عربی میں ترجمان اور فکری مدرسہ کہا جاتا ہے، اس کے بانی ایڈیٹر کے طور پر آج بھی سلیم و بشارہ تقلا کے نام پیشانی پر درج ہیں۔

روزنامہ الأہرام کی پیشانی پر فرعونی تاریخ وتہذیب کی علامت ونشان کے تینوں اہرام کی عمارت کو بطور شعار و مونوگرام کے رکھا گیا ہے، روزنامہ کے نام اور مونوگرام سے پہلا تاثر یہی دینا مقصود تھا کہ اسلام اسلامی دنیا اور مسلم اکثریت کے ملک مصر سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، چنانچہ روز اول ہی سے اس روزنامہ نے اپنے اس بنیادی مقصد اور ذوق ورحجان کو مخفی رکھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس نے بانگ دہل یہ اعلان کیا کہ وہ اول وآخر عیسائیوں کا ترجمان یا مغربی میڈیا کا نقیب ونمائندہ ہے، اس کی دلیل اخبار کی اشاعت کے چوتھے دن واضح طور پر سامنے اس وقت آگئی جب الأہرام نے مصر اور عالم عربی کے مرکزی شہروں میں متعین اپنے نامہ نگاروں اور اخباری ایجنٹوں کے ناموں کا اعلان کیا تو سب کے سب اکیس نمائندے اور ایجنٹ عیسائی تھے، ان میں ایک بھی مسلمان نہیں تھا، یہ نمائندے حلب، دمشق، بیروت، صور، صیدا، حیفا وعکا، قدس، اسکندریہ، طنطا، اور دیگر مصری شہروں سے تعلق رکھتے تھے۔

تیسری دلیل یا اس اخبار کی خصوصیت یہ نمایاں ہوئی کہ روز اول ہی سے اس کے اوّلین صفحات میں ان خبروں کو مرکزی اہمیت دی جاتی تھی جن کا تعلق مغربی ممالک، وہاں کی سیاسی، سماجی، سائنسی واقتصادی اور تعلیمی ادبی ترقی اور سرگرمیوں سے ہو، اخبار کے پہلے شمارہ میں چھ خبریں مغربی ممالک کے سربراہوں، ان کی بیگمات، اور ان کے دوروں اور بیانات سے متعلق تھیں، دو خبریں لبنان کی تھیں وہ بھی مسیحیوں کی تجارت سے متعلق۔

الاہرام نے روز اول ہی سے یہ پالیسی وضع کرلی تھی کہ مصر کی مقامی سیاست میں وہ مداخلت نہیں کرے گا، اور عالمی سیاست کے بارے میں جذباتی خبروں اور افتتاحیوں سے گریز کرے گا، چنانچہ اس اخبار نے اپنی صد سالہ تاریخ میں کسی ظلم وزیادتی اور غاصبانہ قبضہ

اور سیاسی وفوجی تسلط کے خلاف آواز بلند نہیں کی، خبروں، افتتاحی اداریوں، سیاسی نوٹ میں تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے غیر جانبداری ظاہر کرنے کی کوشش کی لیکن مصر کے سماجی، دینی اور تاریخی کردار کے موضوع پر اس نے ہمیشہ اس پہلو کو ترجیح دی جو مغربی افکار واقدار سے قریب تر ہے، اس نے اپنے صفحات کو بڑی فراخدلی سے عیسائی و یہودی اہل قلم، ملحد و بے دین ادیبوں اور صحافیوں اور لادینیت وقوم پرستی کے علم برداروں کے لئے وقف کر دیا، جنہوں نے پوری آزادی سے مصر کے اسلامی کردار اور اس کے دینی تشخص وامتیاز کو مسخ بلکہ اس کو کلی طور پر ختم کرنے پر اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

روزنامہ الاہرام اس وقت پوری عرب دنیا میں سب سے زیادہ تعداد میں شائع ہوتا ہے، اٹھائیس صفحات پر مشتمل اس اخبار کے سیاسی، ثقافتی، سماجی، تاریخی، ادبی وفکری صفحات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین واخلاق سے متعلق مضامین اور خبریں نہ ہونے کے برابر، صرف جمعہ ایڈیشن میں صفحة الفكر الديني میں نصف صفحہ دینی مضامین ہوتے ہیں، باقی اخبار کی خبروں میں سے ۹۵٪ خبروں اور مضامین کا تعلق عوام کی زندگی اور ان کے مسائل ومشکلات سے نہیں ہوتا، اگر ہوتا بھی ہے تو منفی اور مضر پہلو زیادہ ہوتے ہیں، مثلاً ثقافتی ادبی اور فکری وسماجی موضوعات کے مضامین میں الحاد و بے دینی اور مغربی افکار واقدار کی تعریف وتعارف کو نمایاں کیا جاتا ہے، فرعونی تہذیب وتاریخ اور مغربی فکر وفلسفہ اور اس کے سماجی وسائنسی اور سیاسی نظام اور اقتصادی ترقی پر تفصیل سے خبریں اور مضامین دئے جاتے ہیں، اسلام دشمن ادیبوں اور مسلم دشمن سربراہان مملکت کی تعریف وتعارف میں صفحات کے صفحات وقف کئے جاتے ہیں، مثلاً قبرص کے پادری مکاریوس، ایتھوپین مسلمانوں کے قاتل ہیلا سلاسی، تنزانیہ کے مسلم دشمن جولیس نیریرے، صومالیہ کے لیوپولڈ سنجر، فلپائنی مسلمانوں کے قاتل مارکوس کی تعریف میں مصری میڈیا کے اس نقیب نے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے، اس کے برعکس عثمانی سلاطین (ترک) کے دور حکومت کو ''استعمار'' کے لفظ سے اب بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مسلم سربراہوں میں شاہ سعود، شاہ فیصل کے خلاف کردار کشی کی مہم برسوں جاری رہی، اور اب بھی دین اسلام اور اس سے ادنیٰ نسبت رکھنے والی ہر چیز اور ہر شخصیت سے نفرت وکراہت کا اظہار ہوتا ہے، مغربی میڈیا سے متعلق تمام چیزوں کی تعریف اور ان کی مکمل سرپرستی، مغربی فلموں،

فلمسازوں، اداکاروں، مغربی ڈراموں اور ان کے کردار، ناول، افسانوں اور لادینی افکار وتہذیب کی ترویج واشاعت اس انداز میں گویا ترقی کا منتہٰے ومقصود ہے، مسیحی مشنریز اور ان کی شخصیات کی تقدیس اور ان کے ایثار وقربانی کا تذکرہ اور ان کی زندگی کو مثالی قرار دینا، اس کے برعکس مسلمان علماء کا تمسخر اور استہزاء، کارٹونوں اور تصویروں کے ذریعہ ان پر طنز وتعریض اور انھیں پسماندگی اور جہالت کا نمائندہ ثابت کرنا۔

دارالہلال

روزنامہ الاہرام کے علاوہ مغربی میڈیا کا دوسرا بڑا نقیب ماہنامہ الہلال ہے، جس کے ادارہ سے شائع ہونے والے ہفت روزہ المصور اور تاریخی ناولوں نے مشہور مسیحی مبلغ جرجی زیدان کی سرپرستی ورہنمائی میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔

جرجی زیدان (۱) نے ۱۸۹۲ء میں الہلال پبلشنگ ہاؤس کی بنیاد ڈالی، نام اگرچہ انھوں نے الہلال رکھا، لیکن اس پورے ادارہ کا بنیادی مقصد اول وآخری صلیب مقدس کی خدمت کا فریضہ انجام دینا تھا، زیدان نے تاریخ، ادب، فلسفہ، لغت، اور ناولوں کے موضوع پر پچاس تصنیف کیں، جن میں بائیس تو تاریخی ناول ہیں، باقی کتابیں اسلامی تمدن، عرب ماقبل اسلام، عمومی تاریخ اور عربی زبان وادب اور فلسفہ کی تاریخ سے متعلق ہیں۔ اپنی ان تمام تصانیف میں زیدان نے وہی اسلوب اختیار کیا ہے اور اسی مقصد اور نصب العین کو پیش نظر رکھا ہے، جو مستشرقین اور مسیحی مشنریز کے پیش نظر رہا کرتا ہے۔ جرجی زیدان کی تصنیفات کے مطالعہ اور تجزیہ سے جو تاثر ہوتا ہے وہ اس طرح ہے...... شام ومصر اور اندلس وترکی سے عیسائی حکومتوں کے زوال پر حسرت وافسوس کا اظہار، عیسائیوں کی

---

(۱) جرجی زیدان لبنان میں پیدا ہوئے، فرنچ مشنریز نے ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد انھیں خاص مقاصد کے تحت مصر بھیج دیا، جہاں انھوں نے مسیحی مشنریز کے مقاصد کی تکمیل کے لئے اپنے کو وقف کر دیا، یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جرجی زیدان باقاعدہ فرنچ مشنریز سے تنخواہ پاتے تھے، دوسری طرف فرانسیسی وزارت خارجہ کے بھی ملازم تھے، مشہور تصنیفات میں تاریخ آداب اللغة العربیة (چار جلدیں) تاریخ التمدن الإسلامی (پانچ جلدیں) العرب قبل الإسلام، تاریخ اللغة العربیة، ناولوں میں فتاة غسان، فتح الاندلس، ارمانوسه المصریه، العباسة، شجرة الدر، عروس فرغانه، فتاة القیروان، علراء قریش، غادة کربلاء وغیرہ ہیں۔

شکست کی تاویل و توجیہ، اور مسلمان مجاہدین کی شجاعت و جرأت اور ایثار و قربانی اور ان کی جنگی و ایمانی قوت کی تحقیر و تذلیل۔

فتاۃ غسان اور فتح الاندلس نامی ناولوں میں نصرانی خاندان کی تعریف، کبار صحابہ و تابعین کی کردارکشی، فقہائے امت اور علماء کی تحقیر، اسلامی فقہ اور قانون سازی کی اہمیت کو کم کرنا اور رومن لاء کی بھرپور تعریف، اسلامی تاریخ کی شکل و صورت کو بغیر کسی دلیل کے مسخ کرنا، دین اسلام اور اس کے پیغمبر کے کارناموں پر پانی پھیرنا، قرآن مجید کو انسانی کلام قرار دینا اور اس کے متعلق مستشرقین کی آراء و اعتراضات کو خوبصورت انداز میں پیش کرنا۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ ثابت کرنا کہ حج کے زمانہ میں وہ علماء و مشائخ کے ساتھ تبادلۂ خیال کر کے معلومات حاصل کرتے تھے، سفر شام میں راہب سے ملاقات اور سفر طائف میں عیسائی غلام عداس کی رفاقت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ انھیں جو کچھ حاصل ہوا (معاذ اللہ) عیسائیوں سے حاصل ہوا۔

زیدان نے اپنے ناولوں کو اسلامی نام دیکر مستشرقین کی طرح کہیں جہاد کو نشانہ بنایا ہے تو کہیں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے کارناموں پر پانی پھیرنے اور اسلامی معاشرہ کے چہرے کو داغدار بنانے کی کوشش کی ہے(۱)۔

الہلال کے صفحات پر مسلسل تاریخی و ادبی ناولوں کو پیش کر کے نئی نسلوں کے دل و دماغ کو مسموم کر دینے کی بھرپور کوشش کی گئی، اس ادارہ سے نکلنے والے دوسرے رسالوں کے ذریعہ یہی مقصد اب بھی حاصل کئے جا رہے ہیں، ان میں ہفت روزہ المصور، طبیک الخاص، ہفت روزہ الاثنین اور الکواکب، حواء خاص طور پر قابل ذکر ہیں (۲)۔

الہلال اور اس کی مطبوعات نے الاہرام کے تعاون و اشتراک سے مغربی افکار

(۱) زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی (پانچ جلدوں) کا مدلل اور مسکت جواب علامہ شبلی نعمانیؒ نے دیا جس نے زیدان کے مکر و فریب کا پردہ چاک کیا اور مولف کی علمی خیانت و خباثت پر گرفت کر کے اس کا سنجیدہ علمی جواب لکھا، یہ کتاب الإنتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

(۲) موخر الذکر تینوں رسالے خواتین سے متعلق ہیں، ان میں جدید مغربی فیشن اور وہاں کے فلم اشاروں سے متعلق خبریں اور ناول و افسانے شائع ہوتے ہیں۔

واقدار کی ترجمانی کرنے والوں کی پوری جماعت تیار کردی، جو وفا شعار شاگرد رشید کی طرح اپنے اپنے ملکوں میں جا کر مغربی میڈیا کے ان دونوں نقیبوں کے ترجمان اور شارح بن گئے، دور جدید کی عرب صحافت الہلال اور الاہرام کے زیر سایہ پروان چڑھی ہے، اور ان میں دونوں کا چربہ و نقل ہے، اور پورے ایک صدی سے اپنی حکومتوں کے سرپرستی میں اسلام کے خلاف طاقتور محاذ بنا رکھا ہے (۱)۔

مغربی میڈیا کے ان دونوں ترجمانوں نے اگر اسلام کا تذکرہ کیا بھی تو سرکاری اسلام کی حیثیت سے جس میں سربراہ مملکت ایک طرف عیدین کی نماز ادا کرتا ہے، عید میلاد النبیؐ کے جلسوں میں اپنے نمائندے بھیجتا ہے، تو دوسری طرف مغنیوں، رقاصوں اور فلم اسٹاروں اور ملحد و بے دین ادیبوں کی پذیرائی اور استقبال بھی کرتا ہے اور ان کو انعام واکرام اور اعزاز سے نوازتا ہے، اس طرح عملاً یہ بتایا جاتا ہے کہ یہی گویے اور بھانڈ اعزاز کے مستحق ہیں، اور ایسے ہی لوگ روشن خیال اور ترقی پسند ہیں۔

مغربی میڈیا کے ان دونوں مخلص نقیبوں اور ان کے تلامذہ نے پورے عالم عربی میں جو دعوت دی اس میں دین وسیاست میں تفریق، عامی زبان کو ترجیح، صرف ونحو اور بلاغت سے اعراض، قرآن مجید سے تعلق کے بجائے جدید مغربی ادب کو نمونہ بنانے، مخلوط تعلیم، لادینی نصاب پڑھانے، اسلامی معاشرہ کی خصوصیات کی حفاظت کے بجائے روشن خیال مغربی طرز زندگی اختیار کرنے اور اس کی تہذیب وتمدن کو اپنانے کی دعوت کو دلکش انداز میں ناولوں افسانوں فلموں اور انٹرویوز کے ذریعہ پیش کرنا تھا، مثال کے طور پر الہلال نے دین وسیاست کی تفریق کے موضوع پر چار طاقتور مضامین شائع کئے، اس کے بعد قارئین پر ان کے اثرات کا جائزہ لینے کیلئے حسب ذیل سوال نامے جاری کئے: کیا ہم دین کو نظر انداز کرکے ہمہ جہت ترقی کر سکتے ہیں؟ آپ ذاتی طور پر سیاست کو پسند کرتے ہیں یا دین کو ترجیح دیتے ہیں؟ کیا مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ یورپ کی اقتصادی اور سائنسی ترقی کے اسباب ومحرکات کیا ہیں؟ کیا ہم عرب یورپ جیسی ترقی کر سکتے ہیں؟ ان

---

(۱) الہلال کے پروردہ مسیحی فاضل سلامہ موسیٰ نے اپنے ایک مقالہ میں اس عزم کا اظہار کیا کہ ہماری اور پوری دنیا کی مصلحت کا تقاضہ ہے کہ تمام عربوں کے ذہنوں میں یہ حقیقت اچھی طرح بٹھا دیں کہ عرب اول وآخر ثقافتی اور تہذیبی اعتبار سے یورپی ہیں (الہلال جولائی ۱۹۲۷ء)۔

سوالناموں کے بہترین جوابات پر رسالہ نے متعدد گراں قدر انعامات دینے کا بھی اعلان کیا، انعام پانے والوں کے نام، تصویر اور حالات پر مضمون شائع کرنے، اس کی اگلے مرحلہ میں سرپرستی، یورپ کی دانش گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے قیمتی وظائف ،وہاں بھی ان کے فکر کی پرورش اور نگرانی کے انتظامات اور وہاں سے کامیاب واپسی کے بعد بھی ان کی سرپرستی اور تعریف وتوصیف جاری رہی۔

لطفی السید، سلامہ موسیٰ، طہٰ حسین، لوئس عوض، توفیق الحکیم، نجیب محفوظ، اور محمد التابعی واحمد زکی وانیس منصور وغیرہ اس دور کی یادگار اور مغربی میڈیا کے پروردہ ہیں(۱)۔

الہلال والاہرام نے جہاں مغربی افکار واقدار کی بھرپور اور طاقتور ترجمانی کے لئے اپنے کو وقف کردیا وہیں ان دونوں نے صحیح الفکر اسلامی داعیوں، دینی تحریکوں، اور ان کے ترجمانوں کے خلاف کردار کشی کی مہم جاری رکھی اور ان کے تردیدی بیانات کو مستقلا نظر انداز کرنے کی پالیسی پر گامزن رہے۔

مغربی میڈیا کے ان نقیبوں کے بطن سے جہاں نامور صحافی وادیب پیدا ہوئے وہیں انھوں نے عرب خواتین کو بھی صحافت اور قلم کے میدان میں اتارا اور ہر طرح ان کی سرپرستی وحوصلہ افزائی کی، مثال کے طور پر فاطمہ روز الیوسف کا نام لیا جاسکتا ہے جو مشہور رقاصہ تھی لیکن ہفت روزہ روز الیوسف نکال کر مصری خواتین کو فحش نویسی کی تربیت دی اور پوری ایک جماعت ایسی تیار ہوگئی جس نے مصری خواتین کو خصوصاً اور عرب خواتین کو عموماً گھر اور خاندان سے باہر نکلنے پر مجبور کردیا، اس ٹیم نے نہ صرف صحافت اور ناول نویسی کے میدان

---

(۱) علی امین، مصطفیٰ امین، موسیٰ صبری، احمد بہاء الدین، اور محمد التابعی ان صحافیوں میں ہیں جنھیں ان کی تحریروں پر ہزاروں پونڈ کے انعامات اور یورپ کے سفر کے لئے گراں قدر اخراجات دیے جاتے تھے، محمد التابعی کی آپ بیتی "نساء فی حیاتی" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود یہ صحافی مصر اور بیرون مصر اخلاقی جرائم کے دلدلوں میں گلے گلے ڈوبے ہوئے تھے۔

مصری صحافیوں اور فحش نویس ادیبوں کی سرپرستی اس طرح حکومت کی طرف سے کی جاتی تھی کہ ان مقالات پر گراں قدر معاوضے ملتے تھے، پھر ان کو ناولوں اور پھر ان ناولوں کو فلم کی صورت میں بنا کر اور ان تحریروں کو نصاب میں شامل کرکے پیسے حاصل کئے جاتے تھے، یہ سلسلہ اب بھی اسی طرح جاری ہے، اس لئے کہ عرب دنیا کی میڈیا کے دروبست پر حکومتیں حاوی اور قابض ہیں۔

میں بلکہ اداکاری کے میدان میں بھی فحاشی اور عریانیت کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے (۱)۔
مشہور صحافی مصطفیٰ امین کی پروردہ خاتون صحافی امینہ السعید نے خاص طور پر شاہی محلات کی اندرونی زندگی کی ایسی تصویر کشی کی کہ انسانیت کی پیشانی عرق آلود ہو جائے، اس خاتون کی تحریر کو ہندوستانی خاتون ناول نگاروں میں عصمت چغتائی اور واجدہ تبسم کی تحریروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔

مصری میڈیا کے نمونے

ہم یہاں مصری میڈیا کے چند نمونوں کی طرف اشارہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں: مشہور صحافی زکی عبدالقادر، مصطفیٰ امین، نجیب محفوظ اور احسان عبدالقدوس نے اپنی تحریروں میں ضبط تولید، جنسی اباحیت اور عورتوں کی مکمل آزادی کی دعوت دی، رقاصاؤں، مغنیاؤں، اور اداکاروں کی تقدیس واعزاز پر زور دیا، مصطفیٰ امین نے رقاصاؤں کے رقص کو فن کے محراب میں مقدس عبادت سے تشبیہ دی، اور لکھا کہ کارخانوں میں کام کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت کے مرادف ہے۔ (الاہرام ۱۹۶۵/۹/۲۲)

احسان عبدالقدوس، یوسف السباعی، احمد بہاء الدین، انیس منصور اور محمد التابعی نے اپنی تحریروں میں مغربی تہذیب کی کھل کر تعریف کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ روشن خیال مغربی اقوام کی طرح ہماری حکومتوں کو بھی طوائفوں کو لائسنس دینا چاہئے۔ انیس منصور نے لکھا کہ شہوت کو دبانے اور کشمکش کی زندگی گذارنے کے بجائے تھوڑا سا گناہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (الاخبار ۱۹۶۶/۵/۲۱ء)

امینہ السعید نے طالبات کے سوالوں کے جواب میں لکھا کہ نفسیاتی کشمکش سے نجات کی آسان ترکیب یہ ہے کہ برائی کو تھوڑی دیر کے لئے قبول کرلیا جائے۔
(صباح الخیر ۱۹۶۶/۴/۳ء)

---

(۱) تازہ ترین معلومات کے مطابق جن مصری والجزائری اداکاروں نے فلمی زندگی میں قدم رکھا تھا اور آزادانہ جنسی اختلاط اور عریانیت کی نمائندگی کی تھی، ان میں سے گیارہ خواتین ایسی ہیں جنھوں نے اس پیشے سے توبہ کرلیا ہے جن میں سے شمس البارودی اور ہالہ صدقی اور مدیحہ یاسمین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، کہ عین عروج وترقی کے زمانہ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

انیس منصور نے رسالہ حواء میں مغربی فیشن کو فطرت کے مطابق اور برقعہ کو خیمہ سے تشبیہ دی۔ (نومبر ۱۹۷۳ء) مشہور ادیبہ مدیحہ نے رسالہ روز الیوسف میں لکھا کہ جنسی بیماریوں اور انحراف سے بچنے کا واحد علاج یہ ہے کہ طوائف کے پاس جا کر عملی تعلیم حاصل کی جائے، اس سے جنسی معاملات کے تجربے ہوتے ہیں اور شرم و جھجک ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۹۶۵/۱۲/۳ء)

قاہرہ اور بیروت سے اور اب لندن اور پیرس سے خواتین کے جو رسالے شائع ہوتے ہیں ان کے مالک اور ایڈیٹر اور صحافی سب عیسائی ہیں اور رسالوں میں الشبکۃ، الصیاد، حواء، ھو، ھی، اور الکواکب ہیں، جو عریاں تصاویر اور فحش کہانیوں کی بنا پر لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتے ہیں، ان کے قدم بقدم الاخبار اور الجمھوریہ کے بیشتر کالم نگار مسیحی اور خاص تعداد تو ملحد اور بے دین صحافیوں کی ہے۔

۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء تک کے وقفہ میں مصری میڈیا کا رخ کیا تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل نمونوں سے لگایا جا سکتا ہے:

- ایک رقاصہ نے اپنے دوست طالب علم کے فلیٹ میں خودکشی کر لی۔

(الاخبار ۲۹/جون ۱۹۶۲ء)

- سولہ سالہ طالبہ نے یورپ کا تنہا سفر کیا، تم بھی تجربہ کرو

(الاہرام ۲۹/۶/۱۹۶۳ء)

- گھٹنے سے اوپر کا لباس ایک نیا فیشن (الشبکۃ ۴/۸/۱۹۶۵ء)
- تم اپنی بیوی کو دوسرے کی بیوی تصور کر کے دیکھو (الصیاد جون ۱۹۶۵ء)
- اس ہفتے کی سب سے خوبصورت اور طرحدار لڑکی (الکواکب مئی ۱۹۶۵ء)

رسالہ الشبکۃ نے مختلف عرب ملک کی خواتین سے انٹرویو لے کر مخلوط تعلیم، خواتین اور مردوں کے درمیان آزادانہ تعارف اور دفاتر میں مردوں کے دوش بدوش کام کے فوائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ (مارچ ۱۹۶۴ء)

ماہنامہ حواء، ھو، ھی، الصیاد اور روز الیوسف نے اپنے مضامین میں مندرجہ ذیل باتوں پر زور دیا: جنسی اباحیت، شوہروں کی بالادستی کے خلاف بغاوت، طلاق کی حوصلہ

افزائی، ازدواجی زندگی پر شکوک وشبہات کے سائے ڈالنا، مانع حمل اشیاء کے استعمال، خواتین کو شرٹ استعمال کرنے اور بال ترشوانے، اور مردوں کو بال بڑھانے، اشتہاری کمپنیوں میں خواتین کی ملازمت اور اشتہارات کی خاطر ماڈل گرل بننے کی دعوت۔

روزنامہ الجمہوریہ نے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۵ء تک اپنی اشاعت کو بڑھانے کے لئے دو اقدامات کئے؛ پہلا یہ کہ فحش نویسوں سے گراں قدر معاوضہ پر یورپی معاشرہ میں پیش آنے والے جنسی جرائم اور واقعات پر کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا، دوسرا قدم اس نے یہ اٹھایا کہ ہر روز کوپن شائع کرتا تھا، اخبار کا خریدار ایک قرش میں اخبار بھی پڑھتا تھا، پھر اس کوپن کو لے کر کسی سینما ہال میں لگی فلم کو نصف قیمت پر دیکھ سکتا تھا۔

مشہور عیسائی صحافی لوئس عوض او رموسیٰ صبری نے فرعونی تہذیب اور یونانی تصورات کو قبول کرنے کی کھل کر دعوت دی، تاریخ کی مادی تفسیر، مارکسیت کی دعوت والدین اور سماج کے تسلط سے نجات پانے اور صہیونیوں سے تعلقات استوار اور عربوں کے بجائے مغرب سے اپنی قسمت وابستہ کرنے پر اپنی جد وجہد مرکوز کر دی۔

مغنیوں میں عبدالوہاب، ام کلثوم، عبدالحلیم حافظ، فرید الاطرش اور فیروز نے معبود کا درجہ حاصل کرلیا، اس حد تک کہ ایک مغنی کے انتقال پر متعدد نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے خودکشی کرلی۔

مصری ٹیلی ویژن

تمام عرب ممالک میں میڈیا پر وہاں کی حکومتوں کا مکمل قبضہ اور تصرف ہے، اور میڈیا کے دروبست پر وہ لوگ حاوی ہیں جو کلی طور پر مغربی سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں، پھر جب حکومت کی مالی سرپرستی، اس کی طاقت اور اس کی طرف سے مکمل آزادی بھی ہو تو میڈیا کی غیر معمولی قوت وتاثیر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ رائے عامہ کی تشکیل اور ذہن سازی کے تمام ذرائع پر جب کسی مخصوص گروہ کا قبضہ ہو جائے اور اس کو لامحدود اختیارات کے ساتھ مالی وسائل بھی بلاحدود حاصل ہوں تو پھر ان کی قوت کا کیا ٹھکانا، وہ بھی مصنوعی سیاروں اور ڈش انٹینا کے اس دور میں براہ راست ٹی وی پروگراموں کی ترسیل کے ہمہ گیر

اثرات ونتائج کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

مغربی میڈیا کے ماہرین اپنے پروگراموں کو پیش کرنے میں یہ لچر دلیل دیتے ہیں کہ ہماری ذمہ داری یہ نہیں کہ ہم تربیت یا رہنمائی کا کام انجام دیں، بلکہ ہمارے بنیادی فرائض صرف یہ ہیں کہ معاشرہ میں جو کچھ ہورہا ہے ہم اس کی جھلک اور آئینہ اپنے مشاہدین کو دکھلا دیں، دوسری بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ ہر شہری کی مرضی وذوق کی تسکین کا سامان فراہم کریں تاکہ ہر شخص اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق جو پروگرام چاہے دیکھ سکے۔

مصری ٹی،وی، ہی نہیں تمام عرب ممالک کے ٹی،وی پروگراموں کو اسی مغربی فلسفہ کے مطابق چلایا جارہا ہے، اگر اس تباہ کن فلسفہ کو تسلیم کرلیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ یہ ایسا منفی نظریہ ہے جس میں خیر وشر اور طہارت وپاکیزگی کے ساتھ گندگی وبیہودگی اور حسن وجمال کے ساتھ بدصورتی کو بھی اس انداز میں پیش کیا جائے کہ شر سے خیر کی طرف رہنمائی کا کام نہ لیا جائے، عملاً ہوتا یہ ہے کہ شر کو خوبصورت اور دلکش اسلوب میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ وہ محبوب پسندیدہ بن جاتا ہے، حالانکہ آئینہ دیکھنے کا فائدہ یہی ہوتا ہے کہ اس کو دیکھ کر داغ دھبے دور کرالئے جائیں۔

اس کے برعکس میڈیا کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ وہ اول وآخر صحیح تعلیم وتربیت اور رہنمائی کا کام صحیح اور تعمیری بنیادوں پر انجام دے، راہ ہدایت اور حق کی روشنی کو عام کرے، اور خیر وبھلائی کی تصویر دلکش انداز سے پیش کرے، لیکن مشکل یہ ہے کہ میڈیا پر جو لوگ قابض ومتصرف ہیں وہ اس بنیادی اصول کے قائل نہیں۔ جہاں تک تمام لوگوں کے ذوق وپسند کے پروگرام پیش کرنے کی دلیل کا تعلق ہے تو یہ بھی ناقابل قبول ہے، اس لئے کہ جو لوگ رقص وسرود فحش گانوں اور جنسی اختلاط اور اخلاق انحراف پر مبنی فلموں کے رسیا اور عاشق ہیں اور جو لوگ اسکے برعکس دعوت دین، اعلی اخلاق وسیرت وکردار، روح جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے سے سرشار، عفت وپاکیزگی اور خدا ترسی کی زندگی کے عادی، اور اس کے داعی ہوں ان دونوں متضاد ذوق اور پسند کے لوگوں کو بیک وقت کیسے راضی رکھا جاسکتا ہے، اگر عام لوگوں کے ذوق وپسند کے مطابق پروگرام پیش کرنے کے نقطہ نظر کو قبول بھی کرلیا جائے تو اس حقیقت کو کیوں نظر انداز کردیا جائے کہ مصری عوام کی اکثریت اسلام کو پسند کرتی

ہے اور اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنے کی تمنا اور خواہش ہے۔

جولائی ۱۹۹۵ء میں مصری ٹیلی ویژن پر پینتیس سال کی مدت گذرنے کی مناسبت سے مصری وزرات اطلاعات ونشریات نے ایک جشن کا اہتمام کیا تھا، اس موقع پر ٹی، وی، پروگراموں کا جائزہ بھی لیا گیا تھا، اس میں اس کا اعتراف کیا گیا ہے کہ رقص وسرود اور ثقافتی پروگراموں کے ذریعہ مشاہدین کے شعور کو بیدار کرنے کی کوشش قابل تعریف ہے، لیکن اس جائزہ میں جو ایک مسلم اکثریت کے ملک کے ٹی، وی، اسٹیشن سے متعلق ہے کہیں بھی اس کی دینی واخلاقی پروگرام کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، لیکن اس جائزہ سے قبل ہی ایک مصری ریسرچ اسکالر ابراہم بیومی غانم نے مصری ٹیلی ویژن، اور اسلامی ثقافت کے عنوان سے ایک کتاب شائع کرائی جس میں ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۲ء تک کا میدانی سروے موجود ہے، اس جائزہ سے مصری ٹی، وی کے جو عیوب ونقائص ہمارے سامنے آئے ہیں وہ مصری ٹیلی ویژن ہی پر نہیں بلکہ تمام عرب مما لک کے ٹی، وی پروگراموں پر منطبق ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان عرب ملکوں کے میڈیا پر مصری سانچہ میں ڈھلے ہوئے عناصر قابض ہیں۔

تجربہ کے نتائج

مصریوں کی اکثریت کے دلوں، دماغوں اور جذبات میں جس طرح دین کا مقام ہے اور جس طرح تمام مشکلات ومسائل کا حل وہ دین اسلام ہی کو سمجھتے ہیں، اس کے مطابق دینی پروگرام پیش نہیں کئے جاتے، ان پروگراموں کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ خانوں میں تقسیم ہے، اور روزمرہ کے مسائل ومشکلات کا کوئی تعلق دین اسلام سے نہیں ہے۔

- دینی پروگراموں کے پیش کرنے کا اندازہ انتہائی گھٹیا اور لگا بندھا ہے، اس کے اندر کوئی جاذبیت اور کشش اور ندرت نہیں ہوتی ہے، اور نہ ہی فنی تقاضوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔
- مصری ٹی وی کے نو چینلوں سے مجموعی طور پر روزآنہ ایک سو چھیاسٹھ (۱۶۶) گھنٹے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں ان میں دینی پروگراموں کا تناسب ساڑھے تین فیصدی

ہے، اس میں افتتاحی واختتامی تلاوت، حمد وثنا اور نعت بھی شامل ہے۔

- دینی پروگرام کا ۹۰٪ حصہ اس وقت پیش کیا جاتا ہے جب ٹی، وی، دیکھنے والوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے، یہ پروگرام ۵ سے پندرہ منٹ تک ہوتے ہیں، اکثر ہوتا یہ ہے کہ نزلہ بر عضو ضعیف کے محاورہ پر عمل کرتے ہوئے کسی میچ یا کسی سربراہ مملکت کی آمد، پولیس یا ایسی ہی کسی تقریب کی وجہ سے منسوخ کردیئے جاتے ہیں۔
- وہ نازک سیاسی مسائل جن کا تعلق فلسطینیوں، خاص طور سے تحریک انتفاضہ اور حماس سے ہے یا اسرائیل کے ساتھ مصر کے تعلقات اور سفارتی روابط سے ہے ان کی طرف بھی مصری ٹی، وی، نے توجہ نہیں کی حالانکہ دینی نقطہ نظر سے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کی بحالی کیوں نقصان دہ ہوں گے، اس طرح تعلیم وتربیت، منشیات، خواتین کی ملازمت مصری معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے میں دین وشریعت کے قانون کے کردار، یہ سب ایسے مسائل ہیں جن کا مصری عوام سے گہرا تعلق ہے، لیکن میڈیا نے ان تمام اہم اور بنیادی مسائل کو قطعی طور پر نظر انداز کردیا۔ اگر شریعت اسلامی کے موضوع پر کوئی پروگرام ہوتا بھی ہے تو اس میں اسلامی قانون سازی کے فلسفہ پر بحث ہوتی ہے۔

اسلامی ثقافت سے متعلق مصری ٹیلی ویژن نے جو پروگرام، پیش کئے ہیں ان کے جائزہ اور تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری میڈیا نے اسلامی ثقافت کے دو محور قرار دیئے ہیں، ایک اسلامی دعوت اور اس کے تقاضے دوسرے علوم جدیدہ کے بارے میں اسلامی موقف۔ لیکن ان دونوں محوروں سے متعلق پروگراموں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اقتصادی، سیاسی، تعلیمی، اور تربیتی مسائل ومشکلات کے سلسلہ میں اسلام کیا حل پیش کرتا ہے، اور مسلمانوں کی دینی روحانی اور اخلاقی وسماجی زندگی کیسے درست ہو سکتی ہے۔

جو لوگ مصری میڈیا کے لئے دینی پروگرام تیار کرتے ہیں، وہ خود اپنے محدود زاویے سے سوچتے اور ذاتی نقطہ نظر کو ترجیح دیتے ہیں، نہ کہ عام مشاہدین اور مصری عوام کی دلچسپیوں اور تقاضوں کو، گویا ایک طرفہ ٹریفک ہے جو پورے میڈیا کے نظام پر مسلط ہے۔

مصری وزارت اطلاعات کے دعوے کے مطابق رمضان المبارک میں دینی

پروگراموں میں پچاس فیصدی اضافہ کردیا جاتا ہے، لیکن اس دینی پروگرام کی اصل اور حقیقت کیا ہے، اس موضوع پر ایک تجزیہ روزنامہ الشرق الاوسط نے شائع کیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

- عین افطار کے دوران لاکھوں پونڈ کے انعامات پر مشتمل پہیلیاں اور معمے پیش کئے جاتے ہیں، جنھیں مصر کی خوبصورت ترین فلمی اسٹار پیش کرتے ہیں، ہر روز نئے رقص اور گانوں کی صورت میں یہ معمے ہوتے ہیں، آدھے گھنٹے کے اس پروگرام کے معا بعد مزاحیہ ڈرامہ یا جنسی نوعیت کی سیریز پیش کی جاتی ہیں۔

مصری ٹی، وی کے ۹۷٪ پروگرام خوبصورت خواتین پیش کرتی ہیں۔

۹۸٪ اشتہاری اعلانات خواتین پیش کرتی ہیں، ۲۵٪ اشتہارات میں جنسی تلمیحات اور اشارے ہوتے ہیں۔

۹۰٪ فلموں میں عریانیت، آبروریزی، عشق، جنسی جرائم، اخلاقی انحرف کے واقعات ہوتے ہیں۔

۸۰٪ فیصدی امریکی فلمیں اور ۱۷٪ ہندوستانی فلمیں ہوتی ہیں، جن میں تشدد اور جنسی اختلاط کے مناظر ہوتے ہیں (۱) مصری سنسر بورڈ نے بیں فلموں کو فحش قرار دے کر ان کی نمائش روک دی لیکن مصری ٹی، وی نے رمضان المبارک میں انھیں دکھایا۔

عین شمس یونیورسٹی کے معہد الدراسات التربویہ نے مصر میں غیر ملکی فلموں کی تقسیم اور اس سے مرتب ہونے والے اثرات کا جو جائزہ لیا ہے اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ملکی فلموں میں ماردھاڑ اور تشدد جنسی کی کثرت کی وجہ سے مصری فلم ساز بھی اس راہ کو اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے، اور انھوں نے مغربی اور ہندوستانی فلموں کو اپنے لئے نمونہ بنالیا، ان تمام فلموں اور سیریز میں بھی جو غالب عنصر ہے وہ تشدد اور جنس ہے، عام طور پر ان فلموں میں ہیرو ایسا ہوتا ہے جو بظاہر سفید پوش لیکن مافیا کا سرغنہ ہوتا ہے جس کی امتیازی خوبی قتل و غارتگری اور خوں ریزی ہے، وہ معمولی بات پر ریوالور اور مشین گنوں سے درجنوں انسانوں کو بھون کر رکھ دیتا ہے، مسلح ڈکیتی کرتا ہے، عورتوں کا اغوا اور ان کی عصمت دری کرتا

---

(۱) تقرير معهد الدراسات التربوية جامعة عين شمس بالتعاون مع منظمة اليونسكو حول توزيع نسبة الافلام الاجنبية في مصر.

ہے، لیکن ان تمام جرائم سے صاف بچ کر نکل جاتا ہے اور تمام لذتوں سے جی بھر کر لطف اندوز ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

مصری معاشرہ پر میڈیا کے اثرات ونتائج

اس رپورٹ میں میدانی سروے سے حاصل بعض واقعات کا تذکرہ بھی ہے کہ ان فلموں کو دیکھ کر کس طرح بچے اثر قبول کرتے ہیں، مثال کے طور پر ''الاخوۃ الاعداء'' (دشمن بھائی) نامی فلم دیکھ کر ایک بھائی نے سوتے میں اپنے چھوٹے بھائی کا گلا گھونٹ کر کام تمام کر دیا۔ ایک سولہ سالہ لڑکے نے ''مثالی ہیرو'' نامی فلم ٹی، وی، پر دیکھ کر پڑوس کی موٹر چرالی۔ ایک طالبہ نے ''الراقصۃ والسیاسی'' نامی فلم ٹی، وی، پر دیکھ کر ڈانس کلب میں ملازمت کر لی، یہ سمجھ کر کہ رقاصہ کو فن اور شخصیت سے سیاست دانوں اور دولت مندوں سے کام لینے میں آسانی ہوتی ہے۔

مصری سماج میں جرائم کی نوعیت کا تجزیہ کرتے ہوئے مشہور مصری فلم ساز صلاح الدین ابوسیف کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں جرائم رہے ہیں اور ایسے لوگ برابر موجود رہے ہیں جو سماجی بندھنوں اور اخلاقی حدود سے تجاوز کرتے ہیں، پہلے منشیات اور انتقامی نوعیت کے جرائم ہوتے تھے، لیکن بہت کم ایسے واقعات پیش آتے تھے، لیکن اس صدی کی چھٹی دہائی سے مالی نوعیت کے جرائم (چوری، ڈکیتی، دھوکہ وفریب) ہونے لگے، اس کے ساتھ سیاسی جرائم میں بھی اضافہ ہونے لگا مگر اب صورت حال اتنی بھیانک ہے کہ خدا کی پناہ، آج کل تشدد اور اغواء وعصمت دری کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے، صلاح الدین ابو سیف مزید آگے کہتے ہیں کہ ۱۹۷۰ء کے بعد سے جو فلمیں تیار ہو رہی ہیں وہ سب امریکی فلموں یا ہندوستان کی مار دھاڑ والی فلموں کا چربہ اور نقل ہیں، مثال کے طور پر ''امرأۃ زجاج'' (ایک نازک حسینہ) المحکمۃ (عدالت) 'شبکۃ الموت' (موت کا پھندا) ۱۳ اشغال (تیرہ کام) 'الشیاطین الثلاثہ'' (تین شیاطین) ''المشاغبین الثلاثہ'' (تین جھگڑالو) 'دائرۃ الانتقام' (انتقام کا چکر) 'کتیبۃ الموت' (موت کا دستہ) 'الفتی الشریر'' (برا آدمی) ان تمام فلموں میں تشدد اور مار دھاڑ کے ساتھ جنسی

اباحیت اور عریانیت بھی ہے، ہندوستانی فلم ساز امیتابھ بچن کی فلمیں بھی اس لئے مصر میں مقبول ہیں کہ دونوں عنصر (تشدد اور جنس) اول سے آخر تک موجود ہیں۔ مصری سنسر بورڈ کے ایک رکن حمدی سرور کہتے ہیں کہ صرف فلموں کو جرائم میں اضافہ کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہے بلکہ اقتصادی اور سماجی اسباب بھی کارفرما ہیں، ان کے علاوہ دینی تعلیم وتربیت کا فقدان بھی بنیادی سبب ہے (۱)۔

مصری میڈیا پر یہودی، مسیحی اور ملحد و بے دین عناصر کے غلبہ کی وجہ سے بیشتر فلموں اور ڈراموں میں دین اسلام، اسلامی تعلیمات وشخصیات اور دینی تعبیرات کو طنز وتمسخر کا نشانہ بنایا گیا تاکہ اسلام کی شکل وصورت کو مسخ اور اس کی روح وجوہر کو دل ودماغ کی سلوٹوں تک سے نکال دیا جائے، اور اس کے بارے میں نفرت دلوں میں اس طرح راسخ ہو جائے جس طرح مغربی سوسائٹی میں دین کو دیکھا جاتا ہے، لیکن مغربی فلموں میں تشدد اور جنس وعریانیت سے قطع نظر مسیحیت اور یہودیت کے متعلق عام طور پر ہمدردانہ اسلوب اختیار کیا جاتا ہے، اگرچہ ایسی فلمیں بھی یہودیوں نے بنائی ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جنسی زندگی کو مغربی اسلوب میں پیش کیا گیا ہے، جس کے خلاف کہیں کہیں دبا سا احتجاج بھی ہوا لیکن عام طور پر مغربی فلموں میں مذہبی شخصیات کو باوقار صورت وشکل میں انسانیت کی خدمت کرتے ہوئے ہسپتالوں اور رفاہی اداروں میں مریضوں، مفلسوں اور کمزوروں کی مدد کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، ایسے مواقع پر انجیل کی عبارتیں بھی اسی انداز سے پیش کی جاتی ہیں جن سے مسیحی تعلیمات بھی واضح ہو جائیں اور فلم دیکھنے والے کے دل ودماغ پر اچھا اثر چھوڑے، لیکن یہی مغربی میڈیا جب اسلام اور مسلمانوں کیلئے اپنے پروگرام پیش کرتی ہے تو اس میں اسلامی حقائق کو مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔ مصری فلمیں چونکہ مغربی فلموں کا چربہ اور نقل ہوتی ہیں اس لئے دین اسلام، اسلامی تاریخ، شخصیات اور اسلامی روح اور اس کی صورت کو بگاڑنے کی کوشش ایک صدی سے جاری ہے، ان فلموں میں تعدد ازدواج، نکاح وطلاق، عبادات، اخلاق، معاملات اور معاشرت کے اسلامی تصور کو خاص طور سے نشانہ بنایا جاتا ہے، والدین کی جو عزت اور ان کا جو مقام اسلامی معاشرہ میں ہے اور جس طرح مشترک خاندانی نظام کا رواج ہے، پردہ کا جو اسلامی تصور ہے، مالی تعاون کے

(۱) رپورٹ نامہ نگار روزنامہ المدینہ جدہ مورخہ ۱۵ر جون ۱۹۹۴ء۔

بارے میں اسلام کا جو فطری قانون ہے اور تقسیم کا منصفانہ طریقہ ہے اس کے خلاف بغاوت پیدا کرنے کے تمام وسائل اور اسالیب استعمال کئے جاتے ہیں اور یہ تصور دیا جاتا ہے کہ یہ دین بہت مشکل ہے، اور مشکلات و مسائل کے حل کرنے سے گریز کرتا ہے، اور ہر مسئلہ کا حل تشدد یا تلوار میں ڈھونڈتا ہے، اس لئے تشدد سے بچنے کے لئے مغربی طرز کے حل کو اختیار کرنا چاہئے، بالفاظ دیگر انسانی سوسائٹیوں کی تمام خرابیوں کی جڑ اسلام ہے، جبکہ ان کا حل مغربی طرز زندگی اختیار کرنے میں ہے، جیسا کہ مصری فلم ''ارید حلا'' (مشکلات کا حل مطلوب ہے) میں تصور دیا گیا ہے۔

مصری فلموں میں عام طور پر دینی شخصیات کا کردار ادا کرنے والوں کے نام ایسے رکھے جاتے ہیں جن سے تشدد اور جبر و ظلم اور سفاکی کا تصور دل و دماغ میں راسخ ہو جائے، جیسے عبدالجبار، عبدالقہار، ابوالجلال، وغیرہ، پھر ان ہیروؤں کو ہر وقت غیظ و غضب کی حالت میں دکھایا جاتا ہے، آنکھیں سرخ بھنویں تنی ہوئی، چہرے پر شکن بات بات پر غصہ اور تشدد، معصوم بچوں اور بیوی کے ساتھ تشدد، بچیوں کی تعلیم پر پابندی، کھیل پر پابندی، غرض کہ گھر کو جیل خانے کی صورت میں دکھایا جاتا ہے، گھر سے باہر اس ہیرو کی زندگی دوسری دکھائی جاتی ہے کہ ایک طرف نماز کی پابندی ہے، تو دوسری طرف بدکاری بھی ہے، ہاتھ میں لمبی تسبیح بھی ہے، اور دوستوں کے ساتھ شراب نوشی بھی ہے۔

دینداروں اور شریف انسانوں کے لئے مندرجہ ذیل تعبیرات میڈیا میں استعمال کئے جاتے ہیں: سادہ لوح، بیوقوف، کم عقل و نادان، ناقص العقل، جمود اور تاریک پسند، متعصب، رجعت پسند، پسماندہ، روشن خیالی کے مخالف، ترقی کے مخالف، قدامت پسند، استعمار کے آلۂ کار، غیر مہذب، تہذیب و تمدن سے دور، وقت کے تقاضوں سے بے خبر، دین کے تاجر، اسلام کا استغلال کرنے والے، ریاکار، فنڈا منلسٹ، کٹر بنیاد پرست ملا، اس بھیانک شکل و صورت سے بڑھ کر دینی تعبیرات کے ساتھ تمسخر اور طنز کا معاملہ ہے، جو اس سے کہیں زیادہ سنگین اور دور رس اثرات و نتائج کے حامل ہیں، مثال کے طور پر بدی اور شر کا کردار ادا کرنے والی ہیروئن اور ہیرو کے نام مشہور اسلامی شخصیات کے نام پر رکھے جاتے ہیں، ان ناموں کو بگاڑ کر دوسرے مذموم معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً زینب اور فاطمہ کو زنوبہ اور فطومہ کہا جاتا ہے، اور خاص قسم کی ہوائی چیلوں کو بھی زنوبہ اور فطومہ کے نام

سے پکارا جاتا ہے، ہیرو ہیروئن کے ساتھ بدکاری کرتا ہے تو وہ اسے چار رکعت نماز اور جنسی لذت کو دخول جنت سے تعبیر کرتا ہے (۱) ہیرو اور ہیروئن ساحل سمندر پر وہجی لگائے ہوئے ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیوں نہ ہم سمندر میں بسم اللہ کہتے ہوئے سنت رسول کے مطابق اتریں۔

مصری سماج میں ابن الکلب، ابن الخنزیر (کتے کے پلے، سور کے بچے) کے الفاظ کا استعمال عام ہے، باپ اپنے بیٹوں اور بڑا بھائی اپنے چھوٹے بھائی کو ان الفاظ سے خطاب کرتا ہے، عام طور پر پیار میں بھی یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اور غصہ میں بھی، لیکن فلموں اور ڈراموں میں خاص طور سے جس ہیرو کا نام مشہور اسلامی شخصیات کے نام پر ہوگا ان کے لئے ان الفاظ کا استعمال بار بار کیا جائے گا، تو مشاہدین پر اس کا اثر دوسرے ہی قسم کا ہوگا، مزاحیہ ڈراموں اور ریڈیائی مکالموں میں مختلف اسالیب سے دین اسلام اور اس کی تعلیمات وشخصیات کا خاکہ اڑایا جاتا ہے، اخباری کارٹونوں میں الاہرام اور روز الیوسف میں برسوں شیخ متلوف (ازہری شیوخ) اور محمد آفندیہ (منافق عالم دین) کے نام سے دین کا مذاق اڑایا جاتا رہا۔

کویت پر ایک نظر

مصر کے مقابلہ میں کویت میں ۱۹۶۰ء کے بعد مغربی میڈیا کا جال پھیلا ہے، ۱۹۶۱ء تک اخلاقی جرائم نہ ہونے کے برابر تھے، لیکن مغربی میڈیا کے طفیل کویتی معاشرہ میں دینی اخلاقی جرائم پیش آرہے ہیں، جو مغربی معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں، مثال کے طور پر روزنامہ القبس کویت شمارہ :۶۵۷ مورخہ ۱۰/۸/۱۹۹۴ء میں ایک سماجی سروے رپورٹ کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے۔

مختلف جرائم میں ملوث نوجوانوں اور لڑکیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں جو اخلاقی جرائم پیش آئے ان میں ۱۰ تا ۱۸ سال کی عمر کے نوجوانوں کی تعداد ۲۷۹۷ تھی، دو ہزار آٹھ سو اٹھائیس جرائم میں مردوں کا تناسب ۹۷٪ فیصدی، لڑکیوں کا تناسب ۲،۲٪ تھا۔

(۱) یہ تعبیر اتنی عام ہے کہ اسلام پسند ادیبوں میں نجیب الکیلانی نے بھی اپنی ناولوں میں استعمال کیا ہے۔

باقی تفصیلات حسب ذیل ہیں :

- ٹریفک کی خلاف ورزیوں کی تعداد ۹۹۲ تا ۱۱۲۴، ان میں لڑکوں کا تناسب ۹۹٪۔
- مار پیٹ کے واقعات کی تعداد ۷۱۰ جن میں مردوں کی تعداد ۷۰۴ اور عورتوں کی تعداد ۶ ہے۔
- چوری وڈکیتی کے واقعات ۳۵۴ ہوئے ان میں ۳۴۲ مرد ماخوذ ہوئے اور ۱۲ عورتیں۔
- خواتین کی عصمت دری کے ۹۳ واقعات ہوئے۔
- چھیڑ چھاڑ اور فحش مذاق کے ۶۳ واقعات میں ساٹھ مرد اور تین خواتین ماخوذ ہوئیں۔
- اغوا اور عصمت دری کے ۳۷ واقعات ہوئے۔

مندرجہ ذیل بالا جرائم میں کویتیوں کی تعداد ۲۲۲۵ ہے باقی دوسرے ملکوں کے شہریوں کی تعداد ۶۳۶ ہے۔

دیگر عرب ممالک مثلاً مراکش اور الجزائر وغیرہ میں بھی جرائم کا تناسب مصر و کویت کے برابر ہے، مثلاً الجزائر میں نوجوان لڑکیوں میں خودکشی کا تناسب تمام عرب ملکوں سے زیادہ ہے، ۱۹۹۵ء کے اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز تعلقات کے نتیجے میں جن لڑکیوں نے خودکشی کی ان کی تعداد ۲۸۰ ہے، کم سن لڑکوں نے جو مالی اور اخلاقی جرائم کئے اور گرفتار ہوئے ان کی تعداد صرف ایک دارالحکومت میں ساڑھے نو سو ہے۔

عرب ممالک میں بڑھتے ہوئے جرائم کو دیکھئے اور سرکاری میڈیا کی بھرپور سرپرستی بھی ملاحظہ کیجئے، کہ کس طرح ان حکومتوں نے دین واخلاق کی راہوں پر چلنے کو مجرم اور مستحق دار قرار دیا ہے، اور مغربی طرز زندگی اور انارکی وانتشار کی راہ پر چلنے والوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کو اپنا فرض منصبی قرار دے رکھا ہے، ہم یہاں روزنامہ الاہرام قاہرہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۹۵ء کے صفحات سے ٹی، وی ریڈیو، سنیما اور ڈراموں کے پروگراموں کا اجمالی جائزہ پیش کرتے ہیں، یہ بتانے کے لئے کہ ہم مسلمان اپنی قبریں اپنے ہاتھوں کس طرح کھودر ہے ہیں:

قاہرہ ٹیلی ویژن پروگرام کا ایک اجمالی جائزہ

پہلا چینل	۷ بجے صبح	تا	۲ بجے شب	۱۹ گھنٹے
دوسرا چینل	۷ بجے صبح	تا	۲ بجے شب	۱۹ گھنٹے

تیسرا چینل	۲ بجے دوپہر	تا	۲ بجے شب	۱۲ گھنٹے
چوتھا چینل	۴ بجے شام	تا	۱ بجے شب	ساڑھے نو گھنٹے
پانچواں چینل	۱۰ بجے صبح	تا	۱ بجے شب	۱۵ گھنٹے
چھٹا چینل	۲ بجے دن	تا	۱۲ بجے شب	۱۰ گھنٹے
ساتواں چینل	۱۰ بجے دن	تا	۱۲ بجے شب	۱۴ گھنٹے
نیل ٹی، وی	۱۰ بجے دن			۸ گھنٹے
ڈش انٹینا کے ذریعہ	بی، بی، سی، اسٹار ٹی، وی			۲۴ گھنٹے
	سی، این، این			۲۴ گھنٹے
ایم بی سی مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ سنٹر لندن				۱۲ گھنٹے

(ایک سو ساڑھے چھیاسٹھ گھنٹے یومیہ)

قاہرہ ریڈیو کے پروگرام

ریڈیو قرآن ۳۵-۷ بجے صبح تا ایک بج کر ۵۵ منٹ شب			۱۹ گھنٹے
جنرل پروگرام			۲۲ گھنٹے
صوت العرب ۳۵-۷ بجے صبح	تا	۴ بجکر دس منٹ صبح تک	۲۰ گھنٹے
الشرق الاوسط			۱۶ گھنٹے

۷۷ (ستتر گھنٹے)

ریڈیو قرآن صرف تلاوت کے لئے مخصوص ہے، دیگر ریڈیو اسٹیشنوں سے مجموعی طور پر روزانہ صرف دو گھنٹے بیس منٹ کے دینی و اخلاقی پروگرام ہوتے ہیں۔

قاہرہ میں بائیس سینما گھر، پانچ ڈرامہ ہال، پچیس نائٹ کلب، آٹھ نہری کلب ہیں جو دریائے نیل کی سطح پر رواں کشتیوں پر غیر ملکی سیاحوں کے لئے پروگرام پیش کرتے ہیں۔

قاہرہ کے سینما گھروں میں روزانہ پچیس امریکی، آٹھ فرانسیسی اور چھ ہندوستانی فلمیں پیش کی جاتی ہیں، مجموعی طور پر انتالیس غیر ملکی فلمیں صبح ساڑھے نو بجے سے رات ساڑھے بارہ بجے تک پیش کی جاتی ہیں۔

مصری ٹی، وی، کے تمام چینلوں سے روزانہ چھ امریکی، ایک فرنچ، دو ہندوستانی اور چھ عربی سیریز اور دو عربی ڈرامے پیش کئے جاتے ہیں۔

ریڈیو قاہرہ کے ذریعہ بھی عرب سیریز، ڈرامے، اور فلموں کے مکالمے پیش کئے جاتے ہیں، صحافت کے ذریعہ جو عریاں تصاویر، فحش ناول، افسانے اور مفسد و مخرب اخلاق مقالات و مضامین پیش کئے جاتے ہیں، وہ الگ ہیں۔

رمضان المبارک میں ایم، بی، سی (لندن) کا مخصوص پروگرام ۱۱ بجے صبح سے ۲ بجے شب تک تمام عرب ممالک کیلئے پیش کیا جاتا ہے، پندرہ گھنٹے کے ان پروگراموں میں ۱۴۱۶ھ میں روزانہ تین عربی سیریز دو عربی اور ایک امریکی فلم پیش کی گئی۔

قاہرہ ٹی، وی، کے تمام چینل روزے کو کامیاب بنانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، کویتی ہفت روزہ المجتمع نے عرب ممالک میں امریکی فلموں کی درآمد کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ ڈش انٹینا کے اس دور میں جب کہ براہ راست ۳۵ چینلوں سے عرب کے باشندے اپنی مرضی کا پروگرام دیکھ سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود امریکی فلمیں گراں قدر رائلٹی دیکر سرکاری سطح پر منگوائی جاتی ہیں، اعداد و شمار حسب ذیل ہیں:

مصر میں ۸۵٪ امریکی فلمیں پیش کی جاتی ہیں، اردن میں ۶۵٪، عرب امارات میں ۷۷٪، تونس میں ۸۷٪، الجزائر میں ۹۷٪، مراکش میں ۸۲٪، کویت میں ۷۷٪، ہر مہینہ چار سو کیسٹ ویڈیو فلم کے (ممنوع فلموں کے) عالم عربی میں داخل ہوتے ہیں، ۸۹٪ بچوں کے پروگرام ٹی، وی، کے لئے غیر مسلم ملکوں (امریکہ و جاپان) سے منگوائے جاتے ہیں، سیریز، ڈرامے، متحرک کارٹون جو عام طور پر مشرکانہ عقائد کو نوخیز نسلوں کے دل و دماغ میں راسخ کرنے کے لئے بڑی فنی مہارت اور چابکدستی سے تیار کئے جاتے ہیں، ٹی، وی، گیمس سے بھی یہ مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں۔

مسلم ممالک کے خلاف مغربی میڈیا کی جنگ کتنی زبردست، وسیع، عمیق، موثر، طاقتور اور چومکھی ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ وائس آف امریکہ روزانہ عربی زبان میں انچاس گھنٹے پروگرام نشر کرتا ہے۔

ریڈیو مونٹے کارلو (فرانس) سے باون گھنٹے بی بی سی، ریڈیو سے عربی آٹھ گھنٹے، ریڈیو فریتاس جو وٹکن سٹی کے ماتحت اور مسیحیت کی تبلیغ و نشر و اشاعت کیلئے وقف ہے، عرب ممالک کے سامعین کیلئے چوبیس ریڈیو اسٹیشن مخصوص ہیں، جہاں سے روزانہ بیس گھنٹے

پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

مغربی میڈیا کی براہ راست یورش اور بلا اجازت مسلمان گھرانوں میں داخلہ کی زبردست کوششوں کو دیکھئے دوسری طرف ان اسلامی ملکوں کو بھی دیکھئے جو اس زہر کو ڈالر اور پونڈ دیکر منگواتے ہیں، اور اپنے مسلمان ہم وطنوں اور دینی بھائیوں کے حلق میں زبردستی انڈیلتے ہیں۔

بارہ اسلامی ممالک ۵۰٪ ٹی، وی ریڈیو پروگرام مغربی ملکوں سے درآمد کرتے ہیں۔

دس ممالک ایسے ہیں جو ۶۵٪ ٹی، وی ریڈیو پروگرام مغربی ملکوں سے درآمد کرتے ہیں۔

نو، مسلم ممالک ایسے ہیں جو ۷۲٪ ٹی، وی ریڈیو پروگرام مغربی ملکوں سے درآمد کرتے ہیں۔

چار اسلامی ممالک ایسے ہیں جو ۸۰٪ ٹی، وی ریڈیو پروگرام مغربی ملکوں سے درآمد کرتے ہیں۔

مسلم ممالک میں سرکاری میڈیا کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ سے لیکر دو لاکھ گھنٹے تک مغربی ملکوں میں تیار کئے ہوئے پروگرام دکھائے جاتے ہیں، اور ان کی رائلٹی لاکھوں ڈالر اور اسٹرلنگ پونڈ میں ادا کی جاتی ہیں۔

رمضان ۱۴۱۶ھ میں کویت کی وزارت اطلاعات نے لبنان اور شام سے مغنیوں اور رقاصاؤں کی دو ٹیموں کو مدعو کیا تھا تاکہ وہ ثقافتی پروگرام پیش کریں، اس کے لئے پینتالیس لاکھ ڈالر نقد اور تیس لاکھ ڈالر ہوٹل اور سفری اخراجات کی مد میں ادا کئے گئے۔

بون (جرمنی) سے شائع ہونے والے ماہنامہ الرائد نے مراکش پر مغربی میڈیا کی یورش کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"مراکش کے نوجوان چینل ۲ کو زیادہ پسند کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ صرف غیر ملکی پروگرام پیش کرتا ہے، اس چینل نے سال ۱۹۹۴ء کے دوران گیارہ سو چھبیس غیر ملکی سیریز، آٹھ سو دو عربی فلم ریلیز کیں، مجموعی طور پر اس چینل نے تین ہزار، انسٹھ مخرب اخلاق پروگرام دکھانے پر چالیس لاکھ ڈالر بطور رائلٹی کے ادا کئے"۔

ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزواً أولئك لهم عذاب مهين. (سورة لقمان: ٦)

سعودی میڈیا پر ایک نظر

عالم عربی پر مغربی تہذیب وثقافت نے جب یورش کی تو مصر نے بڑی گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا، اس کے برعکس پہلے مرحلہ میں جزیرۃ العرب نے کلی طور پر مغرب سے منسوب ہر چیز کو مسترد کر دیا، جو غیر فطری اور غیر منطقی بات تھی، لیکن زیادہ عرصہ تک یہ جزیرہ اس یلغار کا مقابلہ نہ کر سکا اور اس نے مغرب کے آگے پوری طرح سپر ڈال دیا اس کا مشاہدہ ہر مسافر اور زائر کو ہوتا ہے۔

اسلام کے دو مقدس ترین شہروں کے ملک سعودی عرب میں ۱۹۶۵ء میں ٹیلیویژن کا آغاز جدہ اور ریاض سے ہوا، اس کے دو چینل مائیکرو ویو اور مصنوعی سیاروں کے ذریعہ پورے ملک میں عربی اور انگریزی میں پروگرام مہیا کرتے تھے۔ ٹی وی پروگرام مصر ولبنان میں ترتیب دیئے جاتے تھے۔ بعد میں جب ۱۹۸۰ء میں براہ راست یورپ وامریکہ کی ٹی وی نشریات کا آغاز ہوا تو ڈش انٹینا کے مالک صرف چند سعودی امراء اور شاہی خاندان کے لوگ ہی تھے، عام لوگوں کی دسترس سے بھی پروگرام دور تھے، کویت کے خلاف عراقی جارحیت نے ڈش انٹینا کے ذریعہ اور دیگر مغربی ذرائع ابلاغ سے خبریں سننے کا جواز فراہم کیا، سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس جنگ نے نجی اور سرکاری کوششوں کو تیز کر دیا کہ وہ عرب کنسورشیم کے تحت ARABSAT کے مصنوعی سیارہ کی سہولت سے دوسرے عرب ملکوں تک ٹیلیویژن کے ذریعہ رسائی حاصل کر سکیں۔

- مصنوعی سیارہ کے کئی چینل سعودی شہریوں کے تصرف میں ہیں، ملک کے مشرقی حصے میں ہانگ کانگ کے اسٹار ٹی وی کے پانچ چینل دستیاب ہیں، ان میں سے ایک

میوزک چینل ہے، جبکہ دوسرے چینل پر B.B.C ورلڈ سروس نیوز دیکھ سکتے ہیں، دیگر ٹی وی سروسوں میں سے C.N.N انٹرنیشنل اور عرب حکومتوں کے متعدد پروگرام مصر وکویت، لبنان اور دبئی کے اسٹیشن سے دیکھے جاتے ہیں، ہندوستانی زی ٹی وی سعودی عرب کے تمام شہروں میں دیکھے جاتے ہیں۔

- ۱۹۹۰ء کی دہائی میں مڈل ایسٹ براڈ کاسٹنگ (M.B.C) کا براہ راست پروگرام اشتہارات اور فیس کی مدد سے چلنا شروع ہوا، یہ ٹی وی اسٹیشن سعودی عرب کے شاہی خاندان کے افراد کی ملکیت ہے، اس کا مرکز لندن ہے۔ اس نے ۱۸ر ستمبر ۱۹۹۱ء سے اپنے پروگرام کا آغاز کیا، اس کی روزآنہ کی نشریات بلاتوقف بارہ گھنٹے تفریح اور خبروں کے پروگرام پیش کرتی ہیں، عرب ریڈیو اور ٹیلیویژن (A.R.T) جو جدہ اور قاہرہ سے اپنی نشریات کرتا ہے، سعودی سرمایہ کار صالح کامل کی ملکیت ہے۔ اس کے چار چینلز سے فلم، میوزک، اسپورٹس اور بچوں کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔
- تازہ ترین براہ راست براڈ کاسٹنگ سٹیلائٹ وہ خلائی کمیونیکیشن ہے جس نے مئی ۱۹۹۴ء میں اپنی سروس کا آغاز کیا، اس کا صدر دفتر روم میں ہے اور عربی وانگریزی میں سترہ چینلوا یسے افراد کوفراہم کرتا ہے جوڈھائی سوڈالر کی ڈش خرید سکیں اور ماہانہ فیس دے سکیں۔
- براہ راست ٹی وی پروگراموں کے بارے میں سعودی عرب میں تین نقطۂ نظر پائے جاتے ہیں۔ ایک گروپ کا کہنا ہے کہ براہ راست ڈش انٹینا کے پروگراموں سے سعودی معیشت بالخصوص سعودی براڈ کاسٹنگ کو معاشی خطرہ ہے، دوسرے گروپ کی رائے ہے کہ ایسے پروگرام اسلامی تہذیب وثقافت کے لئے خطرہ ہیں۔ (۱)

---

(۱) حجازی معاشرہ کو میڈیا کے ذریعہ جس رخ پر سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق ڈالا جارہا تھا وہ مغربی تہذیب وثقافت کا قبلہ تھا، بعض اہل نظر نے ۱۹۶۲ء ہی میں .T.V کی آمد کے ایک سال بعد ہی سعدی شیرازی کی زبان میں متوجہ کیا تھا ع

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی ــــ کیں رہ کہ می روی بترکستان است

لیکن یہ آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی اور جزیرۃ العرب کے معاشرہ کی نگاہیں آزاد و بے قید نشریاتی پروگراموں اور مغربی زندگی کے مظاہرے سے خیرہ ہوگئیں، ملاحظہ ہو: حجاز مقدس امیدوں اور اندیشوں کے درمیان، مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش اور عالم عربی کا المیہ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)۔

تیسرے گروپ کی رائے میں سعودی عرب کو کوئی سنگین خطرہ لاحق نہیں، بلکہ اس کے ذریعہ سے ہم پوری دنیا سے براہ راست استفادہ کر سکتے ہیں اور ہم اپنے جزیرہ سے باہر نکل سکتے ہیں۔(۱)

سعودی اخبارات کا حال بھی ٹی وی نشریات ہی کی طرح ہے، اس ملک سے مجموعی طور پر آٹھ روزنامے شائع ہوتے ہیں، جن کے مالک، مدیر اور پالیسی ساز سیکولر ذہن کے ہیں، ان آٹھ روزناموں کی ایک لاکھ کاپیاں تقسیم ہوتی ہیں، اس کے علاوہ اسی (۸۰) کے قریب دیگر زبانوں کے اخبارات، ڈیڑھ سو رسالے اور ماہنامے، کتابیں، اور ایک کروڑ غیر ملکی مطبوعات ہر ماہ تقسیم ہوتی ہیں، ہر ماہ ستر ہزار سے اسی ہزار تک امریکہ و جاپان میں تیار کئے ہوئے ویڈیو اور ایک لاکھ آڈیو کیسٹ فروخت ہوتے ہیں (۲)۔

اگرچہ ٹی وی کے مقابلہ میں پرنٹ میڈیا کی قوت تاثیر کا تناسب تیس فیصدی ہے، لیکن جزیرۃ العرب کے معاشرہ پر بہر حال اس کے منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

سعودی معاشرہ کے ایک سروے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سعودی طالب علم جب سکنڈری اسکول سے فارغ ہوتا ہے تو اس وقت تک وہ ٹی وی کے سامنے پندرہ ہزار گھنٹے گذار چکا ہوتا ہے، اس کے بالمقابل دس ہزار آٹھ سو گھنٹے درجات میں گذارتا ہے۔

عرب نیوز ایجنسیاں مجموعی طور پر ایک لاکھ پچاس ہزار الفاظ پر مشتمل خبریں اخباروں کو بھیجتی ہیں، نوے فیصدی خبریں پانچ عالمی خبر رساں ایجنسیوں سے عرب اخبارات حاصل کرتے ہیں۔

---

(۱) سعودی وزارت دفاع کے ترجمان ماہنامہ "الحرس الوطنی" کے نامہ نگار نے جب سابق امریکی جنرل برنٹ اسکوکرافٹ سے یہ سوال کیا کہ امریکہ ساری دنیا کے کلچر پر ڈش انٹینا کے ذریعہ اثر ڈال رہا ہے تو انھوں نے اس کے جواب میں بڑی صراحت سے کہا کہ امریکہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مقامی تہذیبوں اور کلچروں کو ختم کر کے پوری دنیا کو ایک رنگ میں رنگ دیا جائے۔

(۲) مصری روزنامہ الاہرام نے ۱۹۸۴/۹/۱۳ء کے شمارہ میں عالم عربی اور فرانس میں ٹیلیویژن اور ویڈیو کیسٹ کی موجودگی کا جائزہ اور موازنہ شائع کیا ہے جو عبرت انگیز ہے: "فرانس میں ہر ایک ہزار شخص پر دس وی سی آر ہے، جبکہ اس کے بالمقابل کویت میں ہر ہزار پر چار سو نوے اور سعودی عرب میں ہر ہزار پر سات سو پچاس وی سی آر ہے، ۱۹۹۵ء میں یہ تناسب سو فیصدی ہو گیا۔ مصر میں سالانہ ایک ارب مصری پونڈ ٹی وی کی خریداری پر خرچ کئے جاتے ہیں جبکہ اس ملک پر بیرونی قرض پچاس ارب مصری پونڈ ہے۔"

یونسکو کے ایک سروے کے مطابق پوری دنیا کی میڈیا سے روزآنہ ایک سو بیس چینلز سے سترہ ہزار گھنٹے کا پروگرام پوری دنیا میں نشر کیا جاتا ہے، ان میں نو ہزار گھنٹے کا پروگرام عرب دنیا کیلئے مخصوص ہوتا ہے، اسرائیل مصنوعی سیاروں کے ذریعہ سترہ چینلوں سے عربوں پر یلغار کرتا ہے، اس کے اثرات کا تجزیہ کرکے یونسکو نے بتایا ہے کہ پوری دنیا کے پچاسی فیصدی لوگوں نے ٹی وی کی وجہ سے اپنے کھانے پینے، سونے، لکھنے پڑھنے اور کام کے پروگرام بدل دیئے ہیں، ان کی قوت فیصلہ پر ٹی وی اثر انداز ہوگیا ہے، وہ آزادانہ طریقہ سے فیصلہ کرنے کے قابل نہیں رہے، شعوری، غیر شعوری طور پر وہ ٹی وی پروگراموں اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے متأثر ہوتے ہیں۔

یونسکو نے عربوں کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت کا بنیادی عقیدہ کمزور ہوگیا ہے، نئی نسل میں دس سے پچیس سال تک کے بچوں کی اسی فیصدی تعداد ایسی ہے جو ٹی وی کے مشرکانہ پروگراموں سے متاثر ہوچکی ہے، عیسائیوں اور یہودیوں کے افکار و شعار اور تہذیب و تمدن اور ان کے رائج کئے ہوئے فیشن کو احترام اور تقدیس کی نظر سے دیکھتی ہے، پندرہ سال کے اندر مصر و سعودی عرب اور کویت کو خاص طور سے نشانہ بنا کر منشیات کو رائج کیا گیا ہے، جنسی خواہشات کی ناجائز تکمیل کے واقعات، جبر و تشدد عصمت دری، مالی واخلاقی جرائم کی کثرت ہوگئی ہے، خواتین اور بچوں کے ذریعہ منشیات کو طلبہ طالبات میں ثانی، کیسٹ، ٹی وی گیمس اور البم کے ذریعہ فواحش کو عام کیا جارہا ہے۔ (۱)

دس سال سے بھی کم مدت میں سعودی معاشرہ پر ٹی وی کے جو غیر معمولی اثرات

---

(۱) سعودی ٹی وی پر بچوں کے جو پروگرام دکھائے جاتے ہیں ان میں متحرک کارٹونوں کے ذریعہ مشرکانہ عقائد اور بداخلاقی کے زہر بڑی فنی مہارت سے ذہنوں، ان کے دل و دماغ اور جذبات میں اتارے جارہے ہیں، مثال کی طور پر "بابائے سیریز" "عدنان ولینا سیریز" میں قتل وغارت گری اور خوبصورت لڑکی پر اتنی بار مجرمانہ حملے کے مناظر دکھائے جاتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے والے بچے بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں کہ اس بار پھر اس لڑکی پر حملہ کیا جائے گا۔ ایک دوسرے منظر میں ایک شخص سمندر میں غوطہ لگاتا اور بادلوں تک اپنے دشمن کا سراغ لگاتا ہے۔ تیسرے منظر میں ہیرو ایک گدھے پر آسمان پر اڑ جاتا ہے وہاں گھنے بادلوں سے ایک بدہیئت شخص نکلتا ہے جس کی لمبی داڑھی ہوتی ہے آنکھیں سرخ ہوتی ہیں، ہیرو اس کو عبدالرحمٰن کے نام سے پکارتا اور اپنے پاؤں تلے حقارت سے روندتا ہے، آخر میں اس کو قتل کردیتا ہے۔

پڑے ہیں ان کا تجزیہ ہم ریاض سے شائع ہونے والے مؤقر رسالہ الدعوۃ کے صرف دو شماروں سے بغیر کسی تبصرہ کے پیش کر رہے ہیں۔

رسالہ الدعوۃ نے چند خواتین کے ذریعہ ریاض میں مقیم سعودی خاندان کا سروے کرایا اور شمارہ (۱۵۷۷) جنوری ۱۹۹۷ء میں اس سروے کا نتیجہ شائع کیا، رسالہ نے ڈش انٹینا کی آمد کے بعد سے سعودی معاشرہ پر مرتب ہونے والے اخلاقی اثرات کا جائزہ لیا اور اس موضوع پر خواتین سے جو جوابات ملے ان کی حیثیت و **شهد شاهد من أهلها** کی ہے۔

- چوالیس فیصدی سعودی خواتین نے چار سال سے (یہ سروے جنوری ۱۹۹۷ء میں کرایا گیا ہے) فیشن ایبل لباس پہننا شروع کر دیا ہے۔
- ۳۷ فیصدی یہ لباس پہن کر بازار جاتی ہیں۔
- ۸۱ فیصدی خواتین کے والدین اور شوہر اس لباس کو پسند نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود یہ خواتین ایسا لباس استعمال کرتی ہیں۔
- ۳۵ فیصدی خواتین کے والدین اور شوہر ایسے لباس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔
- ۳۵ فیصدی نے کہا کہ ہم ایسا لباس ترک کرنے کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔
- ۶۰ فیصدی نے کہا کہ ہم صرف فیشن سمجھ کر پہنتے ہیں۔
- ایسی بھی خواتین ہیں جن کی عمریں پچاس سے متجاوز ہیں، وہ بھی ایسا لباس استعمال کرتی ہیں، ساٹھ باسٹھ سال کی بعض خواتین نے بتایا کہ وہ ایسا لباس ایک سال سے پہن رہی ہیں۔
- ۸۵ فیصدی خواتین نے وجہ یہ بتائی کہ ان کے عزیز و اقارب ایسا لباس پہنتے ہیں، یا انھوں نے ٹی وی دیکھ کر یا دوکانوں کے شوروم دیکھ کر یہ فیشن اختیار کیا۔
- ۶۱ فیصدی نے کہا کہ ہم کو ایسے لباس کے استعمال سے شرمندگی نہیں ہوتی۔
- ۳۹ فیصدی نے کہا کہ ہم کو شرمندگی ہوتی ہے۔
- ۶۵ فیصدی نے کہا کہ ان کے شوہروں اور والدین نے اس سے منع نہیں کیا۔
- فیشن ایبل لباس کی تعریف رسالہ نے یہ کی ہے کہ جو ساتر نہ ہو، مغربی طرز کا چست لباس ہو، رسالہ کی تحقیق کے مطابق خواتین اور بچیاں (چھ سال تا بیس سال) تنگ

جینز استعمال کرتی ہیں، بازو ننگے ہوتے ہیں، اوپر سے باریک برقعہ ہوتا ہے۔
۴۵ فیصدی خواتین مغربی رقص اور گانے پسند کرتی ہیں۔
❁ ۶۵ فیصدی خواتین مغربی طرز کے کھانے اور ۹۵ فیصدی مغربی مشروبات پسند کرتی ہیں۔

خواتین کی دلچسپی کا دوسرا بڑا عنصر آرائش جمال کی اشیاء ہیں، جن میں نیل پالش، لپ اسٹک، پوڈر، شیمپو، عطریات اور آنکھوں کے کاجل ہیں۔

۲۷؍اگست ۱۹۹۸ء کے شمارہ میں اسی رسالہ الدعوۃ نے ریاض کے ایوان تجارت کے حوالے سے جو اعداد و شمار صرف ۱۹۹۷ء کے درآمد کے متعلق شائع کئے ہیں وہ کسی مسلم معاشرہ کے لئے ناقابل یقین ہیں، لیکن ٹی وی اشتہارات اور فیشن کے پروپیگنڈے اور آرائش جمال کے لوازمات اتنے بڑھ گئے ہیں کہ یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔

۱۹۹۷ء میں تین کروڑ بہتر لاکھ اٹھانوے ہزار ریال لپ اسٹک اور نیل پالش کی خریداری پر خرچ کئے گئے، ایوان تجارت نے اس کا وزن چار لاکھ انہتر ہزار تین سو چھیاسٹھ ٹن بتایا ہے۔

آنکھوں کی زینت اور جسم کے دوسرے اعضاء کو رنگین بنانے میں جو کاجل اور مہندی مغربی ملکوں سے منگوائی گئی وہ وزن میں ایک لاکھ اٹھاون ہزار چھ سو سینتیس ٹن ہوئی، اس کی قیمت دو کروڑ چوالیس لاکھ چالیس ہزار سترہ ریال ہوئی۔(۱)

ذہن سازی اور کردار کی تشکیل میں ٹی وی کے بعد دوسرے نمبر پر سعودی روزنامے اور رسائل ہیں، جن میں روزنامہ الشرق الاوسط سرفہرست ہے، اپنے ترقی یافتہ وسائل نشر و اشاعت اور تعداد اشاعت کے اعتبار سے یہ اخبار جزیرۃ العرب میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، یہ روزنامہ شاہی گھرانے کی ملکیت ہے، اس کے ادارہ سے ماہنامہ "المجلۃ"

---

(۱) رسالہ الدعوۃ، شمارہ (۱۶۵۶) ۲۷؍اگست ۱۹۹۸ء کے اسی شمارہ میں ایک تحقیقی مضمون ایسا بھی شائع ہوا ہے جس میں لپ اسٹک اور نیل پالش، شیمپو، پوڈر کی تیاری میں شامل بنیادی اجزاء میں خنزیر، جنگلی کیڑے مکوڑے اور دیگر حرام جانوروں کی چربی کا ذکر ہے، رسالہ نے اس پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ ان حرام اشیاء کی خریداری پر عرب ممالک کروڑوں ڈالر کا زرمبادلہ خرچ کرتے ہیں اور ہماری مسلمان خواتین تزئین و آرائش میں ان حرام اشیاء کو استعمال کرتی ہیں۔

خواتین کا مخصوص رسالہ "سیدتی" ہفت روزہ المسلمون، عرب نیوز، انگریزی روزنامہ، اور اردو نیوز کے علاوہ کھیل کود سے متعلق رسالہ شائع ہوتا ہے۔ نیز ہر ماہ مختلف موضوعات پر کتاب بھی شائع ہوتی ہے۔

روزنامہ الشرق الاوسط، لندن سے شائع ہوتا ہے، مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ظہران، ریاض، جدہ، کاسابلانکا (مراکش) مارسیلیا، قاہرہ، پیرس اور لندن سے بیک وقت شائع ہوتا ہے، کل صفحات سولہ ہیں۔

اخبار کی تقسیم موضوعات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے :

پہلا صفحہ : عالمی سیاست اور عرب دنیا کی سیاسی خبریں۔
دو صفحے : عرب ممالک کی متنوع خبریں۔
ایک صفحہ : اقتصادی مضامین اور اسٹاک اکسچینج کی خبریں، پٹرول کی قیمتیں۔
ایک صفحہ : بین الاقوامی موضوعات۔
ایک صفحہ : عالمی صفحات سے ترجمہ، سیاسی موضوعات پر مقالات کا عربی ترجمہ۔
ایک صفحہ : قارئین کے خطوط اور مراسلات۔
ایک صفحہ : سیاسی تحلیل و تجزیہ۔
دو صفحے : تحقیقات، سروے، روزنامچے، سفرنامے، نئی کتابوں کا تعارف اور ان پر تبصرے۔
ایک صفحہ : دینیات، اسلامی ثقافت و تاریخ۔
ایک صفحہ : ادب و شاعری، ادیبوں، فلمی اداکاروں، مغنیوں اور ملحدوں کے انٹرویوز۔
دو صفحے : متنوع خبریں، کارٹون، جنسی لطائف اور صنف نازک کی شوخ و نیم عریاں تصاویر۔
دو صفحے : کھیل اور کھلاڑی سے متعلق، کبھی تین صفحات میں کھیل کی خبریں دی جاتی ہیں۔

اگرچہ ایک صفحہ دینی مضامین کے لئے وقف ہے، لیکن آدھے سے زیادہ صفحہ پر

اشتہارات ہوتے ہیں وہ بھی خواتین کی تصاویر سے مزین ہوتا ہے(۱) جن کو اشتہار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔یعنی بقول شاعر: مسجد کے زیر سایہ خرابات...... دینی مضامین میں بھی نوجوانوں کی دینداری اور دین سے محبت کو غلو، تشدد اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ناواقفیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، سحر، جنات، تعویذ گنڈے، مغربی سماج کی خوبیوں، اور عرب وامریکہ کے اداکاروں کی خبریں اور ان کی تصاویر بکثرت ہوتی ہیں، عراق وایران جنگ میں اخبار کا کردار عراق کی ہمنوائی میں تھا۔...... فلسطین، مسئلہ کشمیر، کمبودیا، فلپائن، کوسوو، بوسنیا کے مسلمانوں سے متعلق مضامین کی روح مغربی نیوز ایجنسیوں کی فراہم کردہ خبروں، فیچرس اور تصاویر وتبصرے پر مشتمل ہوتے ہیں، بوسنیا اور کوسوا کے مسلمانوں کی نسل کشی کی امریکی پالیسی کو عدل وانصاف پر مبنی قرار دیا جاتا ہے، ناٹو کی بمباری کو اخبار نے یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے امریکہ کو خراج تحسین پیش کیا اور اس کو اسلامی دنیا کا محسن قرار دیا، اخبار نے بوسنیا اور کوسوا، صومالیہ اور سوڈان میں اقوام متحدہ کے گھناؤنے کردار کو نظر انداز کردیا۔اس کے بالمقابل عرب لیگ کا جب ذکر آتا ہے تو اس کے منفی رول کو تفصیل سے نمایاں کرتا ہے۔کھیل کھلاڑی کے صفحات میں عام طور پر عرب قوم پرستی کو ہوا دیتا ہے، جب عرب ٹیموں کا مقابلہ مغربی ٹیموں سے ہو۔اگر عرب ٹیمیں مقابلے میں ہوتی ہیں تو سعودی کھلاڑیوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔

مغربی اداکاروں اور ہندوستانی فلمی شخصیتوں میں سے امیتابھ بچن، ملکہ برطانیہ شہزادی ڈائنا، کلنٹن کی محبوباؤں کے تذکرے، تصویریں اور جزئی تفصیلات کو اہمیت کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے، غرض کہ اخبار کے کسی عنوان یا خبر یا بین السطور سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلام پسند ملک کا اخبار ہے، خود اخبار کا نام الشرق الاوسط بھی مغربی پروپیگنڈہ کی دین ہے۔

الشرق الاوسط کے ادارہ سے عرب خواتین کے لئے عموما اور سعودی خواتین کے

---

(۱) اخبار کے شمارہ (۳۳۸۹) میں لبنان یونیورسٹی میں مقابلہ حسن کی تصویر منتخب ملکہ حسن کی نیم عریاں تصاویر کے مختلف پوز۔شمارہ (۳۳۹۰) لبنان کی حسیناؤں کے دو گروپ کی چھ تصاویر، اس شمارہ کے صفحہ ۱۶ پر عریاں تصویر ہے۔شمارہ (۳۳۸۹) میں بہت کی دو حسیناؤں کی تصویریں، اس شمارہ کے صفحہ ۱۲ پر ایک حسین وجمیل تصویر کے نیچے لکھا ہے۔"دلکش اور دلبر بیوی"۔اس شمارہ میں خواتین کی سولہ عریاں تصویریں ہیں۔

لئے خصوصاً ''سیدتی'' کے نام سے ماہنامہ شائع ہوتا ہے جس کی ادارت ایک سعودی خاتون کے ذمہ ہے تا کہ اس رسالہ کو ذریعہ بنا کر سعودی معاشرہ کے شیرازہ کو بکھیرا جا سکے۔

سعودی خواتین کے قلم سے مغربی فیشن، یورپی سوسائٹی اور اس کی شخصیات کی تعریف ہوتی ہے تا کہ نفسیاتی اور ذہنی اعتبار سے مغربی تہذیب کو قبول کرنے میں آسانی ہو، ٹائٹیل پر سعودی خواتین کی تصاویر، سعودی تعلیم گاہوں کی معلمات اور طالبات کی تصویر، ان کے انٹرویوز، مضامین اور مراسلے ہوتے ہیں، ان میں مخلوط تعلیم، برقعہ، نماز، مغربی ادب وشاعری اور فلمی اداکاروں سے متعلق ان کے خیالات، ذاتی ڈائری، بین السطور اور کہیں صراحت سے اس کا تذکرہ کہ آجکل کے دور میں معیار زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کے ساتھ خواتین کو بھی کام کرنا ضروری ہوگیا ہے، سعودی خواتین بھی زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کے شانہ بشانہ ملکی ترقی میں حصہ لینے کے لئے تیار ہیں، سعودی وزارت دفاع کے ترجمان ماہنامہ الحرس الوطنی میں ایک بڑے ذمہ دار کا یہ بیان بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے ''ہم کسی کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے کہ سعودی خواتین کے رول کو ثانوی حیثیت دی جائے۔ اس بیان کے سال بھر بعد ہی خبر آگئی کہ سعودی مجلس شوریٰ میں سعودی خواتین کو نمائندگی دی گئی ہے اور عملاً انھوں نے جلسہ میں شرکت بھی کی۔

ماہنامہ ''سیدتی'' کے شمارہ نمبر (۳۸) میں مصری خواتین کی جدوجہد آزادی (حجاب کے خلاف) پر تفصیلی مضمون ہے اور اس انداز میں کہ سعودی خواتین مصری خواتین کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔

اس رسالہ کے دو شماروں میں پیرس، لندن، نیویارک، بون اور میونخ میں عرب فلم فیسٹول کا تفصیلی جائزہ، فلمی اداکاروں کی تصاویر انٹرویو کے ساتھ ہے۔

ایک شمارہ میں خاتون خانہ کی بیکاری اور دوسرے میں تعدد ازدواج پر ناقدانہ مضمون اور مسائل ومشکلات اور غلطیوں کا ذکر ہوتا ہے۔

''سیدتی الجمیلۃ'' کے عنوان سے چار صفحات پر پھیلا ہوا مستقل کالم ہوتا ہے جس میں آرائش جمال کی اشیاء، مختلف قسم کے کریم، پوڈر، شیمپو اور لپ اسٹک وکاجل کا ذکر ہوتا ہے اور یہ کہ فلاں امریکی اداکار کونسی خوشبو استعمال کرتی ہے اور جنس مخالف پر ان کے کیا

اثرات ہوتے ہیں، آپ اپنے شوہر کو متوجہ کرنے کے لئے کیا کریں، کونسے لباس استعمال کریں اور کس خوشبو کو کب استعمال کریں۔

پسند و ناپسند کے عنوان کے تحت مستقل کالم ہوتا ہے جس میں کسی عرب ملک کی شادی شدہ یا غیر شادی شدہ خاتون سے انٹرویو ہوتا ہے۔اس کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجئے:

سوال : کیا بیس سال کی عمر میں لڑکی کو شادی کر لینی چاہئے؟

جواب : میں ذاتی طور پر یہ پسند کروں گی کہ فی الحال آزاد رہوں۔

س : لڑکی کو پہلے شادی کرنی چاہئے یا محبت؟

ج : محبت۔

س : ویڈیو فلم دیکھی ہے؟

ج : جی ہاں، سہیلیوں سے لیکر یا ویڈیو کی دوکان سے کرایہ پر۔

س : آپ جذباتی ہیں؟

ج : بہت زیادہ۔

س : گانے پسند کرتی ہیں یا موسیقی؟

ج : مغربی گانے زیادہ، کبھی موسیقی سے بھی دل بہلاتی ہوں۔

س : اور کیا پسند کرتی ہیں؟

ج : ورزش پسند کرتی ہوں، اس کا لباس بھی پہننا پسند کرتی ہوں۔

رسالہ میں فقہی سوال و جواب بھی ہوتا ہے، لیکن سوالات کی نوعیت پر غور کیجئے۔

سوال: کیا مصافحہ یا بوسے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ (محرم یا نامحرم کا ذکر نہیں)

عرب خاندان میں غیر مسلم مرد اور عورت کو ڈرائیور اور خادمہ و آیا کے طور پر بھی اور دفاتر میں بطور سکریٹری کے کثرت سے رکھا جارہا ہے، اس کی وجہ سے عقائد، اخلاق، اور تہذیب کے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں وہ مستقل موضوع ہے اور اخبارات و رسائل میں برابر ان کے مضر اور خطرناک اثرات و نتائج پر بحث و تنقید ہوتی رہتی ہے۔

ہندوستانی میڈیا مغرب کے نقش قدم پر

- .....ہندوستانی میڈیا مغرب کے نقش قدم پر
- .....اباحیت کی ترویج واشاعت میں ہندوستانی میڈیا کا کردار
- .....اشتہارات کا نمونہ
- .....عالمی تہذیب کے نقشہ میں ہندوستان کی جگہ
- ..... چھوٹے بچے بڑوں کے نقش قدم پر
- .....ہندوستانی معاشرہ پر ٹی وی کے اثرات
- .....پاکستانی میڈیا پر ایک نظر
- ..... تاریخی پس منظر
- .....پاکستان کی ثقافتی پالیسی کی چند مثالیں
- .....پاکستانی معاشرہ پر مغربی میڈیا کے اثرات
- .....پاکستانی صوبہ پنجاب کی تصویر

[illegible]

- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]
- [illegible]

امریکی فلموں کے منفی اثرات پر اقوامِ متحدہ کی تشویش

''امریکی فلموں اور ٹی وی پروگراموں کے منفی اثرات پر تشویش مسلم حلقے تو عرصہ سے ظاہر کرتے چلے آرہے ہیں، تاہم اقوام متحدہ کے ذیلی ادارہ یونسکو کے زیر نگرانی کیے جانے والے ایک عالمی سروے میں بھی امریکی فلموں اور ٹی وی پروگراموں کو دنیا میں بڑھتے ہوئے جنسی اور جسمانی تشدد کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اطلاعات کے مطابق عالمی کمیشن برائے ثقافت و ترقیات نے ایک سروے رپورٹ دی کہ امریکی ٹی وی پروگراموں اور فلموں کے نتائج دنیا میں بہیمانہ تشدد، جنسی جرائم، اور غیر شائستہ زبان کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے سابق سکریٹری جنرل جینونیر پیریز کی نگرانی میں ہونے والے اس سروے میں بتایا گیا ہے کہ امریکی ٹی، وی کی اٹھارہ گھنٹے کی نشریات میں تشدد کے دو ہزار چھ سو پانچ (۲۶۰۵) اور جنسی اختلاط کے ایک ہزار نو سو اٹھاسی (۱۹۸۸) واقعات دکھائے جاتے ہیں، جو بعد میں امریکی معاشرے اور پوری دنیا کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں''۔

(یونیسکو کی ایک رپورٹ سے)

۱۲/۱۲/۱۹۹۶ء

ہندوستانی میڈیا مغرب کے نقش قدم پر

ہندوستانی میڈیا عام طور سے مغربی نیوز ایجنسیوں کا محتاج ہے، داخلی امور سے متعلق جو خبریں فراہم کی جاتی ہیں ان کا اسلوب اور رنگ مغربی ہوتا ہے؛ سانچہ دو ہیں سے بن کر آیا ہے، چند مثالیں پیش ہیں۔

روزنامہ ہندوستان ٹائمس نے ۱۶ر جنوری ۱۹۹۷ء کو کشمیر سے متعلق ایک خصوصی مضمون شائع کیا جس کا عنوان ہے ''اے'' سے ''اللہ''، ''بی'' سے ''بندوق''، اس مضمون میں کشمیر کے اسلامی مدارس کو ہدف تنقید بنایا گیا ہے، یو، این، آئی کے نامہ نگار نے لکھا ہے کہ ان مدارس میں دین کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اردو کے ساتھ عربی بھی سکھائی جاتی ہے جو غیر ملکی زبان ہے، اور ان مدارس میں اتوار کے بجائے جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے، ان مدارس میں معصوم بچوں اور نوجوانوں کو تشدد اور نفرت کی تعلیم دی جاتی ہے، اور اساتذہ سب کے سب مشکوک کردار کے ہیں، اگر چہ گذشتہ حکومت نے ان دینی اداروں کو بند کردیا تھا لیکن ان مدارس کے اساتذہ نے عدالت سے رجوع کیا، جس نے ان کے حق میں فیصلے دئے، اب پھر یہ مدارس تشدد کی تعلیم دینے میں مصروف ہوگئے ہیں۔

اس اخبار نے راجستھان کے سرحدی علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں اور سکھوں کے کردار کو مشکوک قرار دیتے ہوئے ان کے دینی مدارس اور ان میں عربی اردو تعلیم کو مسلمانوں کے خلاف کردار کشی کے لئے استعمال کیا ہے، حتی کہ مسلمانوں کے پسند ناپسند کو بھی اخبار نے ہدف تنقید بنایا ہے۔

ہندوستان کے سرکاری وغیر سرکاری حلقوں سے یہ خبر بار بار مختلف اسالیب میں پھیلائی جاتی ہے کہ دینی وعربی مدارس آئی، ایس، آئی کا اڈہ ہیں، اسلامی ملکوں کے علاوہ کسی ملک میں کہیں بھی دہشت گردی کی کارروائی ہوتی ہے، تو اس کو صرف دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بابری مسجد کو ڈھانے والوں کو کارسیوک (رضا کار) کہا گیا جبکہ وہ سراسر غنڈہ گردی اور ڈکیتی تھی۔ عراقی ایٹمی ریکٹر پر اسرائیلی حملہ کو یہودی دہشت گردی یا لبنان کے صابرا وشتیلا کیمپوں پر اسرائیلی بمباری کو یہودیوں سے منسوب نہیں کیا گیا اور نہ

ہی آئرلینڈ کے عیسائیوں کی دہشت گردی کو عیسائی دہشت گرد قرار دیا گیا، اور نہ ہی ہندو دہشت گردان غنڈوں کو قرار دیا گیا جنھوں نے پی اے سی کے تعاون سے ہمیشہ مسلمانوں کو تہ تیغ کیا، اور جبل پور و جمشید پور، راوڑکیلا اور بھاگلپور، مرادآباد میرٹھ، ملیانہ کے قتل عام میں بھرپور حصہ لیا، اور آر، ایس، ایس نے اس مقصد کے لئے انھیں تیار کیا، ندوۃ العلماء پر چھاپہ اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نیز دیگر مسلم قائدین اور دینی جماعتوں کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے، یہ سب یہودی مقاصد کی تکمیل کے اسالیب ہیں۔

اباحیت کی ترویج واشاعت میں ہندوستانی میڈیا کا کردار

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے ہندوستانی معاشرہ کی ایک بنیادی کمزوری کو براہِ راست بیان کرنے کے بجائے یہاں کے شاعر وصورت گرد افسانہ نویس کے ذہنوں اوراعصاب پر جنسیات کے غلبہ کا ذکر کیا ہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ہندوستان کی قدیم تاریخ نے جنسی پہلوؤں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز کی ہے، ایلورا، اجنٹا اور کھجوراہو میں موجود مجسمے اور نقوش، یہاں کی مذہبی کتابوں اور اس مذہب سے متعلق شخصیات، دیوی، دیوتاؤں کی تصویر کشی اور ان کے جنسی مشغلوں میں بھی یہ پہلو غیر معمولی حد تک غالب ہے، بلکہ جنسی اتصال وتعلقات نے تقدس کا درجہ حاصل کرلیا تھا، جس کے اثرات لازمی طور پر ہندوستانی معاشرے پر پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے شعراء وادباء اور جدید دور کے ترجمان اور قدیم ہندوستان کی تاریخ اور اس کی معاشرتی، مذہبی اور تہذیبی خصوصیات کی تصویر کشی کرنے والے فلم سازوں نے اپنی تخلیقات میں اس پہلو کو نئی سمتیں اور وسعتیں دی ہیں، ہم اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر سے جس چیز کو عریاں اور فحش اور بیہودہ قرار دیتے ہیں، اور اسلامی تصور عصمت وعفت کے خلاف سمجھتے ہیں وہ یہاں کی اکثریت کی نظر میں عین تقدس بلکہ مذہبی وثقافتی وراثت ہے، جس کا سرچشمہ کام شاستر، ایلورا، اجنٹا اور کھجوراہو کے غار ہیں، اور مہادیو اور کرشن کی جنسی بوالعجبیاں ان کیلئے عملی نمونہ کی حیثیت رکھتی ہیں، بڑی حد تک یہ خیال سچ نہیں ہے کہ ہندوستان میں عورتوں کی موجودہ عریانیت مغرب کی دین ہے جو فلموں اور ٹی، وی کے وسیلوں سے ہم تک پہونچتی ہے ہندوستان نے صدیوں قبل کام شاستر کو ایک

ثقافتی وراثت اور اس کی تخلیق پر مبنی تعمیر ایلورا، اجنتا اور کھجوراہو کی شہوت انگیز مورتیوں کو ثقافتی اور مذہبی زیارت کا درجہ دے رکھا ہے، اس کتاب کا برہمن مصنف آج بھی قدیم سیکس گرو کے نام سے ہندوستانی معاشرہ میں قابل تعظیم مانا جاتا ہے۔ چوتھی صدی عیسوی کی یہ تصنیف مغرب میں ایک صدی قبل تک ''شجر ممنوعہ'' تھی، ہندوستان سے اسمگل ہو کر جانے والی یہ کتاب یورپی خاندانوں میں بہت چھپا کر پڑھی جاتی تھی، برطانیہ میں اس کی دستیابی ۱۹۶۲ء میں شروع ہو سکی، جبکہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل ہندوستان میں کام شاستر کا مطالعہ نابالغ اسکولی بچوں کو سن بلوغت میں پہونچانے کا ایک ذریعہ تسلیم کیا جاتا تھا، کام شاستر کا ایک درس یہ بھی ہے کہ دوسرے کی بیویوں کو کیسے رجھایا جا سکتا ہے، غیر فطری جنسی حرکتوں، ہم جنسی، اور جسم فروشی کی ایسی ترکیبیں اس کتاب میں موجود ہیں کہ موجودہ دور کے تمام تر بیسوائی ادب شرم سے پانی پانی ہو جائیں گے، مبالغہ نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ ہندوستان تاریخی، تہذیبی اور مذہبی اعتبار سے نظریہ لذتیت کا قائل اور داعی ملک رہا ہے۔

یہی نہیں بلکہ کام شاستر جنس کو مال وزر کے حصول کا ذریعہ بنانے کیلئے بھی کئی اصول پیش کرتا ہے، زر اور زن کا تعلق موجودہ زمانہ میں جو تباہیوں کا باعث ہے، کام شاستر کے نزدیک ایک قابل قبول شے ہے، اسی لئے یہاں کی فلموں، ٹی وی سیریز، ناولوں، ڈراموں، افسانوں اور اخبارات ورسائل میں جس طرح اس بیسوائی ادب کو مدلل اور مزین انداز میں مذہبی وتہذیبی اور تاریخی وثقافتی ورثہ بنا کر پیش کیا جا رہا ہے وہ یہاں کی معاشرتی ومذہبی زندگی کی عکاسی ہے، فحش رسائل، فلموں اور جنسی تعلقات پر مبنی سیریز کی تائید وحمایت میں ہندوستانی میڈیا بہت سرگرم اور اس کو تقدس کا درجہ دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔

آزادی کے بعد سے ہندوستان میں مغربی فلموں کی نقالی میں جو فلمیں تیار ہوئیں اور جو رسائل وناول شائع کئے گئے ان میں تدریجی طور سے جنسی تعلقات کی وکالت وحمایت میں دلائل فراہم کئے جاتے تھے۔ ۱۹۶۰ء کے بعد آزادانہ جنسی تعلقات پر مبنی ناول فحش انداز میں لکھے تو جاتے تھے لیکن انھیں خفیہ طور سے سپلائی کیا جاتا تھا، ایک خاندان کے لوگ صاف ستھری فلمیں (جو گھریلو تعلقات اور پاکیزہ معاشرتی پہلوؤں کو پیش کرتی تھیں) دیکھنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے تھے، لیکن ثقافتی وتہذیبی تبادلوں کے نام پر مغرب کی جو

فلمیں یہاں دکھائی جاتی تھیں، انھوں نے ہندوستان کے ذوق ومعیار دونوں ہی کو بگاڑ کر رکھ دیا، ان مغربی فلموں کو پہلے بالغوں کیلئے مخصوص کردیا جاتا تھا، لیکن اب تو زیادہ تر ہندوستانی فلمیں بالغوں ہی کیلئے بنائی جاتی ہیں، پہلے یہ فلمیں سینما گھروں میں دکھائی جاتی تھیں، اب وی سی آر کی بدولت اور ڈش انٹینا اور انٹرنٹ کی ایجاد کی وجہ سے دینی واخلاقی قدروں سے ناآشنا گھر سینماہال اور عریاں کلب میں تبدیل ہورہا ہے۔

عریاں فلموں کے علاوہ ہندوستان کے طول وعرض میں اس وقت کم ازکم ایک سو ایسے رسائل نکل رہے ہیں، جو عورت کے تقدس اور ان سے وابستہ اخلاقی اقدار کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہیں، اس نوع کے رسائل میں فینٹسی (FANTACY) ایک ایسا نام ہے جس نے فی الحال باقی ماندہ اقدار واخلاقیات کی تمام آوازوں کو دبا کر رکھ دیا ہے، یوں تو یہ رسالہ اپنی اشاعت کے ساتویں سال میں ہے تاہم ۱۹۹۴ء کے وسط میں یہ رسالہ اس وقت اخبارات کی سرخیوں میں آیا جب اس میں ایک اسکولی طالبہ کی عریاں تصویر شائع کی گئی، رپورٹ کے مطابق دہلی کی ایک سولہ سالہ طالبہ کو کچھ فوٹو گرافروں نے ورغلا کر اس کی ننگی تصویریں کھینچیں اور انھیں فینٹسی کے ایک شمارہ میں شائع کروادیں، لڑکی کے والدین نے جب پولیس میں رپورٹ درج کرائی تب پولیس نے رسالہ کے ایڈیٹر کو بھارگوا اور کچھ فوٹو گرافروں کو گرفتار کرلیا، لیکن جلد ہی معمولی ضمانت پر انھیں رہا بھی کردیا۔

اس واقعہ سے ہندوستانی میڈیا میں یہ بحث چھڑ گئی کہ کیا ایڈیٹر کی گرفتاری آزادئ پریس پر حملہ ہے یا ایک غیر اخلاقی اور غیر قانونی حرکت کے خلاف تادیبی کاروائی؟ نہ کہ یہ بحث کہ اس قسم کی اشاعتیں معاشرہ کے لئے کس قدر مسموم اور تباہ کن ہیں۔

اس واقعہ کے چند مہینے کے بعد ہی دہلی کی ایک خاتون وکیل انجلی کپور نے اپنی برہنہ تصویریں اس رسالہ میں چھپوائیں، انھوں نے دلیل یہ دی کہ اگر عورت اپنا چہرہ دکھا سکتی ہے تو جسم کے دوسرے حصے کیوں نہیں دکھا سکتی، بہرحال یہ میرا جسم ہے، میں اس جسم کے ساتھ جو چاہوں گی کروں گی، عورتوں کے حقوق کی مدافعت میں پیش پیش رہنے والی خاتون مدھو کشور نے کہا کہ ''ان فحش رسائل کے خلاف ہنگامہ آرائی کٹھ ملائیت ہے''۔

فینٹیسی کے علاوہ ڈیبونیر (DEBONAR) نامی ایک اور نگریزی رسالہ ہے

جومدت سے شائع ہورہا ہے، اپنی تمام ترعریانیت کے باوجود نام نہاد ترقی پسند حلقوں میں مقبول ہے، ان دو رسالوں کے علاوہ ڈیڑھ سو سے زائد گجراتی، ہندی، مراٹھی، ٹمل اور کنڑ زبانوں میں شائع ہورہے ہیں اور تمام حدود پار کرکے ہندوستانی معاشرہ کو جنسی سمندر میں ڈبورہے ہیں۔ یہ تعجب کی بات نہیں کہ ان رسائل کو رجسٹرار نیوز پیپر کی طرف سے رجسٹریشن حاصل ہے۔

فینٹیسی کی اشاعت آٹھ لاکھ سے تجاوز کرچکی ہے، یہی حال ڈیبونیر کا ہے، ان کے علاوہ فحش ناولوں کی بھرمار ہے، اب تو ان ناولوں میں برہنہ تصویریں بھی ہوا کرتی ہیں تاکہ قارئین فحش ادب سے تسکین نہ پاسکیں تو تصویریں دیکھ کر ہی آنکھیں سینک سکیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے ایک ریسرچ اسکالر اروند کمار نے ان فحش ناول اور برہنہ تصاویر کو دیکھ کر کہا کہ ”یہ ننگی تصویریں اسمیک سے بھی زیادہ خطرناک ہیں، یہ بتدریج مجھے ختم کرتی جارہی ہیں“ تحقیقات میں اس نے یہ اعتراف کیا کہ ”میرے کمرہ میں درجنوں فحش رسائل اور ناول کے علاوہ برہنہ تصاویر سینکڑوں کی تعداد میں ہیں، میں انھیں پڑھتا اور دیکھتا ہوں اور غیر فطری حرکتوں کے ذریعہ اپنی صحت تباہ کرتا ہوں“۔

عریاں تصویریں اور ٹی، وی فلموں سے تحریک پاکر دو اسکولی طلبہ نے دہلی کی ایک اسکولی طالبہ کا اغوا کیا اور سنسان مقام پر لے جاکر اس کی عصمت دری کی، اور کیمرے میں انھوں نے اس بدفعلی کو محفوظ کرلیا تاکہ انھیں رسائل کو فروخت کرسکیں۔

جلگاؤں (مہاراشٹر) میں بھی ایک ایسا اسکینڈل منظر عام پر آچکا ہے جس کا سلسلہ کئی سال سے جاری تھا، درجنوں لڑکیاں اس میں ملوث پائی گئیں، تحقیقات سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ آمدنی بڑھانے کیلئے دونوں فریقوں نے رضامندی سے یہ دھندا کیا تھا، جیسا کہ فینٹیسی کے ایڈیٹر نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ ”ہم کیا کریں؟“ ہمارے پاس شادی شدہ عورتوں، طالبات، نجی اداروں میں اچھے عہدوں پر فائز لڑکیوں، یہاں تک کہ کچھ کنواری لڑکیوں کے والدین تک کے متواتر ٹیلیفون آتے رہتے ہیں، جن میں ہم سے لڑکیوں کی برہنہ تصویریں شائع کرنے کی درخواست کی جاتی ہے، اس لئے کہ انھیں آمدنی کا ذریعہ چاہئے۔“ بمبئی کی ایک شادی شدہ خاتون کہتی ہیں کہ ”میں دولتمند ہوں، مجھے ننگی تصویریں

کھینچوانے کا شوق ہے، میرے شوہر کہتے ہیں کہ جب تم خوبصورت ہو تو یہ جسم دوسروں کو بھی دکھاؤ تا کہ میں فخر کر سکوں کہ میں بھی ایک خوبصورت بیوی کا شوہر ہوں"۔

دہلی کے خالصہ کالج کی اکیس سالہ طالبہ کا کہنا ہے کہ "جب ممتا ککلرنی اور پوجا بھٹ فلموں میں ننگے مناظر میں آتی ہیں اور اداکارہ کہلاتی ہیں اور معاشرہ میں وہ معزز شمار کی جاتی ہیں تو ہم کیوں اپنے جسم کی نمائش نہیں کر سکتے"؟ اس طرح کے دلائل خشونت سنگھ جیسے نامور صحافی بھی دیتے ہیں، وہ فینٹیسی اور ڈیبونیر جیسے فحش رسائل اور ناولوں کی مدافعت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ان جیسے رسائل جنسی طور سے محروم لوگوں کی بڑی خدمت کر رہے ہیں"۔ لیکن یہ شاید ان کو نہیں معلوم کہ اس طرح کے رسائل دولت مند طبقہ ہی پڑھتا ہے، دوسرے یہ کہ ان سے تسکین کے بجائے تحریک ملتی ہے، اس لئے زنا اور زنا بالجبر کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے۔

فحش ٹی، وی سیریز اور جنسی اختلاط پر مبنی فلموں کو ٹی، وی، پر دکھانے کی مدافعت کرتے ہوئے جین ٹی، وی کے مالک ڈاکٹر جے۔ کے جین کہتے ہیں کہ ہم سیکس سے لطف اندوز ہونے والی فلمیں دکھاتے ہیں، آخر اس میں غلط کیا ہے؟ اس طرح کی ننگی تصویریں دیکھ کر لوگ تھک جائیں گے تو زنا بالجبر کے واقعات خود بخود کم ہو جائیں گے۔

ان فحش رسائل اور ناولوں کے علاوہ ٹی، وی پر مانع حمل اشیاء کے اشتہارات ایسے انداز میں دکھائے جاتے ہیں کہ انسانیت شرم سے پانی پانی ہو جائے۔ (۱)

قومی اخبارات میں کام سوتر نامی کنڈوم کے اشتہار کی اشاعت میں خاصی بیسوائی کا مظاہرہ کیا گیا ہے، اشتہار میں تقریباً ۹۵٪ برہنگی کے عالم میں ایک نوجوان جوڑا ایسی

---

(۱) ٹی، وی پر جس طرح خاندانی منصوبہ بندی کا اشتہار عریاں انداز میں دکھایا جاتا ہے وہ بڑا دم کا منظر ہوتا ہے۔ کم سن بچے، بچیوں پر جو اثر ہوتا ہے اور والدین سے وہ جس طرح سوال کرتے ہیں اور جس طرح "ہم دو ہمارے دو" کا تصور ان کے ذہنوں میں بٹھایا جاتا ہے، اس کا ایک رخ تو یہ ہوتا کہ بچے تیسرے کی آمد پر ناگواری اور نفرت کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ مصر میں دو بچوں نے مل کر تیسرے نوزائیدہ بھائی کا گلا گھونٹ دیا، ان معصوم بچوں نے جواب دیا کہ تیسرے کو ہم کبھی گوارہ نہیں کر سکیں گے۔ ہندوستانی ٹی، وی پر کنڈوم کے اشتہار کو مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے، اعتراض پر یہ جواب ملا کہ اس سے زیادہ ہیجان خیز تصاویر تو ہمارے مندروں میں ہیں۔ (ملاحظہ ہو ڈاکٹر رفیق خاں کا مضمون "اشتہارات اور معاشرہ" قومی آواز ۱۲ر جنوری ۱۹۹۶ء)۔

مصروفیات میں محو ہے جو صرف ایک بڈ روم کا منظر ہو سکتا ہے۔
مختلف زاویوں سے دعوت نظارہ دیتی ہوئی ان تصاویر کا تعلق کسی اصلاحی مہم سے نہیں، سمندر کے ساحل پر وہ جوڑا جس حالت میں مشغول ہے وہ پلے بوائے (PLAY BOY) (امریکہ کا فحش ترین رسالہ) اور لیس میکر جیسے فحش رسائل کے مضامین وتصاویر کو بھی شرمندہ کر کے رکھ دے۔

ان فحش رسائل اور فلموں کے علاوہ فحش ادب نے ہندوستانی معاشرہ کو فحاشی اور جنسی انارکی کا ایک اور تحفہ دیا ہے، جسے مغربی ممالک میں SPUOSE SWAPHING یا COUPLE EXCHANGE کہتے ہیں۔

لیکن اب یہ ''فیشن'' مغرب پر موقوف نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہندوستان اپنے قدیم نظریے ''سولہ شوہر ایک خاتون'' پر نئے انداز سے آگے بڑھ رہا ہے۔

انڈیا ٹوڈے کے ایک سروے کے مطابق ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں دھڑلے کے ساتھ اس پر عمل ہو رہا ہے، فحش رسائل کا اس عمل میں کتنا بڑا رول ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشتہار سے ہو سکتا ہے جو ہر ماہ سینکڑوں کی تعداد میں شائع ہونے والے فحش رسائل میں چھپ رہے ہیں:

اشتہار کا نمونہ

''میرا نام رویندر موہن ہے، عمر ۲۵ رسال، تعلیم ایم ،اے اور بیوی کا نام سنیتا ہے، اس کی عمر ۲۰ رسال ہے، ہم لوگ نہایت وسیع النظر ہیں، ہمیں ننگی فلمیں اور فحش رسائل دیکھنے کا شوق ہے، میاں بیوی ہونے کے ناطے ہم ایک دوسرے کو جنسی اسرار ورموز سے واقف اور لطف اندوز کرا سکتے ہیں، اگر آپ اپنی بیوی کا تبادلہ ہماری بیوی سے کرنا چاہیں تو اس پتہ پر رابطہ قائم کریں''۔

فینٹیسی کے صرف ایک شمارہ میں ایسے باون اشتہارات قلمی دوستی کے کالم میں شائع ہوئے ہیں، ایڈیٹر وکی بھارگوا کے مطابق ہر اشتہار کے جواب میں دس جوابی خطوط کم از کم ضرور ملتے ہیں۔

اپریل ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں ایسے ستر اشتہارات کے جواب میں چھ سو وسیع النظر میاں بیویوں کے جوابات آئے۔

بی ایم، اڈلیس (B.M.ADS) بومبے آئیٹ (BUMBAY YETE) جیسے فحش رسائل کے ایک شمارہ میں اس نوعیت کے چھ سو اشتہارات شائع ہوتے ہیں، فیسولیس، پلے دے، اور گائز اینڈ گالز میں چھپنے والے یہ اشتہارات فحاشی کے اس فن کو مزید بڑھاوا دے رہے ہیں، اس کا عملی مظاہرہ اونچے درجہ کے ہوٹلوں میں بیویوں کا تبادلہ کنجیوں کے تبادلہ کی شکل میں ہوتا رہتا ہے۔

اس عمومی جنسی اختلاط میں نہ عمر کی قید ہے اور نہ ہی رشتوں کی، متعدد نوجوانوں نے اس کا اقرار کیا کہ وہ اس تبادلہ میں سگی بہنوں، چچی، بھانجی، حتی کہ اپنی اولاد سے بھی لطف اندوز ہو چکے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ زندگی تھوڑے عرصہ کے لئے ملی ہے، اس مختصر مدت میں جو لطف اٹھانا ہو وہ اٹھالیا جائے، آخر ہماری اولاد بھی نوجوان ہے، ان کی بھی خواہشات کا احترام کرنا چاہئے، اور انھیں آزادانہ جنسی اختلاط کے مواقع فراہم کرنا چاہئے، ہم جب آزاد ہیں تو ہماری اولاد کو بھی آزاد رہنا چاہئے، وہ اپنی راہ اختیار کرنے میں اسی طرح آزاد ہیں جس طرح ہم۔ آخر میں انڈیا ٹوڈے کا نامہ نگار اس فقرے پر اپنی رپورٹ ختم کرتا ہے ''بہر حال یہ تو ثابت کرنا ہی ہے کہ ہندوستان کام شاستر کی سرزمین ہے''۔

جس سرزمین میں جنسی آزادی اور میل جول کو تقدس کا درجہ دے دیا گیا ہو اس میں اگر اس طرح کے رسائل شائع ہوں وہ بھی ''سرکاری سرپرستی'' اور ''دانشوروں'' کی تائید وحمایت میں اور جنسی آزادی کی دعوت عام دی جائے تو تعجب کی بات نہیں، دوسرے اگر فریقین باہمی رضامندی سے یہ کام کریں تو بھی قابل گرفت نہیں جیسا کہ مغربی قوانین کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہندوستانی قانون کہتا ہے، ایسی صورت میں عصمت دری اور زنا بالجبر کی کثرت وعمومیت اور اس پر احتجاج کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے، اور نہ ہی یہ اکثریت کے لئے کسی طرح خطرہ قرار دیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ ان کی نظر میں اس کو تقدس کا درجہ حاصل ہے، اور ان کے معبودوں کی ایک تعداد کو آزادانہ جنسی سرگرمیوں کے میدان میں بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے، سنگین مسئلہ تو مسلمانوں کے لئے ہے جو صدیوں سے ان کے پڑوس او

رر فیق ہیں، زندگی کے بہت سے معاملات، عقائد، اور سماجی و اخلاقی امور میں ان سے متاثر ہیں، مغربی طرز تعلیم اور فحاشی کے سیل رواں نے مسلم معاشرہ کے شیرازہ کو بھی ایک حد تک بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سے اکثریت عقائد، معاملات اور اخلاقی اور معاشرتی امور میں مسلمانوں سے متاثر ہوئی تھی، مسلمان جب تک حکمراں رہے ان کی تہذیب کے اثرات اکثریت پر پڑتے رہے، استعمار کی آمد کے بعد سے جہاں مسلمانوں کا معاشرتی ڈھانچہ متاثر ہوا ہیں ہندو معاشرہ بھی کام شاستر کے تیز دھارے کی زد میں آ گیا، مسلمانوں کے پاس تو اس گئی گذری حالت میں بھی خوف خدا، شرم وحیاء، اور عفت و پاکدامنی کے واضح تصورات اور مستحکم اخلاقی حدود و قیود اور ازدواجی زندگی کے ٹھوس اصول اور پیغمبرانہ نمونہ موجود ہے، حرام وحلال کی تعیین ہے، اکثریت کے یہاں نہ عبادات وعقائد ہیں، نہ تعیین ہے اور نہ ہی حرام وحلال کے حدود و تعینات ہیں، جدید مغربی نظام تعلیم وتربیت نے مسلمانوں کے مستحکم خاندانی نظام میں رخنہ ڈالنے کی بڑی کوشش کی ہے، اسی طرح آزادانہ اور مخلوط نظام تعلیم نے غیر مسلموں کے ساتھ شادی کے کچھ مناظر دکھائے، سخت پردے کے بعد بے پردگی کا سیلاب آیا، جدید تعلیم نے جدید تعلیم یافتہ ہی نہیں روایتی طور پر دیندار گھرانوں کے مضبوط قلعوں میں شگاف لگانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے، عرب ممالک میں کمائی ہوئی دولت اور ڈش انٹینا کے کلچر نے مسلم سماج کے تانے بانے کو کمزور کر دیا ہے، ہندوستانی مسلمان جنسی واخلاقی جرائم میں کتنے آگے ہیں اس کا کوئی رکارڈ تو ہمارے پاس نہیں، لیکن پڑوسی پاکستان کے معاشرہ کے متعلق جو تازہ ترین اعداد وشمار دستیاب ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ پنجاب میں ایک سال کے اندر اخلاقی جرائم کا گراف غیر معمولی سرعت سے اوپر کی طرف جا رہا ہے اور وہ اپنے ہندو پڑوسی سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

عالمی تہذیب کے نقشہ میں ہندوستان کی جگہ

دہلی سے شائع ہونے والے ماہنامہ یوجنا کے شمارہ اگست ۱۹۹۵ء میں ڈاکٹر سوبتا

باخری کی ایک سروے رپورٹ شائع ہوئی جس میں انھوں نے دہلی کی حد تک معاشرہ پر سینما کے مثبت اور منفی اثرات کے سلسلہ میں لوگوں سے جو سوالات کئے ان کے جوابات کا تجزیہ کرتے ہوئے انھوں نے مندرجہ ذیل نتائج نکالے ہیں:

مثبت: تفریح، معلومات میں اضافہ، جذبات کی تسکین۔

منفی: غلط اقدار کی تعلیم و تلقین، سماجی اور جنسی تشدد اور اخلاقی جرائم کی تخلیق، حقیقت کے بجائے خیالات کی دنیا میں پہونچانا، بجائے اس کے کہ مسائل ومشکلات کا سامنا کیا جائے اور انھیں حل کیا جائے، تخریبی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی، غنڈوں، قاتلوں، زانیوں، اور دیگر اخلاقی مجرموں کے ساتھ ہمدردی، اور سماجی و تعلیمی اداروں کے تئیں حقارت پیدا کرنا۔

۳۳٪ کی رائے تھی کہ فلموں کو دیکھنے سے سکون ہوتا ہے۔ ۶۷٪ کی رائے یہ تھی کہ سینما کا رول سماجی اور جنسی تشدد بڑھانے میں بہت زیادہ ہے۔

۳۴٪ کی رائے یہ تھی کہ دس سال پہلے تک سینما تفریح کا ذریعہ تھا، مگر اب جنسی و اخلاقی انحراف اور تشدد دکھانے کے ادارے بن گئے ہیں۔

اس سروے رپورٹ کی روشنی میں صرف دہلی کی حد تک جو سروے رپورٹیں اور حکومت کی طرف سے فراہم کئے ہوئے حقائق شائع کئے جاتے ہیں، ہم بغیر کسی تبصرے کے آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں، انھیں پڑھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہندوستانی سماج کس دلدل میں دھنستا جارہا ہے۔

سہ روزہ دعوت دہلی نے ''یہ خبریں ہندوستان کی ہیں'' کی سرخی کے تحت مندرجہ ذیل خبریں درج کی ہیں: پچھلے دنوں میں خبر آئی تھی کہ مرکزی حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار بیرو کریٹ نے اپنی صاحبزادی کے ساتھ منہ کالا کیا، اسی طرح کی ایک خبر ایک مرکزی وزیر باتدبیر کے سلسلہ میں بھی آئی کہ وہ بھی عرصہ تک اپنی لڑکی کو تباہ و برباد کرتے رہے، تیسری خبر نئی دہلی کی عدالت کے مجسٹریٹ ایس۔ ایس ملہوترا کے بارے میں آئی ہے کہ موصوف نے زنا بالجبر کی تحقیق کے بہانے مظلوم خاتون کے ساتھ اپنے سرکاری چیمبر میں دست درازی کی، چوتھی خبر بھی نئی دہلی کے ستیہ پرکاش یادو کی ہے، جو ایک سیاسی پارٹی کے بڑے

اہم رکن ہیں، موصوف کو پولیس نے اس الزام میں گرفتار کیا کہ انھوں نے خود اپنی ہی بیٹی کے ساتھ منہ کالا کیا پھر اسے قتل کر کے اپنے مخالف کے گھر کے قریب پھنکوا دیا، یہ بچی آٹھ سال کی تھی یہ لیڈر صاحب اس سے پہلے مالک مکان کی دو بہنوں کی آبرو ریزی کر چکے تھے۔

قریبی رشتہ داروں کے ساتھ جنسی جرائم کا دوسرا نمونہ یوپی کے شہر اناؤ کا ہے، جہاں "قومی آواز" کی رپورٹ کے مطابق ضلع تھانہ بارہ سگور کے ایک گاؤں میں ایک عیاش شخص جنگ بہادر سنگھ نے پہلے اپنی بیوہ بہو کے ساتھ ناجائز جنسی تعلقات قائم کئے، اس کے بعد اپنی مطلقہ جوان بیٹی اور اپنی نواسی سے بھی جنسی تعلقات زبردستی قائم کر لئے، عیاش باپ کی یہ حرکت دیکھ کر مطلقہ بیٹی نے کرایہ کے ایک قاتل کے ذریعہ اسکو قتل کرادیا۔(۱)

دہلی کے پولیس کمشنر نے سال ۱۹۹۵ء کے اختتام پر اپنی کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ ۱۹۹۴ء کی بہ نسبت ۱۹۹۵ء میں جرائم کے واقعات میں ۲۴٪ کا اضافہ ہوا۔ یہ واضح رہے کہ صرف بیس فیصدی جرائم کے واقعات پولیس رکارڈ میں درج کرائے جاتے ہیں، پولیس کمشنر نے یہ بھی بتایا کہ پولیس کی حراست میں لئے جانے والے تقریباً ۸۸٪ مجرمین ایسے تھے جنھوں نے پہلی بار جرم کیا تھا، پہلے سے ان کے جرائم کا کوئی پس منظر نہ تھا۔

جرائم کے اضافہ کے اسباب ومحرکات اگر تلاش کئے جائیں گے تو مندرجہ ذیل اسباب ومحرکات ملیں گے: فحش اور عریاں فلمیں، اور ٹی، وی سیریل، گندی اور مخرب اخلاق کتب اور رسائل، نائٹ کلبوں اور ہوٹلوں میں نیم عریاں رقص، شہوت انگیز سینما پوسٹر اور تصاویر، جنسی اشتعال پیدا کرنے والے اشتہارات، جسم کی ساخت کو نمایاں اور عریاں کرنے والے مختصر اور تنگ زنانہ لباس، مخلوط تعلیم، بازاروں، کلبوں، کالجوں، اسکولوں، اور تفریح گاہوں میں مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل ملاپ، نیز ام الخبائث اور دیگر منشیات کا بے دریغ استعمال۔

---

(۱) روزنامہ قومی آواز، ۵ رستمبر ۱۹۹۶ء

چھوٹے بچے بڑوں کے نقش قدم پر

روزنامہ پانیر دہلی (۷ر دسمبر ۱۹۹۴ء) اور روزنامہ ٹائمس آف انڈیا لکھنؤ (دسمبر ۱۹۹۶ء) نے دہلی اور اتر پردیش میں کمسن بچوں میں جرائم کے متعلق تفصیلی رپورٹیں شائع کی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نئی نسل کس راہ پر جا رہی ہے۔

روزنامہ پانیر نے جو سروے شائع کیا ہے اس کے مطابق دہلی میں ہر ماہ دو ہزار غیر شادی شدہ لڑکیاں اسقاط حمل کراتی ہیں۔ دہلی کی مختلف عدالتوں میں عصمت دری کے ۸۹۴ واقعات پر مقدمے چل رہے ہیں۔ پورے ملک میں ۱۹۹۶ء میں ایک سال کے اندر عصمت دری کے چالیس ہزار واقعات ہوئے، جبکہ ۹۰٪ فیصد عصمت دری کے واقعات بدنامی کے خوف سے پولیس میں درج نہیں کرائے جاتے۔ (۱)

دہلی میں جرائم کا تجزیہ واقعات اور اعداد کی روشنی میں کرتے ہوئے اخبار پانیر دہلی کے کرائم کمشنر کے حوالے سے لکھتا ہے کہ ایک تیرہ سالہ طالب علم اپنے بستہ میں چاقو رکھ کر اسکول کے بینک گیا اور خزانچی کو چاقو دکھا کر کہا کہ سب کچھ حوالے کر دو۔

تین کم عمر لڑکوں نے ایک بائیس سالہ طالبہ کی عصمت دری کی، لڑکیوں کو چھیڑنا، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکیوں کو تفریحاً کاروں میں اغوا کر کے لے جانا، تفریح اور پیسوں کے لئے کاروں کی چوری، عورتوں کے گلے سے سونے کی زنجیریں کھینچنا، یہ دہلی کے کم سن لڑکوں کے روزمرہ کے جرائم ہیں، پولیس کے بقول جنسی جرائم اور تشدد کو سٹیلائٹ اور ٹی، وی میں اجاگر کیا جاتا ہے، کھیل ٹی وی اور انٹرنیٹ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا ہے، عریاں لٹریچر کم قیمتوں پر اور بلیو فلموں کے کسیٹ کی لائبریری ہر گلی اور چوراہے پر موجود ہے۔

---

(۱) ۱۹۹۴ء میں یہ تعداد ستائیس (۲۷) ہزار تھی۔ انڈیا ٹوڈے (۱۶ر جنوری ۱۹۹۷ء) کے جائزہ سے معلوم ہوا کہ امریکہ کیطرح یہاں بھی منٹ اور گھنٹہ کے تناسب سے جرائم ہو رہے ہیں، مثلاً پینتالیس (۴۵) منٹ پر ایک زنا بالجبر، ہر چھبیس منٹ پر جنسی چھیڑ چھاڑ ہر ایک گھنٹہ پندرہ منٹ پر ایک عورت جہیز کی خاطر جلادی جاتی ہے، اور ہر تینتیس منٹ پر ظلم و زیادتی کا شکار ہوتی ہے ہفت روزہ سنڈے نے کیم جون ۱۹۹۷ء کے شمارہ میں HELP LINE نامی سماجی تنظیم کے ذریعہ کئے جانے والے سروے میں ان اعداد و شمار پر اپنی توجہ مرکوز کی ہے جن میں باپ بیٹی، ماں بیٹے، بھائی بہن اور چچا ماموں وغیرہ کے درمیان جنسی تعلقات قائم ہو رہے ہیں۔ یہ تعداد بھیانک حد تک بڑھ رہی ہے۔

مالدار گھرانوں کے سات نوجوانوں کو اجتماعی جرائم میں اور آٹھ کو کاروں کی چوری میں گرفتار کیا گیا، دو کم عمر لڑکوں نے ایک ماہ کے اندر اپنے علاقے سے گیارہ کاریں چوری کیں، لڑکیوں پر رعب جمانے کے لئے صرف مغربی دہلی میں ۱۹۹۳ء میں نوجوانوں میں جرائم کی رفتار حیرت انگیز ہے، گرفتار ہونے والے نوجوانوں کی تعداد ایک سودس ہے، ان میں ۲۴ پر عصمت دری، ۲۵ پر قتل، ۲۷ پر اقدام قتل، ۲۰ پر ڈکیتی، ۱۴ لڑکوں پر گلے سے زنجیر کھینچنے کے جرائم میں مقدمات چلائے گئے، ان نوجوانوں میں ۹۵٪ مالدار گھرانوں کے تھے۔ ۱۹۹۱ء میں پانچ بچوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا، چار بچوں کی عمریں ۱۲ سے سولہ برس کی تھیں۔ پھر ۱۹۹۲ء میں نو بچوں کو قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا، ان میں سات بچوں کی عمریں سولہ سال سے کم تھیں۔ پولیس کمشنر نے ان جرائم کے وجوہات واسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بچوں کو گھروں میں تحفظ حاصل نہیں ہوتا، والدین اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، خاندانی شیرازہ بکھرتا جارہا ہے، سماجی واخلاقی قدریں ختم ہوتی جارہی ہیں، کیبل ٹی وی نے رہی سہی کسر پوری کردی ہے، ادھر ایک سال سے انٹرنٹ نے تباہی میں مزید اضافہ کیا ہے، ہماری پیشگوئی ہے کہ حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔

دوسری رپورٹ ٹائمس آف انڈیا لکھنؤ کی ہے جو اس کی خاتون نامہ نگار منجری مشرا نے مرتب کی ہے جو چونکا دینے والی ہے اور عبرت انگیز بھی، اس رپورٹ کا خلاصہ جو یوپی کا اخلاقی گراف ہے پیش ہے تاکہ سندر ہے۔ لکھنؤ ۲۹ رنومبر ۱۹۹۶ء، ابھی تو ان میں سے بیشتر کے سبزہ کا آغاز نہ ہوا ہوگا، مگر ان کا دماغ خوب کام کرتا ہے، مغرب کی نقل میں وہ سب سے بہتر چیز چاہتے ہیں اور فوری طور پر چاہتے ہیں، چاہے وہ جس طرح ملے، غنڈوں کے باقاعدہ اور منظم گروہ تو اب زوال پذیر ہیں، اب ان کی جگہ کم سن نوجوان لڑکوں کی بریگیڈ نے لے لی ہے، چنانچہ ہر بڑے ریاستی شہر میں جرائم کے منظر نامہ پر بیس سال سے کم عمر والے لڑکوں کی بریگیڈ جرائم میں سب سے آگے نظر آتی ہے، اس رجحان کو اعدادوشمار بتاتے ہیں: ۱۶ر سے اٹھارہ سال نوجوان مجرموں کی تعداد جنھیں آئی، پی، سی کے مختلف دفعات کے تحت جرائم کا ارتکاب کرنے پر ریاست اتر پردیش جیل میں بھیجا گیا ہے، ۱۹۹۳ء میں یہ تعداد تقریباً نظرانداز کرنے کے قابل تھی، یعنی کل ۶ لڑکے۔ لیکن ۱۹۹۵ء کے آتے ہی یہ

تعداد ایک ہزار تین سو پچھتر تک پہنچ گئی یعنی ایک ہزار فیصدی کا اضافہ ہو گیا، تیس سال اور اس سے اوپر والے عمر کی تعداد کم وبیش اپنی جگہ برقرار رہی۔ ۱۹۹۳ء میں پورے ملک میں ایسے مجرموں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار چار سو بیالیس تھی۔ ۱۹۹۵ء میں معمولی اضافہ ہو کر یہ تعداد ایک لاکھ چھبیس ہزار نو سو اکہتر ہو گئی۔

لکھنؤ میں عورتوں کے گلے سے سونے کی زنجیر کھینچنے کے تقریباً ۹۰٪ واقعات اور موٹروں کی چوری کے ۷۵٪ میں سب کے سب کم سن لڑکے ہی تھے، اور وہ بھی مالدار گھرانوں کے۔ اندرا نگر بینک ڈکیتی، اور دیگر بارہ ڈکیتیوں میں لکھنؤ یونیورسٹی اور اس کے ملحقہ کالجوں کے طلبہ تھے۔ ایک سترہ سالہ طالب علم نے اعتراف کیا کہ عورتوں کے گلے سے زنجیر کھینچنا صرف اس لئے تھا کہ اس کے پاس موٹر سائیکل ہو جائے، جب یہ خواہش پوری ہو گئی تو لڑکیوں کے ساتھ اونچے ہوٹلوں میں ڈنر کھانے اور ان کو تفریح کرانے کے مقصد سے زنجیریں چرانے لگا۔

جنسی جرائم میں بھی ایسے نوجوان آگے ہیں، بلکہ ان میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے، یہ سب بقول رپورٹر کے کیبل ٹی، وی اور انفارمیشن دھماکہ کا نتیجہ ہیں۔

دہلی کے جرائم کے بارے میں ہر سال پولیس کمشنر (کرائم) اپنی رپورٹ جاری کرتے ہیں اور گذشتہ سال سے موازنہ بھی کرتے ہیں ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں جرائم کا موازنہ کرتے ہوئے پولیس کمشنر نے بتایا کہ ۱۹۹۶ء میں جرائم میں ۲۵٪ کا اضافہ ہوا ہے، ۱۹۹۵ء میں دہلی کی عدالتوں میں مقدمات کی تعداد (بم دھماکوں، قتل، اغوا، قحبہ گری، بردہ فروشی، عصمت دری) پینتالیس ہزار تین سو چونسٹھ تھی (۴۵۳۶۴)، ۱۹۹۶ء میں یہ تعداد پینسٹھ ہزار (۶۵۰۰۰) تک پہونچ گئی، دو برس کے اندر ایف۔ آئی۔ آر کی تعداد میں ۸۸٪ کا اضافہ ہوا۔

ہمارے ملک میں جرائم میں کس تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے اس کا اندازہ نیشنل کرائم رکارڈ بیورو کے ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء کے لئے تیار کردہ رکارڈ سے ہوتا ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ انڈین پینل کوڈ کے تحت جرائم کی تعداد ملک کے ۲۳ بڑے شہروں میں تشویشناک حد تک زیادہ ہے، ریکارڈ میں بتایا گیا ہے کہ ان شہروں میں ۱۹۹۴ء میں جرائم کے واقعات

کی تعداد دو لاکھ تیس ہزار چار سو انہتر تھی جو ۱۹۹۵ء میں دو لاکھ سینتالیس ہزار نو سو تیس اور ۱۹۹۶ء میں دو لاکھ ترپن ہزار ستاون ہو گئی۔

ملک کے جن چار بڑے شہروں میں جرائم کا رکارڈ سب سے زیادہ تھا ان میں دہلی، بمبئی، احمد آباد، اور بنگلور شامل ہیں، دہلی میں ۲۱٫۴٪، بمبئی میں ۱۲٫۸٪، بنگلور میں ۱۱٫۴٪ اور احمد آباد میں ۶٪ تھا۔ یعنی ان چاروں بڑے شہروں میں جرائم کے جتنے واقعات ہوئے وہ پورے ملک میں ہونے والے جرائم کے نصف تھے۔

۱۹۹۷ء میں صرف دہلی میں جرائم کی نوعیت اور تعداد مندرجہ ذیل ہے۔

- عصمت دری کے واقعات: چودہ ہزار نو سو اٹھانوے (جبکہ صرف ۱۰٪ واقعات کی سرکاری رپورٹ لکھوائی جاتی ہے)
- جنسی چھیڑ خوانی اور آبروریزی کی کوشش: ستائیس ہزار نو سو۔
- گھریلو ملازماؤں اور قریبی رشتہ داروں کی عصمت دری: ستر ہزار چھ سو بانوے۔
- جہیز میں اموات: چار سو بیس۔

دہلی میں خواتین مخالف جرائم کی شرح فی لاکھ آبادی میں ۳۲٫۱٪ ہو گئی، جبکہ پورے ملک کا اوسط فی لاکھ ۹٫۵٪ فیصد ہے، یعنی قومی شرح کے مقابلے میں دہلی میں خواتین کی بے حرمتی کا اوسط دو گنا اور بچیوں کی بے حرمتی کا اوسط چار گنا ہے۔ ۱۹۹۶ء کے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ زنا کے یہ واقعات زیادہ تر (۸۸٪) رشتہ داروں اور قریبی لوگوں کے کرتوت ہوتے ہیں۔

پورے ملک میں خواتین کو ستانے کے جتنے واقعات ہوتے ہیں اس کے ۱۸٪ واقعات صرف دہلی میں ہوتے ہیں، مزید برآں لڑکیوں کے اغوا، ان کی عصمت دری اور چھیڑ خوانی کے واقعات کی شرح ملک گیر اوسط کے مقابلہ میں چھ گنا پائی گئی ہے۔(۱)

---

(۱) دہلی کی ۹۰٪ خواتین نے رپورٹ دی کہ جنسی بدسلوکی کارخانوں، دفاتر، شاہراہوں حتی کی بسوں میں بھی بہت بڑھ گئی ہے، دہلی کی ایک ہزار خواتین کے سروے سے معلوم ہوا کہ ان میں ۹۶٪ تعداد کسی نہ کسی جرم کا نشانہ بنی ہے، دہلی و جواہر لال یونیورسٹی کے سروے سے معلوم ہوا کہ یہاں کی ۶۷٪ طالبات کو کبھی نہ کبھی جنسی بے حرمتی کا شکار ہونا پڑا، ان میں ۵۸٫۷٪ کی تعداد ہوسٹل میں رہنے والیوں کی تھی، گھروں میں ملازماؤں اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ۱۹۹۶ء میں زنا کاری میں ۶۸٪ کا اضافہ ہوا۔

اسقاط حمل کی کثرت کی وجہ سے دہلی میں مرد و خواتین کے تناسب میں بھی فرق آ گیا ہے۔ مردوں کی تعداد بڑھ گئی ہے، ایک ہزار مردوں کے مقابلے میں ۹۲۹۔(۱)

دہلی میں دوسرے اخلاقی جرائم میں منشیات میں بھی دہلی کا مقابلہ واشنگٹن اور لندن سے ہے، سرکاری اعداد و شمار سے ۱۹۹۶ء میں شراب نوشی کے نتائج کا تجزیہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اعداد و شمار ہمارے سامنے رکھے گئے ہیں:

- دہلی میں ۳۵٪ سے ۷۰٪ تک قیدی شراب کی وجہ سے سزا کاٹ رہے ہیں۔
- جنسی جرائم کے ۶۰٪ واقعات شراب کی وجہ سے ہوتے ہیں۔
- عصمت دری کے ۶۹٪ حادثات نشہ آور اشیاء کے استعمال کی بنا پر ہوتے ہیں۔
- چوری کے ۵۰٪ واقعات میں شراب نوشی کی لت کو دخل ہے۔
- طلاق کے ۸۰٪ واقعات شراب کی وجہ سے پیش آئے۔
- سڑک کے ۹۰٪ حادثات شراب پی کر گاڑی چلانے سے پیش آئے۔

یہ تو وہ جرائم ہیں جو سرکاری اعداد و شمار بتاتے ہیں، اور وہ بھی دہلی کے ایک شہر کے جو صوبہ کے برابر ہے۔ ان جرائم میں دھوکہ دھڑی، رشوت ستانی، سرکاری خزانوں کی لوٹ، کام چوری، بجلی، ٹیلیفون، تجارت وزراعت اور دوسرے سرکاری وغیر سرکاری اداروں اور کمپنیوں میں کروڑوں اربوں روپئے کے گھٹالے ان کے علاوہ ہیں۔ (۲) ہندوستانی وزارت دفاع میں تہلکہ ڈاٹ کام کے انکشافات نے ہمارے ملک میں لکشمی پوجا کی افادیت بلکہ اس کے تقدس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔

---

(۱) اور کیوں نہ ہو جبکہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات میں اس طرح کے اشتہارات شائع کئے جاتے ہیں "پانچ ہزار روپے خرچ کر کے مستقبل میں پچاس ہزار بچائیے" (ڈاکٹر بھنڈاری امرتسر کا اشتہار) یعنی اگر پیٹ میں لڑکی ہے تو اس کا حمل ضائع کر کے شادی کے اخراجات سے بچیے، لڑکی کے حمل کو ضائع کرنے کی کوشش میں امرت سر میں ۹۵٪ عورتوں نے اپنے حمل ضائع کروائے، ۱۹۹۵ء میں منظور شدہ سرکاری اداروں کے ذریعہ تیس لاکھ حمل ضائع کئے گئے، ۱۹۹۱ء میں مجموعی طور سے عورتوں کی پیدائش میں ساڑھے سات لاکھ کی کمی ہوئی، جہیز کی خاطر ہر سال سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پورے ملک میں آٹھ ہزار نو سو ستاسی عورتوں کو جلا دیا جاتا ہے، یہ تعداد الگ ہے، تیسری طرف "ہم دو ہمارے دو" کے چکر میں خاندان کو محدود کرنے کے لئے نس بندی کے ذریعہ قتل اولاد کا مشغلہ الگ جاری ہے۔

وإذا المؤدة سئلت بأى ذنب قتلت (سورة التكوير: ۸، ۹)

(۲) بی بی سی کے بقول: "اب چلتے ہیں، گھٹالوں کی سرزمین بھارت کی طرف....."

ہندوستانی معاشرہ پر ٹی، وی کے اثرات

ہندوستانی سماج پر میڈیا خصوصاً فلموں کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، ناچنے گانے والوں کا جو مقام ایک ہندوستانی کے دل میں ہے شاید وہ مقام کسی اور کے لئے ہو، ایک فلمی اداکار نے خان ڈریس پہن لیا تو بلاتفریق مذہب وملت ہرنوجوان نے وہ ڈریس پہننا شروع کر دیا، ایک فلم میں ایک لڑکی اپنے محبوب کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی ہے اور دیوار پر لکھ جاتی ہے "جب پیار کیا تو ڈرنا کیا" پھر درجنوں ایسے واقعات پیش آئے، اور نئی نسل نے اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ چوڑی مہری کا پتلون یا تنگ پتلون فلمی ادارکار نے پہنا تو یہ دونوں فیشن بن گئے، فلم میں ڈکیتی کے مناظر دیکھ کر کمسن بچوں نے بینک پر ڈاکہ ڈالا، بسوں کو لوٹا، دہلی حکومت کی خود اپنی رپورٹ کے مطابق زنا اور زنا بالجبر کے واقعات میں ڈش انٹینا کی آمد کے بعد سے ۷۰٪ اضافہ ہو گیا ہے۔

ایک سروے رپورٹ دہلی کی حد تک ٹی، وی کے اثرات ونتائج کے بارے میں، ملاحظہ فرمایئے: "بہت دیر تک اور نزدیک سے ٹی، وی دیکھنے سے بچوں میں مرگی، اور موٹاپا جیسے اعصابی اور جسمانی عوارض پیدا ہو سکتے ہیں، بے خوابی، اعصابی تناؤ، چڑچڑاپن، ایسے بچوں میں پیدا ہوتا ہے جو دیر تک نزدیک سے ٹی، وی دیکھتے ہیں"۔ دماغی، نفسیاتی اور اعصابی امراض کے ماہر ڈاکٹر نینا ووہرا، ڈاکٹر منورنجن سہائے، ڈاکٹر نیلم کمار ووہرا، نیز لفٹیننٹ کرنل ایم، سی سریواستوا، اور ڈاکٹر ستیش اگروال بھی اس تحقیق کی تائید کرتے ہیں، ٹی ،وی پر کوکا کولا کے اشتہار کی نقل کرنے کی دھن میں لکھنو کے چھ سالہ رنکو کی موت تین منزلہ عمارت سے گرنے سے (جون ۱۹۹۶ء) ہو چکی ہے، اسی طرح ٹی، وی پر دکھائی جانے والی فلم میں ایک اداکارہ کو خودکشی کرتے ہوئے دیکھ کر دہلی کے سلیم پور کی نو سالہ پوجا کی افسوس ناک موت کے واقعہ نے ٹی، وی کے بڑھتے ہوئے مضر اثرات کو اُجاگر کر دیا ہے۔ ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ ٹی، وی پر دکھائے جانے والے مناظر بچوں کے ذہن میں گہرائی سے گھر کر لیتے ہیں، جس کا اثر کسی بھی وقت ہو سکتا ہے، ماہرین نفسیات کے مطابق ٹیلی ویژن کا سب سے مضر اثر بچوں پر ہوتا ہے کیونکہ وہ استدلال کے بغیر ٹیلی ویژن کے پیغامات

اور مناظر صحیح سمجھ کر ان کی نقل کرتے ہیں۔ایک اندازہ کے مطابق دہلی میں بچے ہفتہ بھر میں اوسطاً سترہ گھنٹے ٹیلی ویژن دیکھتے ہیں، ایسے بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو گھر میں پڑھائی، ہوم ورک، کھانا، سونے اور شوقیہ کاموں میں جتنا وقت لگاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ ٹیلی ویژن کے پردے سے چپکے رہتے ہیں۔

اس اندازہ کے مطابق ۸ برس کا ایک بچہ اپنے آئندہ دس برسوں کے دوران ہر مہینے ۶۸ گھنٹے ٹی،وی دیکھنے میں گذارے گا۔

پنت ہسپتال کے ماہر نفسیات ڈاکٹر منورنجن سہائے کے مطابق ٹیلی ویژن دیکھنا بجائے خود ایک نشہ ہے، جن بچوں کو اس کی لت لگ جاتی ہے وہ گھنٹوں ٹی،وی دیکھتے ہیں، خواہ اکتا دینے والے پروگرام ہی کیوں نہ دکھائے جارہے ہوں۔

آسٹریلیا کے محققین کے مطابق ٹی،وی سے نکلنے والی تابکار شعاعیں دماغ کے نظام عمل کو متاثر کرتی ہیں، بچوں کا دماغ ٹی،وی کی تابکاری برداشت نہیں کر پاتا اور جب ایک بار دماغ ماؤف ہو جاتا ہے تو پھر نگاہیں ٹی،وی کے پردے پر لگ جاتی ہیں۔اس طرح بچہ ٹی،وی دیکھتے وقت گویا محصور ہو جاتا ہے اور ٹی،وی دیکھتا رہتا ہے چاہے کوئی بھی پروگرام آرہا ہو۔

ڈاکٹر رام منوہر لوہیا، ہسپتال کے ڈاکٹر نینا ووہرا (صدر شعبہ امراض اعصابی) کے مطابق ٹی،وی دیکھتے وقت دماغ کے وہ خلیات جو روشنی سے اثر پذیر ہوتے ہیں بہت تیزی سے کام کرنے لگتے ہیں، جس سے دماغ کی سالمیاتی توازن میں غیر معمولی تبدیلی ہونے لگتی ہے، اور ذہنی توانائی درہم برہم ہو جاتی ہے، دماغ میں غیر معمولی طور پر سالمیاتی مادہ گردش کرنے لگتا ہے جو مرگی کی شکل اختیار کرسکتا ہے، ایسے مرض کا پتہ بڑی مشکل سے لگتا ہے، کیونکہ اس میں منہ سے جھاگ نہیں نکلتا، لوگ اس سے بروقت واقف نہیں ہوتے، بعد میں چل کر یہ ناقابل علاج ہو جاتا ہے۔

ایک سروے کے مطابق ہندوستان میں باون لاکھ مرگی کے مریض ہیں، جن میں ۳ لاکھ مسلسل ٹی،وی دیکھنے کی وجہ سے مرگی کے شکار ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر منورنجن کے مطابق جن بچوں کو ٹی،وی کی لت لگ جاتی ہے، اگر ان کو منع کیا

جاتا ہے تو وہ چڑ چڑے ہو جاتے ہیں اور انھیں جلد غصہ آ جاتا ہے (سروے یو، این، آئی ۲ رمئی ۱۹۹۶ء) اس رپورٹ کی اشاعت کے ایک ماہ بعد ۳ رجون ۱۹۹۶ء میں دوسری رپورٹ ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوئی جس میں ہندوستانی معاشرہ پر فلم اور ٹی، وی کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے "اب ہندوستانیوں کو اس حقیقت کا اعتراف ہونے لگا ہے کہ پردے پر دکھائے جانے والے تشدد اور عملی زندگی کے تشدد میں زیادہ فرق نہیں رہ گیا ہے بلکہ روز بروز یہ فرق کم ہوتا جا رہا ہے"۔

فلموں اور ٹیلی ویژن کی طرف انگلیاں اٹھائی جا رہی ہیں، خاص کر ٹی، وی کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے کہ اس کے ذریعہ تمام شیطانی خیالات اور افعال براہ راست گھروں تک پہونچ رہے ہیں۔

جنوبی دہلی میں ایڈیشنل پولیس کمشنر مسٹر مکسویل پر میرا کا کہنا ہے کہ فلمیں اور ٹی، وی دونوں ہی جنس اور تشدد کو قابل مذمت بتانے کے بجائے خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں، کم سن بچوں کو جرائم کی طرف راغب کرنے کے اصل ذمہ دار ہیں۔

انھوں نے کہا کہ فلموں میں ضرورت سے زیادہ تشدد دکھایا جاتا ہے، اس کا نئی نسلوں کے ذہنوں پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔

انھوں نے مزید کہا کہ نئی نسل کے رویہ میں بغاوت اور انحراف کے لئے ایک طرف یہ فلمیں ذمہ دار ہیں تو دوسری طرف سخت قوانین کا فقدان۔ انھوں نے کہا کہ کیبل ٹی، وی کے رواج پاتے ہی جنس اور تشدد سے متعلق فلمیں عام آدمی کے گھروں تک پہنچ گئی ہیں، ان فلموں کی وجہ سے ننھے ذہن گمراہی کی جانب راغب ہو رہے ہیں۔

دہلی کی ایک خاتون۔ جو درآمد برآمد کا کام کرتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ سنیما کا پہلا کام اور اہم مقصد یہ طے کیا گیا تھا کہ مشاہدین کو صاف ستھری تفریح کا سامان مہیا ہو سکے گا۔ مگر یہ مقصد بہت پہلے ہی فوت ہو چکا ہے کہ لوگوں کو باشعور اور باخبر بنایا جائے اور وہ انسانی زندگی کی مثبت قدروں کا درس دینے کی طرف توجہ نہیں دے رہا ہے۔

فلم "بازی گر" بہت کامیاب رہی، اس فلم سے متاثر ہو کر بمبئی کے ایک نوجوان دانش قاضی نے اپنی معشوقہ بھارتی رام چندرن کو قتل کرنے سے پہلے اس سے خودکشی کی تحریر

لکھوائی تھی، اس کے بعد وہ بھارتی کو ایک بلند عمارت کے چھجے پر لے گیا اور وہاں سے اس کو نیچے موت کے منہ میں ڈھکیل دیا، اسی طرح فلم ''رگھوبیر'' کے ایک منظر سے متاثر ہو کر ایک کم سن نوجوان نے ایک ہم عمر کو قتل کر ڈالا۔ یہ دو مثالیں ہیں ورنہ فلموں کے منفی اثرات کے تحت عوام خاص کر نوجوانوں کے جرائم کی طرف راغب ہونے کے بے شمار واقعات آئے ہیں۔

ڈاکٹر ایل۔ کے۔ بھگت ماہر نفسیات (دہلی) نے کہا کہ فلموں میں صرف دو پہلو ہوتے ہیں، ہیرو خوبیوں سے پر اور ولن برائیوں سے، لیکن زندگیوں میں اعتدال کا پہلو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، فلمی اداکار شاہ رخ خان متعدد قتل کر کے بچ جاتا ہے، اس کا نوجوانوں کے ذہن پر بہت اثر پڑتا ہے، اس کے علاوہ ان کرداروں کو اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ لوگ خود کو ان کرداروں سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کبھی کامیاب ہوتے ہیں تو جرم کی وہ خبر بنتی ہے جو تقریباً ہر روز پڑھنے کو مل جاتی ہے۔

ایک غیر سرکاری تنظیم ''لوا اینڈ کیئر'' کے ڈائرکٹر مسٹر انل کالیا کا کہنا ہے کہ منشیات کے استعمال کے ساتھ ٹیلی ویژن باغیانہ رویہ پیدا کرتا ہے، ان دونوں چیزوں کی آمیزش نوجوانوں کو یہ تحریک دیتی ہے کہ بغاوت کرنا ان کی ضرورت ہے۔

مسٹر کالیا کا خیال ہے کہ فلموں کا صرف متوسط اور اونچی آمدنی کے گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں پر اثر پڑتا ہے، وہ لوگ فلموں میں جو مناظر دیکھتے ہیں خود کو ان سے زیادہ قریب کرتے ہیں اور نتیجے میں جرائم کی راہ پر نکل پڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک تازہ جائزہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سینما معاشرہ میں سماجی اور جنسی تشدد کو بڑھاوا دے رہا ہے، اور اس سے بھی زیادہ تشویشناک بات یہ ہے کہ نوجوانوں کو زندگی کے مسائل کا سامنا کرنے کی ہمت دینے کے بجائے انھیں ان سے فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

دہلی پولیس نے حال ہی میں سات نوجوانوں کو کئی مہینے تک ایک کمسن لڑکی کی اجتماعی آبروریزی اور بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کیا ہے، نوجوانوں نے اس کا اعتراف کیا کہ انھوں نے ٹی، وی کی ایک فلم سے اثر قبول کیا تھا۔

تاہم سابق ایڈیشنل کمشنر جرائم آر۔ کے۔ تیواری کا کہنا ہے کہ ان تمام جرائم کے لئے والدین بھی اسی طرح ذمہ دار ہیں جس طرح فلم اور فحش رسائل۔

(سروے رپورٹ یو۔این۔آئی جون ۱۹۹۶ء)

دہلی کی عدالت نے خواتین کی ایک تنظیم ''جاگرتی مہیلا سمیتی'' کی صدر مسز نرملا شرما کی درخواست پر زی، ٹی وی، اسٹار ٹی، وی اور دوردرشن کو نوٹس دیا ہے کہ وہ عدالت کو کمپنی کے اعلیٰ افسران، پروگراموں کے ہدایت کاروں، پروڈیوسروں، اور منیجنگ ڈائرکٹروں کے نام بتائے، عدالت نے کہا کہ وہ ان کمپنیوں کے خلاف ایکشن لے سکتی ہے، جاگرتی مہیلا سمیتی کی صدر مسز نرملا نے ایک انٹرویو میں ٹائمس آف انڈیا کے نامہ نگار کو بتایا کہ کوئی بھی شریف انسان ان پروگراموں کو اپنے گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ ان میں عریاں مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بچے ان پروگراموں کے ذریعہ فحش باتیں سیکھ رہے ہیں، نیز ان میں تشدد کے رجحانات بھی پنپ رہے ہیں۔ مسز نرملا نے یہ بھی کہا کہ اکتیس پروگراموں میں آٹھ پروگرام ایسے ہیں جن کو دکھائے جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے، اس کے باوجود بھی دکھائے جارہے ہیں، زی، ٹی وی، اور اسٹار ٹی، وی کے وکیلوں نے کہا کہ چونکہ یہ پروگرام ہانگ کانگ سے نشر کئے جاتے ہیں اسلئے ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ (۱)

---

(۱) سہ روزہ دعوت جون ۱۹۹۶ء۔

پاکستانی میڈیا پر ایک نظر

تاریخی پس منظر

پاکستان میں ٹیلیویژن کی آمد سے پہلے جب اس الیکٹرونک میڈیا کی پالیسی وضع کرنے کے لئے ذوالفقار بخاری کی صدارت میں مخصوص فنکاروں، لکھنے والوں، اور متوقع پروڈیوسروں کو مدعو کیا گیا تو بخاری صاحب نے پاکستانی ٹی، وی کے دو بنیادی مقاصد بیان کیئے، اول یہ کہ صدر ایوب کے کارناموں کی گھر گھر تشہیر کرنا، دوسرے آپ سب کا سب سے اہم مقصد یہ ہوگا کہ "قوم اور پہلے متوسط طبقہ کو فرسودہ مذہبی تصورات سے آزاد کرائیں، اور اس مقصد کو اس خوبی سے سرانجام دیں کہ لوگوں کو شعوری طور پر اس کا پتہ نہ چلے کہ آپ جدید نسلوں کو مذہبی اثرات سے پاک کرنے کی کوئی مہم چلا رہے ہیں، اگر آپ نے یہ کام کرلیا تو یاد رکھیے کہ ہم ہمیشہ کے لئے مذہبی جنونیوں اور ملاؤں سے اپنی معاشرت اور سیاست کو پاک کردیں گے"۔

بنیادی مقاصد بیان کرنے کے بعد بخاری صاحب نے شرکاء محفل کو علیحدہ علیحدہ مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ "میں آپ میں سے ہر اس لکھنے والے کو اچھے پروگراموں کے معاوضہ کے علاوہ دوسو روپے ماہوار دوں گا جو عربی پڑھے گا، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ٹی، وی اور ریڈیو سے ایسے افراد کو بحیثیت عالم اور جدید مفکر کے پیش کرسکیں اور ان تمام ملاؤں کے اثرات کو دور کرسکیں جو مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں، اور جنھیں ہم علماء کرام کہنے پر مجبور ہیں، آپ کو مذہب کے خرافات سے معاشرہ کو نجات دلانے کا کام کرنا ہے،

اس لئے ہم اس ادارہ کے ذریعہ بالکل جدید ذہنوں کو آگے لانا چاہتے ہیں، نئی میڈیا کی آمد کے ساتھ نئے ذہنوں کو نہ صرف فرسودہ اور مردہ تصورات سے نجات دلانے کے لئے استعمال کیا جائے گا، بلکہ ان کو پوری قوم کے محسوسات اور طرز فکر کو بدلنا ہوگا۔

آپ اس مقصد کو اس طرح پورا کر سکتے ہیں کہ منافقت اور متضاد کردار کیلئے منفی ڈرامہ کرداروں کے داڑھی لگائیے، مضحکہ خیز کرداروں اور افراد کو مشرقی لباس پہنائیے، یہ یاد رکھئے کہ آپ کو اپنے تمام کرداروں اور اناؤنسروں کو وہ لباس پہنانا ہے جو ہماری ترقی یافتہ معاشرہ میں سو سال بعد رائج ہونا چاہئے، اور جو ایک فیصدی اوپر کے طبقہ میں رائج ہے"۔

ہدایات بخاری مرحوم کے لبوں سے جاری ہوئی تھیں مگر حقیقت میں یہ اس بنیادی پالیسی کا حصہ تھیں جس کو مغرب زدہ لادین نوکر شاہی اور صاحب اقتدار طبقہ نے ہی بنایا تھا، اور جس کے حصول کے لئے کروڑوں ڈالر قرض لے کر ٹی، وی میڈیا کو پاکستان لایا گیا یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے اس پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے جنرل ضیاء الحق شہید کے دور میں اس پالیسی میں تھوڑی سی تبدیلی کی گئی تھی، لیکن بے نظیر کی حکومت نے قومی پالیسی کے نام سے میڈیا کے لئے جو پروگرام جاری کیا، اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پاکستان کو پوری طرح مغربی سانچے میں ڈھالنے کا پروگرام جاری رہے گا اور جو کچھ کسر رہ جائے گی اس کو مغربی میڈیا کے ذریعہ پورا کیا جائے گا۔

پاکستان کی "ثقافتی پالیسی" کے عنوان سے بے نظیر کی حکومت نے اپنی ثقافتی پالیسی کا اعلان اگست ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتہ میں کیا، اس ثقافتی پالیسی کے اہم نکات اس جوش وخروش سے بیان کئے گئے جس کا مظاہرہ ۱۹۶۸ء سے ۱۹۷۵ء کے دوران نام نہاد کمیونسٹ دانشور اور اباحیت پسند لادینی عناصر کر رہے تھے۔

اگر پالیسی کا اعلان نہ بھی کیا جاتا تب بھی عوام کو پاکستان کے تمام سرکاری ذرائع ابلاغ اور تمام سرکاری تقریبات کے انداز واطوار واضح طور پر بتا رہے تھے کہ اس قوم پر لادین عناصر کی ثقافتی یلغار بڑی تیز رفتاری سے شروع کی جا رہی ہے اور نئی نسل کو ایک خاص سمت میں لے جانے کی شعوری کوشش کی جا رہی ہے، بالخصوص ٹی، وی کے ذریعہ جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ قومی وسائل سے اپنی ہی قوم کو برباد کرنے کی کوشش ہے۔

ثقافتی پالیسی کے اہم نکات میں موسیقی، رقص، لوک گیت، فلم، ٹیلیویژن، موسیقار، گلوکار، رقاص، اور سازندے وغیرہ کے الفاظ کو کم از کم سترہ مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، گویا کہ تمام تر ثقافتی پالیسی کا اصل رقص وسرود اور موسیقی وغناء ہے۔ پالیسی میں دوسرا زور علاقائیت، علاقائی زبانوں، علاقائی کلچر، مقامی وعلاقائی دانشوروں، شہروں اور صوبوں کی تاریخوں وغیرہ پر دیا گیا ہے۔ پالیسی کا تیسرا جز ثقافت کا بین الاقوامی تبادلہ ہے جس میں پاکستان اور ''علاقے'' کے دیگر ممالک کے مابین ثقافتی ارتباط کو فروغ دینا شامل ہے(۱) پالیسی کا چوتھا اہم نکتہ غیر سرکاری تنظیموں (NGOS) انسان دوست اداروں اور افراد کی سرپرستی پر مشتمل ہے۔(۲)

ثقافتی پالیسی میں پانچواں نکتہ یہ ہے کہ ۱۸۷۲ء میں سنسر کے نام سے جو قانون بنایا گیا تھا وہ چونکہ ثقافت کے فروغ میں سدراہ ہے اس لئے اس کو ختم کردیا جائے گا، اب فلموں اور ڈراموں کے اسکرپٹ کو مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر استعمال کیا جاسکتا ہے، بالفاظ دیگر فلموں کو بغیر کسی سنسر کے دکھایا جائے گا۔

اس ثقافتی پالیسی کے رہنما اصول تو مذکورہ بالا پانچ نکات ہی ہیں، ورنہ تینتیس نکات بیان کئے گئے ہیں جو سب کے سب تصویر بتاں'' اور چند حسینوں کے خطوط'' پر مشتمل ہیں۔

''چہ دلاور است وزدے'' کی دل چسپ مثال یہ ہے کہ اس ثقافت اور اس سب

---

(۱) ظاہر ہے کہ ''علاقے'' میں سب سے قریبی اور بڑا ملک ہندوستان ہے، جس کی برہمنی ثقافت سے ارتباط کے لئے پاکستانی ارباب اقتدار بے تاب نظر آتے ہیں، پاکستان میں ہندوستانی فلموں کی غیر معمولی مقبولیت اس کا عملی ثبوت ہے۔

(۲) ترقی پذیر ممالک میں ان۔جی۔اوز یعنی غیر سرکاری تنظیموں اور ''انسان دوست اداروں'' کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے، یہ ادارے فری میسن کے ماتحت لائنز کلب، روٹری کلب، ریڈکراس سوسائٹی، اور مختلف ثقافتی اور سماجی اداروں کے نام سے کام کرتے ہیں، ان کی سرپرستی بیرونی طاقتیں کرتی ہیں اور بڑے پیمانے پر مالیاتی فنڈ مہیا کئے جاتے ہیں، گذشتہ سال بنگلہ دیش اور پاکستان میں ان سماجی ثقافتی اداروں کی تحقیقات کا مطالبہ ہوا تو بڑی طاقتوں کے سفارت خانوں نے دباؤ ڈال کر تحقیقات کو رکوادیا، البتہ دینی مدارس پر یہ الزامات زور شور سے عائد کئے جارہے ہیں کہ بیرون ملک سے انکو امداد ملتی ہے، ہمارے ملک بھارت میں بھی دینی مدارس پر یہی الزامات عائد کئے جارہے ہیں، دوسری طرف عرب ممالک پر دباؤ ڈال کر دینی اور رفاہی اداروں کو چندہ دینے سے روک دیا گیا ہے، پروپیگنڈہ یہ کیا جارہا ہے کہ اس امدادی رقم سے فتنہ انگیز مغلسٹوں اور تشدد پسندوں کو قوت فراہم ہوتی ہے۔

لچر پن کو کلچر کا نام دے کر اسے علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح سے منسوب کیا جارہا ہے۔(۱)

ثقافتی پالیسی میں سے چند مثالیں حسب ذیل ہیں :

ادب، تعمیرات، کھیل، موسیقی، ڈانس، لوک گیت، پرفارمنگ آرٹس، مصوری، فلم، ٹیلیویژن، ریڈیو نشریات، اور ثقافت سے متعلق دوسرے تمام شعبوں میں پاکستان کے ثقافتی ورثے کو محفوظ کرنا ہے۔

فنکاروں، موسیقاروں، گلوکاروں، اسٹیج اور فلم کے اداکاروں، رقاصوں کو قومی یکجہتی کے عمل سے مربوط رکھنا، اداکاروں، پروڈیوسروں اور ڈائرکٹروں کی فہرست تیار کرنا، موسیقی، لوک موسیقی، کلاسیکی، اور مقبول موسیقی مع غنائی نوٹس، سازوں اور ادائیگی کی قدر پیمائی، ثقافتی شو اور موسیقی کی محفلوں کا انعقاد یہ ثقافتی پالیسی میں درج محض چند عزائم کی تصویر کشی ہے ورنہ پوری پالیسی اس طرح کے عزائم سے بھری ہوئی ہے۔اب اس پر عمل درآمد کا نقشہ بھی ملاحظہ کیجئے:

---

(۱) ثقافتی پالیسی تیار کرنے والے بزرجمہروں نے ثقافت یا کلچر کو صرف ناچ رنگ، ترنگ، مصوری، موسیقی، مجسمہ سازی کے معنوں میں لیا ہے حالانکہ دنیا کی کسی بھی ڈکشنری میں ان الفاظ کا یہ مفہوم نہیں اور نہ معروف بین الاقوامی دانشوروں کے نزدیک کلچر کا دئرہ اتنا محدود ہے، لفظ ثقافت عربی لفظ ثقف سے بنا ہے، اس کا مفہوم "تراش خراش" یعنی شاخوں کو کانٹ چھانٹ کر ترتیب دینا، اس طرح تہذیب کے لفظ میں بھی درختوں کے خزاں رسیدہ پتوں کی کانٹ چھانٹ کا مفہوم شامل ہے، آج کل علوم عمرانیات میں تہذیب سے مراد ہے کسی فرد یا معاشرہ کا پاکیزگی اور شائستگی سے بہرہ مند ہونا ثقافت کے لئے انگریزی میں کلچر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اس یونانی الاصل لفظ کو مغربی دنیا میں بیکن نے متعارف کرایا، کلچر میں بھی کانٹ چھانٹ اور تراش خراش کا مفہوم موجود ہے، اگری کلچر بھی اسی سے نکلا ہے، ایمرسن کے نزدیک کلچر کا نصب العین انسانیت میں جمالیاتی شعور کو بیدار کرنا ہے، آرنلڈ کے مطابق کلچر ایک ایسا باطنی و داخلی عمل ہے جس کا کام حیات انسانی میں تابانی و درخشانی پیدا کرنا ہے، گوئٹے کے نزدیک ثقافتی کلیہ کے تین اجزاء ہیں، علم عالم سے باخبر ہونا، حسن اخلاق کا نمونہ بننا اور مذاق لطیف سے بہرہ مند ہونا مذکورہ تمام تشریحات مغربی دانشوروں کی ہیں، قرآن وحدیث اور اسلامی مفکرین کے حوالے ہم نے نہیں دیئے، تاکہ مغرب سے مرعوب اور وہاں کی ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والے نام نہاد دانشوروں پر واضح ہوجائے کہ جس رقص وسرود اور آثار قدیمہ کے کاٹھ کباڑ کو وہ ثقافت کہنے پر بضد ہیں وہ مغربی مفکرین کے نزدیک بھی ثقافت کے اصل مفہوم کا ایک فیصدی بھی نہیں۔

پاکستانی ٹیلیویژن کے تمام چینل کے علاوہ مغربی ٹی، وی کمپنیوں S.T.N., C.N.N., B.B.C. اور N.T.M سے ان دنوں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ قوم کو طاؤس ورباب میں بدمست کرنے کی منظم کوشش ہے، اس وقت پاکسانی ٹی وی پروگراموں میں جو تبدیلیاں آئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

۱۔ ٹیلیویژن کا وقت بڑھا دیا گیا ہے، اب تقریباً چوبیس گھنٹے میں ٹیلیویژن کا کوئی نہ کوئی چینل رواں دواں رہتا ہے، پاکستانی ٹی، وی کے چینل نمبر دو کو تعلیمی چینل کہا گیا ہے، لیکن اس میں تعلیمی وتدریسی پروگرام صرف بیس فیصدی ہوتے ہیں، جبکہ تفریحی پروگرام اسّی فیصد ہوتے ہیں، پرانے ڈرامے بار بار دکھائے جاتے ہیں، یوں نئی نسل کے تعلیمی وتدریسی اور آرام کے اوقات کو تفریحی پروگراموں پر لگا دیا گیا ہے، ٹی، وی کے یہ پروگرام اخلاق وکردار کی تباہی کے علاوہ صحت کی بربادی کا بھی سبب بن رہے ہیں، اسکولوں کے بچوں میں اب ۴۲٪ طلبہ ایسے ہیں جنھیں عینک لگ چکی ہے، جبکہ ماہرین طب کی نظر میں ٹی وی نشریات کی بہتات کینسر جیسے موذی مرض کا سبب بھی بنتی ہیں، جسمانی صحت کے علاوہ نفسیات اور کردار سازی کے اعتبار سے بھی ٹی وی پروگراموں کے مہلک اثرات پاکستانی معاشرہ پر پڑ رہے ہیں، تشدد اور جرائم سے بھرپور فلمیں پہلے سینما ہالوں میں دکھائی جاتی تھیں اب وی سی آر کی وجہ سے ہر محلہ میں کیسٹ کھلے عام فروخت کئے جاتے ہیں، پھر ڈش انٹینا نے تو ہر گھر کو قحبہ گری کی تعلیم کا مرکز بنا دیا ہے، ایک مغربی ٹی وی تو چوبیس گھنٹے ایسے جنسی پروگرام دکھاتا ہے جو مغرب میں بھی ممنوع ہیں۔

۲۔ پاکستانی ٹی وی، اور ان، ٹی، وی، ایم کے پروگراموں میں موسیقی چینل بن گئے ہیں، پوری قوم کو ناچنے تھرکنے کی تربیت دی جارہی ہے، موسیقاروں اور گلوکاروں اور فلم اسٹاروں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے، اور مغربی معاشرہ کی طرح بے ہنگم اور پرشور موسیقی کے ساتھ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو مل کر ناچتے، گاتے، ٹکراتے ایک دوسرے پر گرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، اس وقت دو چینلوں سے اس انداز کے جو پروگرام پیش کئے جارہے ہیں، ان میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں:

ینگ ترنگ، برتان ہے دیپک، سرکنارے، سارے گا ئیں مست مست ساتھیو،

راگ رنگ، آبشار، میری پسند، غزل کا سفر، سلمیٰ آغا شو، فرمائشی خطوط، ٹاپ ٹن، سبر سا میرا، آنگن آنگن تارے، میوزک چیلنج نیو میوزک چینل، وی، جے، ویڈلا جنکشن، پیپسی ٹاپ آف پاپس، ٹیک ٹو، کے علاوہ انگریزی اردو ہندی فلموں کی بھرمار۔

علاوہ ازیں پاکستانی سینما ہالوں میں مغرب کی درآمد شدہ قتل وغارت گری، فحاشی بے حیائی اور جنسی ہیجان سے بھرپور انگریزی فلمیں کھلے عام دکھائی جاتی ہیں، اور ان ہی کی نقل پر پشتو، اردو، پنجابی، زبانوں میں فلمیں اور کیسٹ تیار کر کے پھیلائے جاتے ہیں، بھارتی فلموں کے علاوہ مغربی غلاظت سے آلودہ ڈرامے اور ناچ گانوں کے پروگرام تفریح کے نام پر دکھائے جاتے ہیں، حکومت پاکستان ان پر پانی کی طرح پیسے بہاتی ہے۔

یہ فلمیں اور پروگرام حساس نوجوانوں کے ذہنوں کو محض ایڈونچر کے طور پر یا دیگر نفسیاتی وجوہ کے باعث جرائم، بے حیائی وفحاشی پر اکساتی ہیں، اس بات کا اعتراف جسٹس نعیم الدین کی سربراہی میں قائم شدہ سپریم اپیلٹ عدالت سفارشات میں ایک دوہرے قتل کے مقدمہ کے دوران اکتوبر ۱۹۹۱ء میں کیا گیا ہے، اس کی روشنی میں عدالت نے اس وقت کی حکومت کو تجویز پیش کی تھی کہ فوری طور پر جرائم وجنس پر مبنی تمام فلموں پر پابندی لگادی جائے، لیکن پاکستان کے بک اسٹالس اور گلی کوچوں میں ویڈیو کی پھیلی ہوئی دوکانوں پر آپ نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ ملکی وغیر ملکی جرائد ورسائل اور گھروں میں پڑھی جانے والی کتابوں اور رسالوں اور خصوصی میگزین ایسے اخلاق سوز مضامین وتبصرے، رنگین صفحات، ماؤں، بہنوں بیٹیوں کی برہنہ اور نیم عریاں تصاویر سے بھرے ہوئے ہیں، ان سب کا بنیادی مقصد معاشرہ میں مغربی تہذیب کی آلائشوں، آزاد خیالی، آزادانہ جنسی کلچر کو فروغ دینا ہوتا ہے، پاکستان کے ایک بڑے نامور انگریزی روزنامہ کے جمعہ ایڈیشن (نومبر ۱۹۹۲ء) میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس کا مقصد قارئین کو یورپ خاص طور سے ہالینڈ کے شہر ایمسٹرڈم کے عیش وعشرت گاہوں اور جنسی لذت کے مقامات سے متعلق معلومات مع سڑکوں اور گلیوں کے نام وغیرہ فراہم کرنا تھا، یہ ایسا اخبار ہے جو ہر گھر میں پڑھا جاتا ہے۔

پاکستانی معاشرہ پر مغربی میڈیا کے اثرات

مغربی معاشرہ پر میڈیا کے تباہ کن اثرات کے بارے میں خود مغربی دانشوروں کے رائے میں اختلاف نہیں، یہ عجیب بات ہے کہ مشرقی ملکوں کے لئے بھی وہ ان فلموں کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ امریکن انٹر پرائز انسٹی ٹیوٹ کی زیر سرپرستی منعقد ہونے والی ۱۰ مارچ ۱۹۹۲ء کی کانفرس میں جارج ٹاؤن یونیورسٹی واشنگٹن کے پروفیسر ڈاکٹر والٹر برنس کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے ہے کہ:

''راک میوزک، ہالی ووڈ کی فلمیں اور دوسرے تفریحی پروگرام جو امریکہ باہر کے ملکوں کو بھیجتا ہے وہ نہ صرف وہاں کے معاشرہ پر بہت مضر اثرات چھوڑتے ہیں بلکہ امریکی معاشرہ کے تصور کو بھی داغدار کرتے ہیں''۔(۱)

پاکستانی دانشور جمیل الدین عالی پاک ٹی وی کے پروگراموں کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس وقت پاکستانی سوسائٹی کے اعلیٰ طبقہ کے وہ لوگ تو قابل ذکر ہی نہیں جو اپنی ذات اور مفادات کے سوا کسی اور بات کو اہمیت ہی نہیں دیتے، ان کے باب میں تو نظیری نیشاپوری بڑا خوبصورت منظر کھینچ گئے ہیں۔

ہمہ مے نوشی و مستی و نشاط طرب است
کس نداند کہ شب و روز کدام است ایں جا

(۱) کرسچن سائنس مانیٹر مارچ ۱۹۹۲ء بحوالہ الفاروق کراچی شمارہ ۳ جلد ۱۱۔

مجھے تو اس زمانہ میں متوسط طبقہ کے ان پڑھے لکھے شہریان کراچی پر رشک آتا ہے جن کی ''ثقافتی معمولات'' دنیا کی کسی مصیبت (کراچی، بوسینیا، کشمیر) سے متاثر نہیں ہوتے، وہی بڑی بڑی سینکڑوں مہمانوں پر مشتمل شادیوں کی تقریبات، وہی ہفوات، وہی بڑے بڑے تفریحی جلسے، وہی کسی نہ کسی محترم حوالہ سے رقص وسرود کی مجلسیں، مثلاً یوم آزادی (۱۹۹۵ء) کے موقع پر پاکستانی بینکاری کے کارکنوں کی ایک تعداد نے ایک ایسی ہی محفل موسیقی منعقد کی، جس پر صرف آٹھ لاکھ روپے خرچ ہو گئے، پاکستانی ٹی وی بھی ماشاء اللہ ایسے ایسے شو منعقد کراتا ہے کہ پورا پاکستان ایک خوشحال پرستان لگنے لگا ہے''۔(۱)

فحاشی اور عریانیت کے سیلاب کی تندی وتیزی میں سب سے اہم اور مؤثر رول ذرائع ابلاغ ادا کر رہے ہیں، میڈیا نے عورت کے جسم کو اس کے حسن وجمال کو، اس کے چہرے کو، اور اس کی برہنگی کو اپنی تجارت بڑھانے کا ذریعہ بنالیا ہے، کتنے ہی رسالے ہیں جو چٹپٹی خبروں، اور فحش کہانیوں اور خبروں کے ذریعہ چل رہے ہیں، دنیا کے کسی بھی ملک میں بے حیائی کا کوئی واقعہ رونما ہو یا کسی فلمی اداکار کا کوئی اسکینڈل ہو یا کسی کھلاڑی کا معاشقہ چل رہا ہو، پاکستانی اخبارات ورسائل اسے مرچ مسالہ لگا کر چھاپنا اپنا منصبی فرض سمجھتے ہیں، شاید وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی اسکینڈل سے قوم واقف نہ ہوگی تو ہماری قوم ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جائے گی۔

عریانیت کو فروغ دینے میں اشتہارات کا بنیادی رول ہے، دنیا کی کسی چیز کا اشتہار عورت کی تصویر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، ملبوسات میں عورت، مصنوعات میں عورت، حتی کہ وہ چیزیں جو خاص مردوں کے استعمال کی ہیں ان میں بھی عورت، موٹر سائیکل اور ٹریکٹر کا اشتہار ہوگا مگر ساتھ عورت کی بھی تصویر ہوگی، اس کے ایک عضو کی نمائش کر کے دولت حاصل کی جارہی ہے، ماڈلنگ ایک منافع بخش کاروبار بن گیا ہے، جس میں بڑے بڑے گھرانوں کی نوجوان بیٹیاں اپنے جسم کی نمائش کا منہ مانگا معاوضہ وصول کرتی ہیں، مگر فحاشی وعریانیت کو فروغ دینے میں ان سب سے بڑھ کر فلموں اور ڈراموں نے کردار ادا کیا ہے، اب تو وی سی آر اور ٹی وی کی موجودگی نے ہر گھر کو ایسے سینما ہال میں تبدیل کر دیا ہے کہ اب

(۱) روزنامہ جنگ کراچی ۲۲ رستمبر ۱۹۹۵ء

شرفاء اور دیندار خاندانوں کے لوگ بھی محفوظ نہیں رہے ہے، ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ ورک کی وجہ سے تمام دنیا کی غلیظ ترین فلمیں صرف ایک بٹن دبانے پر آپ کے سامنے ہاتھ باندھے موجود ہوں گی، چوبیس گھنٹے کیلئے مشاہدین پروگراموں کیلئے وقف ہوکر رہ جاتے ہیں۔

پاکستانی صوبہ پنجاب کی تصویر

لاہور میں ۱۹۹۶ء میں جرائم سے متعلق جاری کردہ اعداد وشمار کے مطابق پچھلے پانچ برسوں کے اوسط کے مقابلے میں تین سو پچانوے فیصدی قتل کے واقعات میں انتالیس فیصدی، نقب زنی کے واقعات میں ترپن فیصدی، اغوا کے واقعات میں اکیس فیصدی، عصمت دری کے واقعات میں اکیس فیصدی اضافہ ہوا ہے، یہ واضح رہے کہ عصمت دری کے صرف دو فیصدی واقعات کی رپورٹ درج کرائی جاتی ہے۔علاوہ ازیں بینک ڈکیتیوں میں بھی چار سو تینتیس فیصدی اضافہ ہوا ہے، جبکہ پیٹرول پمپ لوٹنے، شاہراہوں پر لوٹ کے واقعات میں بھی علی الترتیب ۱۶۷٪ فیصدی کا اضافہ ہوا ہے، صرف یہی نہیں موٹر گاڑیوں کی چوری بھی کافی بڑھ گئی ہے، ایک سینئر پولیس آفیسر کا کہنا ہے کہ پولیس کے علاوہ بااثر افراد بھی نظم ونسق کی بگڑی صورت حال کیلئے یکساں طور پر ذمہ دار ہیں، پولیس محکمہ میں مجرمانہ رکارڈر کھنے والے لوگ بھی خاصی تعداد میں آ گئے ہیں۔(۱)

---

(۱) یو، پی پولیس کے ڈائرکٹر جنرل کے بیان کے مطابق یو، پی پولیس میں جرائم پیشہ پولیس والوں کی تعداد دس ہزار ہے جن کا تبادلہ دوردراز علاقوں میں کردیا گیا ہے، غالباً مزید ریاضت اور مشق ومہارت حاصل کرنے کیلئے۔

ٹی.وی کے منفی اثرات

ماہرین کی نظر میں

ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة فى الذين آمنوا لهم عذاب اليم فى الدنيا والآخرة والله يعلم وانتم لا تعلمون۔ (سورة النور:١٩)

(صدق اللہ العظیم)

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے سماج میں بے حیا باتوں کے چرچے جاری ہوں تو ایسے لوگوں کے لئے دُنیا اور آخرت میں بہت ہی دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

(سورۃ النور)

ٹی وی کے منفی اثرات

ماہرین کی نظر میں

ریڈیو، سنیما اور ڈرامے کے مقابلہ میں ٹی وی اور انٹرنیٹ نے مشاہدین کو اپنی طرف پوری طرح جذب کرلیا ہے۔ ٹیلیویژن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ انانیت پسند ہے، اس کے ہوتے ہوئے آدمی کوئی کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ ٹی وی پروگرام کو تنہا دیکھنے والے کے جذبات اجتماعی جذبات سے الگ ہوتے ہیں، مشاہد جب تنہائی وی پروگراموں کو دیکھتا ہے تو کلی طور پر اس کے اندر مستغرق ہوجاتا ہے، اسے اپنی رائے کے اظہار یا تنقید کا موقع نہیں ملتا۔

چوبیس گھنٹے چلنے والے ملکی وغیر ملکی ٹی وی چینلو کے ذریعہ مغربی تہذیب وثقافت کی تشہیر سے ہماری نوجوان نسل کے کردار و سیرت پر جو منفی اثرات پڑرہے ہیں اور مزید آئندہ اس کے متعلق اثرات ظاہر ہوں گے وہ اظہر من الشمس ہیں۔ نئی نسل پر ٹی وی دیکھنے کے جو منفی اثرات پڑ رہے ہیں اس سلسلہ میں مغربی ممالک خصوصا امریکی معاشرہ میں بچوں پر ٹی وی سے رونما ہونے والے اثرات کے متعلق خاصی تحقیقات ہوچکی ہیں، ان کا سلسلہ ہمارے ملک میں بھی جاری ہے۔ ہم یہاں فقہ وفتاویٰ کی زبان استعمال کرنے کے بجائے خود مغربی ملکوں کے ماہرین تعلیم ونفسیات اور سماجی کارکنوں کے جائزے اور میدانی سروے کے نتائج کے کچھ اقتباسات پیش کررہے ہیں :

- ڈاکٹر جان کونڈری (کارنیل یونیورسٹی۔ امریکہ۔ انسانی اور خاندانی نشو ونما کے پروفیسر) اپنے ایک تحقیقی مقالہ میں لکھتے ہیں: ''کم سن بچے ٹی وی کو مستند سمجھتے ہیں، وہ

جو کچھ دیکھتے ہیں اس پر یقین کر لیتے ہیں اور اکثر و بیشتر یہ سمجھتے ہیں کہ ٹی وی کے کردار بھی ان کو دیکھ رہے ہیں"۔

❁ ڈاکٹر جان۔ایم۔ہیلے۔(ماہر نفسیات) اپنی مشہور زمانہ کتاب میں بچوں پر پڑنے والے ٹی وی کے اثرات کا تجزیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

"اوسطاً اٹھائیس گھنٹے فی ہفتہ عادتاً ٹی وی دیکھنے والے کمسن بچوں کے دماغ کی نشو و نما میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اور یہ تبدیلی بہتری کی سمت میں نہیں ہوتی۔

(رسالہ پریوی ٹیشن۔مارچ ۱۹۹۱ء)

❁ بچوں کے پڑھنے کی استعداد اور تعلیمی قابلیت پر ٹی وی کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر جیروی سنگر (ماہر نفسیات کارنیل یونیورسٹی) تحریر کرتے ہیں :

"ٹی وی کی وجہ سے امریکی بچوں کی تعلیمی قابلیت اور پڑھنے کی مہارت میں انحطاط کی پوری ذمہ داری امریکی ٹی وی پر ہے، جو بچے زیادہ ٹی وی دیکھتے ہیں وہ کم علم، زیادہ بے چین اور پڑھائی میں کمزور پائے جاتے ہیں"۔(ٹائم۔اکتوبر ۱۹۹۱ء)

اس قسم کے نتائج کا اظہار نیلسن میڈیا ریسرچ کے شعبۂ تعلیم نے کیا ہے"۔

"جتنا زیادہ بچے ٹی وی دیکھتے ہیں اتنا ہی ان کے لکھنے کی قدرت کمزور ہوتی ہے۔ ایک تحقیقاتی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نوجوان چھ یا دس سے زائد گھنٹے ہر ہفتہ ٹی وی دیکھتے ہیں، انہوں نے دس فیصدی کم نمبر حاصل کئے۔ بہ نسبت اپنے اس ہم جماعت کے جو صرف دو گھنٹے فی ہفتہ ٹی وی دیکھتے ہیں۔

تعلیمی قابلیت کے علاوہ بچوں کی صحت پر بھی مضر اثرات پڑتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر کرٹ۔وی گولڈ (ماہر امراض اطفال۔کیلیفورنیا یونیورسٹی) کی تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے، وہ اپنے مقالہ میں تحریر کرتے ہیں :

"جو بچے دو سے چار گھنٹے ٹی وی دیکھتے ہیں ان کے خون میں کولیسٹرول کی مقدار دوگنی ہو جاتی ہے، بہ نسبت ان بچوں کے جو کم ٹی وی دیکھتے ہیں۔ بڑے ہو کر آدھے سے زیادہ بچوں کو کولیسٹرول کی زیادتی کے باعث وقت سے پہلے دل کی بیماریاں پیدا ہونے کے امکانات ہیں"۔

جسمانی صحت کے علاوہ نفسیاتی صحت اور کردار سازی کے اعتبار سے بھی ٹی وی کے بہت مہلک اثرات ہوتے ہیں، ڈاکٹر ڈینیل۔ اے۔ انڈرسن میسا چوٹس یونیورسٹی میں نفسیات کے پروفیسر اپنی سترہ سالہ تحقیق کے نتائج کا اس طرح اظہار کرتے ہیں :

''ٹی وی کے تشدد سے بھرپور پروگرام بچوں کی حقیقی زندگی میں جنگجویانہ مزاج پیدا کرتے ہیں، وہ بچے جو ٹی وی پر زیادہ تشدد اور مار دھاڑ سے ملے جلے پروگرام دیکھتے ہیں زیادہ جارحانہ مزاج کے پائے گئے ہیں۔ اور طویل مدت پر محیط تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ تشدد آمیز پروگرام دیکھنے سے آئندہ زندگی میں بھی ان کے مزاج میں تشدد اور لڑائی جھگڑے کا رجحان فروغ پاتا ہے''۔ (ٹی وی گائڈ۔ مارچ ۱۹۹۳ء)

ایسی تحقیقات کے نتائج اس سروے سے بھی معلوم ہوتے ہیں جو ٹی وی پر جنسی ہیجان پر مبنی پروگرام کے بارے میں کے گئے تھے۔ امریکیوں کی اکثریت اب یہ محسوس کرنے لگی ہے کہ ایسے پروگراموں کی روک تھام کے لئے قانون بنانا ضروری ہے۔ ایسے پروگراموں پر تشویش اور پریشانی کا اظہار نیوٹن مینو نے (کینڈی کے دور صدارت میں فیڈرل کمیونکیشن کے چیئرمین اور کولمبیا براڈ کاسٹنگ سسٹم کے سابق ڈائرکٹر) امریکی ٹی وی پر تقریر کرتے ہوئے ٹی وی اسٹیشن کو انتہائی بدکار ادارہ قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ:

''میں ۱۹۶۱ء میں پریشان ہوا کرتا تھا کہ میرے بچے امریکی ٹی وی سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاتے، اب ۱۹۹۲ء میں مجھے یہ تشویش لاحق ہوگئی کہ میرے بچوں کی اولاد اس ٹی وی سے کتنا نقصان اٹھا رہی ہے۔ امریکہ میں جب بچہ اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ ڈھائی ہزار مرتبہ قتل وغارت گری اور جنسی ہیجان سے بھرپور مناظر دیکھ چکا ہوتا ہے۔

(لندن آبزرور ۱۹۹۲ء)۔

ڈاکٹر والٹر پرنس (پروفیسر جارج ٹاون یونیورسٹی واشنگٹن) نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ ''راک میوزک'' ہالی وڈ کی فلمیں اور دوسرے تفریحی پروگرام جو امریکہ باہر کے ملکوں کو بھیجتا ہے وہ نہ صرف وہاں کے معاشرہ پر مضر اثرات چھوڑتے ہیں بلکہ امریکی معاشرہ کے تصور کو بھی داغدار کرتے ہیں''۔ (کرسچین سائنس مانیٹر۔ مارچ ۱۹۹۲ء)

واشنگٹن پوسٹ، نیویارک ٹائمز اور لاس انجلز ٹائمس کے نامہ نگاروں کے قلم سے

ایک تحقیقاتی مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا ''ٹی وی اور فلمیں کس طرح امریکی سوسائٹی میں ظلم وستم کا سبب بن رہی ہیں، اور حکومت اس سلسلہ میں کیا کر سکتی ہے''۔ ان نامہ نگاروں نے امریکی سینٹ کی کامرس کمیٹی کا ذکر کیا ہے جس کی ایک نشست میں امریکی میڈیا کے خطرناک اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے اٹارنی جنرل نے بڑے غصہ کے عالم میں کہا بلکہ دھمکی بھی دی کہ ''اگر ٹی وی نے سال کے آخر تک ہوش کے ناخن نہ لیے تو کلنٹن انتظامیہ کانگریس سے مل کر ٹی وی کے پُرتشدد پروگراموں کو بذریعہ قانون محدود و پابند کر دے گی''۔

ان امریکی صحافیوں کے مطابق امریکی ایسے دور میں زندگی گزار رہے ہیں جبکہ تمام ملک میں قتل و غارت گری اور ڈاکہ زنی کی کوئی حد نہیں ہے۔ نوجوانوں کی بدتمیزیوں کو خوش وقتی قرار دیا جا رہا ہے آج کے دور میں مقبول عام میوزک، ظلم، شہوت پرستی، صنف نازک کی تذلیل وتحقیر اور نفرت پھیلنے کا سبب بن رہا ہے۔

ان امریکی صحافیوں نے ٹی وی کے مضر اثرات کے متعلق امریکی سماج کے مختلف طبقوں کے تاثرات معلوم کیے ہیں، ان کی بڑی تعداد نے ٹی وی کو فساد پھیلانے کی یونیورسٹی قرار دیا ہے۔ امریکی معاشرہ میں ایسے لوگوں کی تعداد خاصی ہوگئی ہے جو اپنے گھر میں ٹی وی نہیں رکھتے۔

امریکی اٹارنی جنرل جینیٹ رینو نے سینٹ میں یہ بھی کہا کہ ''اب امریکہ تشدد کے سلسلہ میں اکثر بے حسی کا مظاہرہ کرتا ہے اس لیے کہ وہ شب و روز تشدد ہی میں ڈوبا رہتا ہے''۔ آگے چل کر اٹارنی جنرل اس کا اعتراف کرتا ہے کہ ''کسی ایک فلم کے مناظر حذف کر دینے سے کام نہیں چلے گا اور نہ ہی کسی ایک چینل پر پابندی لگانا ممکن ہے، اس لیے کہ مسئلہ پانچ سو چینلوں کا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امریکی قانون ساز ادارے اور عدالتیں تاریخی طور سے آرٹ کے سلسلہ میں آزاد خیالی کی حامی رہی ہیں۔

(نیوز ویک یکم نومبر ۱۹۹۳ء)

شہرۂ آفاق رسالہ ریڈرز ڈائجسٹ نے ۱۹۶۱ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس کا عنوان تھا ''ٹی وی، تشدد اور جرائم، اور وہ جرائم جو آپ کے گھروں میں ہوتے ہیں'' اس مضمون کے آغاز میں آرک بشپ کا بیان دیا گیا ہے کہ ٹی وی کے ذریعہ اس بات کا

پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ قتل و لوٹ مار معمول کے مطابق چیزیں ہیں، یہ بات ٹی وی عملاً لوگوں کے ذہن نشین کراتا ہے۔

ایک امریکن سرجن نے ٹی وی کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ٹی وی پر تشدد کے مناظر دیکھ کر (خواہ وہ متحرک کارٹون ہی کیوں نہ ہوں) بچوں میں تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جدید تحقیق سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ میڈیا میں تشدد سے سوسائٹی میں تشدد کی آبیاری ہوتی ہے۔ ایک صحافی فرانس کا کہنا ہے کہ ٹی وی پر تشدد سوسائٹی کا پرتو ہے اور تشدد کی ہمت افزائی بھی۔

واشنگٹن یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر کارل بلس بچوں کے پروگراموں کے اثرات کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”فلموں، ٹی وی سیریز اور فرضی و افسانوی کہانیوں اور متحرک کارٹونوں پر مشتمل پروگرام دیکھنے کا اثر بچوں پر بہت بھیانک ہوتا ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ جو ادارے ویڈیو گیمس اور متحرک کارٹون پروگرام تیار کر رہے ہیں انھیں چاہئے کہ وہ پہلے ان پروگراموں سے پیدا ہونے والے منفی اثرات اور مشکلات کا حل سوچیں اور یہ بتائیں کہ ان کے مضر اثرات کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے“۔

ڈاکٹر کی تحقیق یہ ہے کہ ویڈیو گیمس اور متحرک کارٹون جیسے پروگرام دیکھنے سے بچوں کے اندر مندرجہ ذیل امراض پیدا ہوتے ہیں:

ہتھیلی پر پسینہ چھوٹتا ہے، دردسر، متلی، مرگی کے علاوہ بدہضمی اور اعصابی تناؤ پیدا ہوتے ہیں۔ افسانوی اور فرضی پروگرام دیر تک دیکھنے سے بچوں کو اس وقت نفسیاتی اور ذہنی صدمہ اٹھانا پڑتا ہے، جب یہ پروگرام ختم ہو جاتے ہیں اور وہ حقیقت کی دنیا میں واپس آجاتے ہیں۔

اسٹینفرڈ انسٹی ٹیوٹ کے زیر نگرانی ہونے والے متعدد میدانی سروے اور جائزے سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں: ”انسان اپنی پیدائش کے بعد سے ایک متعین طریقہ پر زندگی گزارنے کا عادی ہو جاتا ہے، ٹھوس حقائق سے ہر دم اس کا واسطہ پڑتا ہے، لیکن جب واقعات و حقائق اور اوہام و خیالات کے درمیان تصادم ہوتا ہے تو ذہنی اور نفسیاتی طور پر بچہ کو صدمہ ہوتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کو چکر آتا ہے، حقائق سے گریز کرنے لگتا

ہے، ایک بٹن دبا کر اپنے کو حسین ورنگین خیالی دنیا میں پہونچا دیتا ہے، وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ خیالی دنیا اس کے لیے حقیقت بن جائے، جب عملاً ایسا نہیں ہوتا تو وہ ذہنی و اعصابی کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے، جن آنکھوں سے وہ ان خیالی مناظر کو دیکھتا ہے انھیں بھی صدمہ ہوتا ہے، اسی لیے اس کو چکر اور مرگی کے دورے پڑنے لگتے ہیں"۔

کنساس یونیورسٹی میں سماعت اور آواز کے ماہر استاذ مائیکل نے ایک سروے میں یہ انکشاف کیا" کہ چودہ مہینے کے کمسن بچے بھی اگر ٹی وی اسکرین دیکھتے ہیں تو ان مشاہدات کا اثر قبول کرتے ہیں، یہ بچے بڑے ہو کر سرکش، تشدد پسند اور قاتل ہوتے ہیں"۔

امریکی ماہر نفسیات لیونارڈ ایری نے اپنی تحقیقات کا دائرہ ۱۹۶۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بڑھا دیا۔ اس نے اپنے سروے میں اس کا اہتمام کیا کہ جو بچے ۱۹۶۰ء میں پیدا ہوئے ان کی زندگی ۱۹۹۶ء تک کیسی گزری۔ مشی گن یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر لیونارڈ نے نیویارک میں پیدا ہونے والے چھ سو پچاس بچوں کا جائزہ لیا تو یہ نتیجہ سامنے آیا کہ ان تمام نے اس کا کھل کر اعتراف کیا کہ انھوں نے تشدد، قتل، بداخلاقی اور چوری ڈکیتی میں ٹی وی پروگراموں سے اثر قبول کیا، یا سنیما کے پردے سے۔ ایسے بچے تعلیمی میدان میں ناکام رہے۔ سولہ سترہ سال تک پہونچتے پہونچتے وہ قاتل اور ڈاکو بن گئے۔ اپنی بیویوں کو انھوں نے مارا پیٹا، بدکاری کا راستہ اختیار کیا، اور نشہ آور اشیاء کے عادی بن گئے۔

برطانیہ کی ماہر نفسیات خاتون سوزان بیل نے برطانیہ کے قاتلوں سے جو انٹرویو لئے اور ان کی زندگی کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ان قاتلوں میں سے ۴۵ فیصد تشدد سے بھری ہوئی فلمیں دیکھتے تھے۔

۳ر اکتوبر ۱۹۹۴ء میں ایک امریکی نوجوان نے ایک فلم ٹی وی پر دیکھتے ہوئے اپنی ماں، باپ، بہن اور بیوی کو قتل کر دیا۔ ایک فرانسیسی فلم دیکھ کر ایک نوجوان نے اپنے خاندان کے پانچ افراد کو کھڑے کھڑے گولی ماردی، اس فلم میں یہ الفاظ بار بار دہرائے گئے تھے کہ" اگر تمہارے پاس ریوالور ہے تو ہر چیز تمہاری ملکیت ہے"۔

لندن کے ماہرین نفسیات نے اپنے سروے سے یہ نتائج اخذ کئے کہ پندرہ سولڑ کے

لڑکیوں کے نفسیاتی تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلموں میں بے حیائی اور بداخلاقی کے مناظر کو فراموش کر جاتے ہیں، لیکن تشدد کے مناظر ان کے ذہن سے کسی طرح محو نہیں ہوتے، خوفناک مناظر کو دیکھ کر ان کی نیند اُڑ جاتی ہے، حالانکہ وہ انہیں بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ بچے تشدد سے بھرپور فلموں کو بڑی تعداد میں اور دیر تک دیکھنا پسند کرتے ہیں جن کے مضر اثرات ان کی سیرت و کردار پر پڑتے ہیں۔

برطانوی میڈیکل کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ نے میڈیا پر الزام لگایا ہے کہ ویڈیو گیمس اور متحرک کارٹون جیسے پروگرام دکھا کر نئی نسل کو تباہ و برباد کیا جارہا ہے۔ ٹی وی انجینئر، پروگرام ڈائرکٹر اور مشاہدین سب اس کے شاکی ہیں کہ وہ دماغی اور اعصابی طور پر پریشان ہو جاتے ہیں۔ صورت حال یہ ہے کہ اس وقت برطانیہ میں بچوں کے پروگراموں میں چالیس فیصدی متحرک کارٹون دکھائے جاتے ہیں جس میں تشدد ہوتا ہے۔ تعلیمی پروگراموں کا تناسب اب گھٹ کر صرف سات فیصدی رہ گیا ہے۔ ڈش انٹینا کے ذریعہ بچوں کے جو پروگرام پوری دُنیا میں نشر کئے جاتے ہیں ان میں متحرک کارٹونوں کے پروگرام کا تناسب ۷۰ فیصد تک پہنچ گیا ہے۔

مندرجہ بالا سروے سے الگ ایک نئے انداز کا سروے ایک امریکی شہری بل میکن نے ٹی وی پروگراموں کا کیا، اور اس کو "قتل وقت" کا نام دیا۔

اس محقق نے ریاست ورجینیا کے ایک شہر کو اس کے لئے منتخب کیا جہاں ایک سو چینل پر ہر طرح کے پروگرام پیش کئے جاتے ہیں۔ بل نے طے کیا کہ ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام پروگرام چوبیس گھنٹے تک دیکھے گا۔ چنانچہ اس نے چوبیس گھنٹے سو چینلوں پر ٹیلی کاسٹ ہونے والے پروگرام کو ویڈیو کیسٹ پر ٹیپ کر لیا۔ اس کے بعد اس نے ان تمام پروگراموں کو یکے بعد دیگرے دیکھنا شروع کیا جو دو ہزار گھنٹے پر مشتمل تھے۔ آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ٹی وی سے صرف تفریح ہوتی ہے، جرم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، اس سے علم یا معلومات میں ذرّہ برابر اضافہ نہیں ہوتا۔ اس محقق نے امریکی ماہر نفسیات ڈاکٹر بلومر کا یہ قول نقل کیا ہے " کہ امریکی فلموں نے پوری دُنیا میں عام طور پر جنسی خواہشات کو اُبھارنے میں بڑا بنیادی کردار کیا ہے"۔ اس لئے کہ ۹۹ فیصد امریکی فلموں میں جنس کو موضوع بنایا جاتا

ہے۔ نو جوان لڑکے، لڑکیاں ان فلموں سے جنسی تعلیم حاصل کرتے ہیں، منشیات کے استعمال، چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت گری اور بداخلاقی کی تعلیم ان فلموں سے ملتی ہے۔

کولمبیا یونیورسٹی کے ماہر نفسیات ڈاکٹر اسٹیفن نے کہا ہے کہ جیلوں کو جرائم کی یونیورسٹی قرار دیا جاتا ہے، لیکن فی الحال تو ٹی وی جرائم سکھانے کا ابتدائی اسکول ہے جہاں مجرموں کو بڑی فنکاری اور منصوبہ بندی سے تیار کیا جاتا ہے۔

آسٹریلیا کے محققین کے مطابق ٹی وی سے نکلنے والی تابکار شعاعیں دماغ کے نظام عمل کو متاثر کرتی ہیں، بچوں کا دماغ ٹی وی کی تابکار شعاعوں کو برداشت نہیں کرسکتا اور جب ایک بار دماغ ماؤف ہو جاتا ہے تو پھر نگاہیں ٹی وی کے پردے پر لگ جاتی ہیں، اس طرح بچہ ٹی وی دیکھتے وقت گویا محصور ہو جاتا ہے اور ٹی وی دیکھتا رہتا ہے چاہے کوئی پروگرام آرہا ہو۔

ذرائع ابلاغ کا علمی وفنی تجزیہ

- .....دماغی غسل
- .....رائے عامہ
- .... تھا جو نا خوب، بتدریج وہی خوب ہوا
- ..... مطبوعات
- ..... مطبوعات کی خصوصیت پر ایک نظر
- ..... سماعت کے وسائل
- .....انسانی زندگی پر ریڈیو کے اثرات کے دو پہلو ہیں
- .....بصری وسائل وذرائع
- ..... سمعی اور بصری وسائل وذرائع
- .....ٹی وی کا اجتماعی رُول
- .....ڈرامے اور کہانیاں
- ..... سنیما
- ..... شخصی رابطہ یا ذاتی تعلق
- .....افواہ سازی
- .....پروپیگنڈہ اور نفسیاتی جنگ
- .....پروپیگنڈہ کی قسمیں
- .....پروپیگنڈہ کے مقاصد
- .....پروپیگنڈہ کے اسالیب
- .....لابنگ کا نیا نظام

ذرائع ابلاغ کا علمی و فنی تجزیہ

یہ سوال عرصہ ہوا خارج از بحث ہو چکا ہے کہ ذرائع ابلاغ (میڈیا) عوام الناس کی زندگی پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس قضیہ کے نظریاتی مسائل اب نظریات سے بڑھ کر عملی میدانوں میں داخل ہو چکے ہیں، اس لئے کہ واقعات و مشاہدات اور نتائج کو دیکھ کر اب اس قضیہ پر بحث و مناقشہ ہو رہا ہے کہ عوام پر میڈیا کے اثرات کس حد تک ہو رہے ہیں، اس تاثیر کی نوعیت اور گہرائی سے متعلق سوالات ہو رہے ہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے اور ایک اعتبار سے ضمنی اعتراف بھی کہ میڈیا کے گہرے اور دوررس اثرات ہوا کرتے ہیں، اس دور کو ہم میڈیا کے ایسے دور سے تعبیر کر سکتے ہیں، جس میں قوموں کو اسلحہ اور فوجوں کے ذریعہ قتل کرنے کے بجائے میڈیا کے ذریعہ قتل کیا جا رہا ہے، اس ثقافتی اور تہذیبی اور نفسیاتی جنگ کی منصوبہ بندی صحافت، ریڈیو، اور ٹی وی کے ماہرین کرتے ہیں، نہ کہ فوجی ماہرین، آج دنیا میں برتری اور غلبہ اسی کو حاصل ہے جس کے پلڑے میں پروپیگنڈہ کا وزن ہے، ایسا وزن جس کے مقابلہ میں اعلیٰ اخلاقی و ثقافتی اور تہذیبی و سیاسی قدروں او رخوبیوں اور افضل ترین آراء و افکار کی ادنیٰ اہمیت اور ذرہ برابر قدر و قیمت نہیں، اب تعلیم یافتہ انسان بھی کسی چیز کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ پروپیگنڈہ اور اشتہار کی بدولت کرتے ہیں، اس کو پروپیگنڈہ یا میڈیا کا کمال بھی کہا جائے گا کہ پروپیگنڈہ کے ماہرین نے لوگوں کی نگاہوں میں قائد و رہنما اور مخلص و خیر خواہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس حقیقت سے سب ہی واقف ہیں کہ اس پروپیگنڈہ کے پس پردہ بڑی بڑی حکومتیں اور ان کی سیاسی و اقتصادی مصلحتیں ہیں جو میڈیا کے ماہرین کے ذریعہ متعین مقاصد کو حاصل کرنے

کے لئے پلاننگ کراتی ہیں، یا میڈیا کے ماہرین کو انھوں نے ہراول دستہ کی صورت دیدی ہے، اس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ سامنے آیا ہے کہ نہ صرف سیاسی و اقتصادی زندگی بلکہ خود انسانی زندگی بھی میڈیا کے تابع ہو کر رہ گئی ہے۔

سماجی زندگی اور رابطہ عامہ کے ماہرین کو میڈیا کے غیر معمولی گہرے اور ہمہ گیر اثرات پر اتنا بھروسہ ہے کہ وہ جب چاہتے ہیں اپنے متعین مقاصد و اغراض کو حاصل کرنے کے لئے کسی ملک و قوم کی اخلاقی و سیاسی قدروں کو تہ و بالا کر دیتے ہیں، وہ جب ایسا اقدام کرتے ہیں تو انھیں اس کی بجا طور پر توقع ہوتی ہے کہ ان ملکوں اور قوموں کے لوگ ان کے پھیلائے ہوئے دام تزویر میں پھنس جائیں گے، اس لئے کہ ان کے پاس میڈیا کی غیر معمولی طاقت اور اس کے گہرے اثرات کا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، نہ تو ذرائع ابلاغ کی بھاری بھر کم طاقت ہے، اور نہ ہی فنی اور تکنیکی صلاحیت اور منصوبہ بندی ہے کہ وہ اس پروپیگنڈہ کا توڑ کر سکیں۔

میڈیا کی رہنمائی اور اس کے دباؤ سے جس اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے وہ عام طور پر پروپیگنڈے کے اندر موجود رجحان اور منصوبہ کے مطابق ہوتی ہے، اس میں جو اخلاقی قدریں پیش کی جاتی ہیں وہ بھی اس سے ہم آہنگ ہوتی ہیں، کبھی اس کے برعکس اجتماعی زندگی اور اخلاقی قدروں سے ٹکراتی ہیں یا کم از کم اعلی اخلاقی قدروں اور اجتماعی زندگی کی صورت کو وہ مسخ کر کے رکھ دیتی ہیں، میڈیا کے اندر اس کی پوری صلاحیت موجود ہے کہ وہ حقائق کو بدل کر رکھ دے، پھر جب یہ حقائق تبدیل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ انھیں ایسے ناقابل تردید حقائق سمجھ کر قبول کر لیا جاتا ہے جن کے بارے میں کوئی بحث و مناقشہ ممکن نہیں، اور جو وحی کا درجہ رکھتے ہیں، میڈیا کی اس شہنشاہیت کا پورا نظام ''ون وے ٹریفک'' کے اصول پر چلتا ہے جس میں ''جمہور'' یا بقول اکبرالہ آبادی ''جمعوں'' کو اپنی کہنے اور موثر ڈھنگ سے پہونچانے کا کوئی حق نہیں، یعنی میڈیا یہ اعلان کرے کہ آپ صحتمند ہیں تو ہزاروں بیماریوں اور ایڈس کا مجموعہ ہوتے ہوئے بھی آپ صحتمند اور پہلوان ہیں، میڈیا کی اس نفسیات کو قدیم زمانہ کی اس کہانی میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے، وہ کہانی یہ ہے کہ ایک راہب نے کہیں سے ایک بکرا خریدا، راستہ میں عیاروں اور شاطروں

کی ایک جماعت نے فوری طور پر ایک منصوبہ بنایا تا کہ اس بھولے بھالے جمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر وہ بکرا حاصل کرلیں، پروگرام کے مطابق ایک شاطر نے مسکین صورت بنا کر جمن سے کہا کہ یہ کتا آپ نے کتنے میں خریدا؟ کیا گھر کی دیکھ بھال کے لئے آپ یہ کتا لئے جا رہے ہیں؟ اس بیچارے جمن نے تردید کی کہ یہ کتا نہیں بکرا ہے، تھوڑی دیر میں دوسرا عیار انتہائی مخلص اور عقیدت مند کی شکل میں سامنے آیا، اس نے زیادہ پر اعتماد لہجہ میں جمن سے کہا کہ یہ کتا تو بڑا خوبصورت اور اچھی نسل کا ہے، یہ گھر کی رکھوالی کے لئے بہت موزوں رہے گا، تیسرے اور چوتھے شاطر نے بھی یہی بات اسلوب بدل بدل کر کہی، اب تو بیچارے جمن کو یقین ہو گیا کہ یہ بکرا نہیں کتا ہے، اور اس کے ہاتھ جس نے فروخت کیا ہے، اس نے بکرے کے بجائے کتا فروخت کیا ہے، جمن اس مسلسل پروپیگنڈہ کے جال میں پھنس گیا اور بکرے کو کتا سمجھ کر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کہانی کو دور جدید کے ایک شاطر گوبلز نے اس طرح ادا کیا کہ ''اتنی بار جھوٹ بولو کہ وہ سچ ہو جائے''، آج کے میڈیا اور قدیم دور کے شاطروں اور عیاروں میں کوئی فرق اگر ہے تو صرف یہ ہے کہ اس وقت ایک جمن اپنے بکرے سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا جبکہ آج قومیں اور ممالک اپنے عقائد، تہذیب، معاشرت اور تاریخ اور قیمتی اخلاقی قدروں سے ہاتھ دھو رہے ہیں، اور بڑی خوشی سے اپنے تاریخی اور قومی ورثہ سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

انسانی زندگی پر میڈیا کے اثرات کے مختلف پہلو ہیں، ان سب کا احاطہ ممکن نہیں، یہاں صرف چند اہم پہلوؤں کی طرف اجمالی طور سے اشارہ کیا جا رہا ہے۔

آج کے دور جدید میں میڈیا نے ایک انسان کیلئے ایسے ثقافتی ادارہ کی حیثیت حاصل کر لی ہے جس کے بغیر زندگی کا سفر ممکن نہیں، اجتماعی زندگی کے دونوں عنصر۔ مرد وعورت۔ اسی میڈیا سے معلومات وتجربات حاصل کرتے ہیں، اور اس کے فراہم کردہ توشہ کو اپنی غذا بناتے ہیں، بالفاظ دیگر انسانی زندگی سے کتابوں اور علمی مراجع ومصادر کی وہ اہمیت ختم ہو کر رہ گئی ہے جو اس صدی کے آغاز میں کتابوں کی طباعت اور نشر واشاعت کیوجہ سے پیدا ہو گئی تھی، علمی وتحقیقی معلومات کے قابل اعتماد سرچشموں کی طرف رجوع کرنے اور براہ راست ان سے استفادہ کرنے کے بجائے میڈیا کے ذریعہ پیش کی جانے والی ہلکی پھلکی

معلومات پر لوگ زیادہ بھروسہ کرنے لگے ہیں، اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ میڈیا سے استفادہ کرنے والوں کے افکار و خیالات، عادات و اطوار، رجحانات اور ثقافت و تہذیب، طرز عمل اور سلوک میں یکسانیت پائی جاتی ہے، اور وہ سب ایک ایسے قالب میں ڈھلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جس کا سانچہ میڈیا نے تیار کیا ہے، یہ لوگ بذات خود نہ تو خیر محض ہیں، اور نہ ہی خالص شر ہی شر ہیں، سب لوگ یکساں کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کے پیدا کرنے والے نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں اور عقلوں اور درجات و طبقات کی شکل میں بنایا ہے، انسانی سماج کو ایسے چمن سے تشبیہ دی جاتی ہے جس میں رنگ برنگ کے پھول کھلتے ہیں، ان ہی سے چمن کی بہار اور زیب و زینت ہوا کرتی ہے، اگر انسانی سماج بھی ایک کتاب کی طرح ہو جائے تو پھر انسانی عقلوں اور صلاحیتوں، وعظ و نصیحت اور علم و ثقافت کا کیا فائدہ۔

آج کا میڈیا لوگوں کے سامنے زندگی سے متعلق جو حقائق پیش کرتا ہے ان پر لوگ غیر معمولی اعتماد اور یقین کرتے ہیں، وہ ہلکی پھلکی معلومات اور وقتی و عارضی چیزوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں، ایسے دور میں جو تخصص کا دور کہا جاتا ہے لوگ اصل مصادر و مراجع کی طرف رجوع نہیں کرتے۔ سوال یہ ہے کہ کیا علمی تخصص کے اس دور میں متفرق معلومات اور وقتی چیزیں ہمارے لئے مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں، جب کہ ہر علم کی سیکڑوں شاخیں اور جزئیات ہو گئی ہیں، اور ہر موضوع پر ایک کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، اس سے پریشان ہو کر بڑے بڑے ملکوں نے معلوماتی بینک قائم کر دیئے ہیں، تو کیا ان معلوماتی بینکوں کی موجودگی میں اب لائبریریوں اور تحقیقاتی مراکز میں جانے کی ضرورت باقی نہیں رہی، پھر ہم قدیم علوم سے کیسے فائدہ اٹھا سکیں گے۔

میڈیا اور قومی ترقیات کے درمیان اس دور میں چولی دامن کا ساتھ ہے، جیسا کہ یونسکو کے زیر اہتمام ایشیائی اخبارات کے ایڈیٹروں کی دوسری گول میز کانفرنس کی منظور شدہ تجاویز اور قرار داد سے ظاہر ہوتا ہے، اس کانفرنس نے اپنی تجاویز میں کہا تھا "قومی ترقیات کے منصوبہ کی کامیابی کا سارا انحصار قومی شعور پر ہے، اور یہ بھی اس وقت ممکن ہے جبکہ میڈیا کا اس پر بھرپور تعاون حاصل ہو"۔

یہ تجویز گویا اس بات کا اعتراف ہے کہ میڈیا کے بغیر قومی ترقیاتی منصوبے کامیاب

نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں بھی اقتصادی اور سماجی ترقی کے پروگرام بنائے جائیں گے وہاں مادی اور معنوی جدوجہد کی ضرورت ہوگی، ظاہری جدوجہد میں ترقیاتی منصوبوں کی تیاری میں حکومت اور ماہرین فن کی محنت وکوشش تاکہ صنعتی اور زرعی وتعمیری پروگرام بناکر قومی امنگوں اور آرزوؤں کی تکمیل کی جائے لیکن یہ قومی ترقیاتی منصوبے خواہ کتنی محنت اور فنی ماہرین کی جانفشانیوں سے تیار کئے جائیں جب تک میڈیا کے ذریعہ قومی شعور کو بیدار نہیں کیا جائے گا اس وقت تک قومی پیمانے پر ان منصوبوں کی کامیابی ناممکن ہوگی۔

میڈیا کی غیر معمولی تاثیر ونفوذ اور انسانی زندگی پر اس کے اثرات کا اندازہ ان اشتہارات اور اعلانات سے لگایا جاسکتا ہے جو غیر معمولی فنی مہارت سے عوامی نفسیات کو پیش نظر رکھ کر تیار کئے جاتے ہیں، چونکہ میڈیا کے اعلانات واشتہارات خود ان کے وجود اور صنعت کاروں کے لئے زبردست مالی منفعت کا ذریعہ ہیں، اس لئے اس پہلو پر پروپیگنڈہ ماہرین نے غیر معمولی توجہ دی ہے، میڈیا کے اشتہارات نے زندگی کے معیار اور پیمانے بدل ڈالے ہیں، پورا معاشرہ ضروری اور غیر ضروری مصنوعات کی خریداری کے بخار میں اس طرح مبتلا ہو گیا ہے کہ اسے ان مصنوعات کی نوعیت، معیار اور اچھی بری کی بھی تمیز کرنے کا ہوش نہیں ہے، بالفاظ دیگر ہمارے معاشرہ پر ایک طرح سے مسمریزم کا عمل کر دیا گیا ہے، یا ایک کشش کا وہ شکار ہو کر رہ گیا ہے، جس میں اس کے ارادہ کو کوئی دخل نہیں، معاشرہ کے ہر فرد کی صلاحیت کار اور عقل وتمیز کی قوت شل ہو چکی ہے، غالباً اسی غیر معمولی تاثیر کے پیش نظر میڈیا کو اس دور کے منشیات اور افیون سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دور جدید کے تمدن نے آج کے انسانوں کو معاشرہ سے کاٹ کر الگ تھلگ کر دیا ہے، ہمارے معاشرہ کا ہر فرد اپنے افکار وخیالات، مشکلات ومسائل اور بحران کی وجہ سے ایک دوسرے سے بیگانہ اور اجنبی بن کر رہ گیا ہے، اس لئے کہ اس کے اردگرد جتنے لوگ ہیں وہ سب اسی جیسے ماحول میں سانسیں لے رہے ہیں، ایسی صورت میں میڈیا کے اشتہارات واعلانات کی اثر انگیزی نقطہ عروج پر پہونچ جاتی ہے، پھر تو ہر شخص مسحور اور مسمریزیم کا شکار آسانی سے ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس نے میڈیا کا نشہ

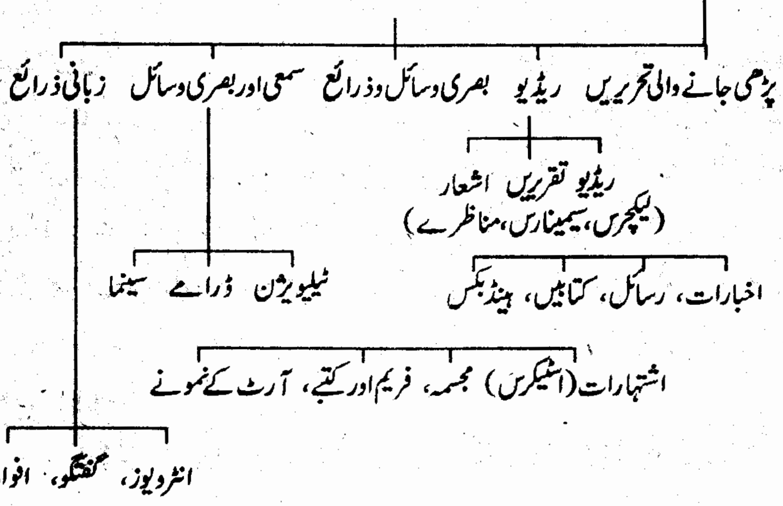
آور انجکشن لیا ہے۔

دماغی غسل

برین واشنگ یا دماغی تطہیر پر ماہرین نے جو کتابیں لکھی ہیں ان میں گستاؤلی بان کی کتاب ”سائیکالوجی آف گیدرنگ“ بھی ہے، جس میں اس نے انسانی مجمع کی نفسیات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”انسان خواہ کتنا ہی مہذب اور باشعور و تعلیم یافتہ ہو، اگر وہ کسی گروپ یا مجمع کے ساتھ رہے گا تو وہ مجمع ہی کی نفسیات اور اس کی کیفیت کے تابع بن کر رہے گا، اچھے خاصے معقول اور با اخلاق لوگ بھی مجمع کے پیچھے جذباتی انداز میں بھاگنے لگتے ہیں، دوسروں کو وہ جو کچھ کرتے دیکھتا ہے وہی وحشیانہ انداز میں بغیر سوچے سمجھے کرنے لگتا ہے، گویا اس پر مسمریزم کا عمل کر دیا گیا ہے“۔

فرائڈ، جیسے ماہر نفسیات نے بھی مجمع کی نفسیاتی کیفیت کی تصویر کشی اور اس کی تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ ایسے رہنما کی ضرورت ہوتی ہے جو پورے مجمع کو مسحور کر دے۔

ذرائع ابلاغ کا وضاحتی نقشہ



ان دونوں مصنفین کے بعد سینکڑوں ماہرین نفسیات نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں، اس حد تک تحقیقاتی کام ہوئے کہ دماغی غسل کے موضوع پر ماہرین نفسیات میں دو مکتب فکر ہو گئے، ایک مکتب فکر جس کا تعلق انگلستان سے تھا، انسانی تعلقات کی نفسیات کا مطالعہ کیا۔ دوسرے مکتب فکر نے، جس کا مرکز فرینکفرٹ تھا، سماجی نفسیات پر اپنی توجہ مرکوز کردی، اس نے دماغی غسل کے وسائل اور ذرائع کا مطالعہ اور تجزیہ کیا، اوران کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی، مثال کے طور پر پرنسٹن پلان کے تحت اس مکتب فکر نے ریڈیو کے اثرات کا جائزہ لے کر جو نتائج نکالے وہ آج ٹیلیویژن کے پروگرام تیار کرنے والے ماہرین کے کام آرہے ہیں۔ پہلی عالمی جنگ میں برطانیہ اور جرمنی دونوں نے ماہرین نفسیات کی خدمات حاصل کر کے ریڈیو کے ذریعہ زبردست نفسیاتی جنگ ایک دوسرے کے خلاف لڑی، اس گروپ نے پہلے گروپ کے اخذ کردہ نتائج سے استفادہ کر کے عملی پروگرام کی شکل دے دی۔

دماغی تطہیر میں عام طور پر سارا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ فرد کی نفسیات کو مسلسل کشمکش اور اضطرابی کیفیت میں مبتلا رکھا جائے، اس حد تک کہ وہ اظہار کرب کے راستے تلاش کرنے پر مجبور ہو جائے، یا پھر مضطرب اور پریشان کن فضا کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے لئے اپنے کو تیار کرلے، لیکن جب نفسیاتی کشمکش کا ماحول مسلسل ہو اور اضطرابی کیفیت ہر لمحہ اس پر مسلط ہو تو ایسی صورت میں یہ فرد اپنے ماحول کے ساتھ مثبت طور پر ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے، اور وہ ایسی صورتیں اختیار کرنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے جو اس کی شخصیت اور کردار کو تباہ و برباد کر کے رکھدے، پھر وہ حیوانات سے بھی نیچے کی سطح پر آجاتا ہے جہاں اخلاقی قدریں بڑی بے دردی سے پامال کردی جاتی ہیں، بشرطیکہ دماغی تطہیر کا پروگرام منظم طریقہ سے نافذ کیا جائے، انسانی نفسیات کو کشمکش اور اضطراب میں مبتلا کرنے کے ایسے طریقے استعمال کئے جائیں جو منصوبہ بند ہوں، اس کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ایسی فضا بنادی جائے کہ بار بار وہی منظر اس کے سامنے آئے اور ایک طویل عرصہ تک منصوبہ بندی کے ساتھ طرز بدل کر اس کے دل و دماغ اور جذبات پر ان کو حاوی کردیا جائے۔

ریڈیو کی ایجاد کے بعد برین واشنگ کے ماہرین نے قوموں اور ملکوں کے دماغوں

کی دھلائی کا موقع غنیمت جانا، چنانچہ پرنسٹن پلان کے تحت ریڈیو کے انفرادی واجتماعی اثرات کا مطالعہ وجائزہ لیا گیا، اس تجزیہ کے مطابق یہ حقیقت سامنے آئی کہ سامعین خبروں یا کسی تجویز اور فنی چیزوں کو قبول کرنے میں موضوع اور اس کے مضامین سے قطع نظر اس بات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں کہ ان خبروں کے اعادہ و تکرار اور ان کو پیش کرتے وقت لب ولہجہ کا انداز اور اسلوب کیسا رہتا ہے؟ ایسا ہوتا ہے کہ اگر معمولی خبر کو طاقتور اور موثر لب ولہجہ میں پڑھا جاتا ہے، تو سامعین اس خبر سے بہت زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں لیکن اگر ہزاروں انسانوں کے قتل عام کی خبر کو ٹھنڈے لب ولہجہ اور غیر مؤثر ڈھنگ سے پڑھا جاتا ہے تو لوگ قطعاً متاثر نہیں ہوتے۔ جب ٹیلیویژن کا دور آیا تو برین واشنگ کرنے والے ماہرین کو وہ ہتھیار مل گیا جس کا انھوں نے خواب بھی نہیں دیکھا ہوگا، چنانچہ ٹی وی کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے برین واشنگ کے ایک ماہر تھیوڈر ایڈورڈ نے کہا کہ ٹیلیویژن کی صورت میں انسانی دل ودماغ اور جذبات پر مکمل کنٹرول کرنے کا ایک زبردست وسیلہ ہمارے ہاتھ آ گیا ہے جس کا ہم خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ٹیلیویژن کی بنیادی اور غیر معمولی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آواز اور تصویر دونوں کو اس طرح پیش کرتا ہے کہ اس سے نفسیاتی کشمکش اور مضطرب فضا کو تیار کرنے کا سب سے بہترین کام لیا جا سکتا ہے، اور اس کے ازالے کی بہترین تدبیر بھی اس سے ہو سکتی ہے۔ ٹیلیویژن آپ کے سامنے ایسی چیزیں پیش کرتا ہے کہ آپ چاہیں یا نہ چاہیں ان کو پسند کرنے پر اپنے کو مجبور پائیں گے، وہ اس انداز سے پیش کرے گا گویا اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں، اس طرح کہ آپ کے قوائے فکریہ کو معطل کر کے رکھ دے گا، ایسی فضا میں آپ عقل کے بجائے اپنے اندر مشتعل جنسی جذبات وخواہشات کو بھڑکتا ہوا پائیں گے، بچکانہ جذبات واحساسات اپنے اندر موجزن پائیں گے، آپ کو احساس ہوگا کہ ہر شخص یہی سوچ رہا ہے، ہر شخص یہی کہہ رہا ہے، اور یہی کر رہا ہے، تدریجی طور پر پسندیدہ چیزیں آپ کے سامنے پیش کی جائیں گی، خبروں کو اس ڈھنگ سے پیش کیا جائے گا گویا یہ رائے عامہ ہے، مثلاً خبروں کو مختلف ٹی وی اسٹیشنوں سے تقریباً یکساں طریقہ سے پیش کیا جاتا ہے، اس طرح کہ سب سے پہلے ملکی، پھر عالمی خبریں ہوتی ہیں، پھر خصوصی رپورٹ نمائندوں کی

ہوتی ہیں، ان کے بعد آرٹ، ادب اور کھیل وتفریح سے متعلق خبریں پیش کی جاتی ہیں، لیکن ان تمام خبروں میں بڑی مہارت اور فن کاری سے پروپیگنڈہ کی روح جاری وساری رہتی ہے، ہر لفظ اور ہر جملہ کا انتخاب ایسا ہوتا ہے جو مشاہدین اور سامعین کے دل ودماغ پر دیرپا اثرات چھوڑے، ان فقروں کے لئے بھی محدود لمحے اور منٹ مقرر ہوتے ہیں۔

برین واشنگ کرنے والے ماہرین جب خبریں مرتب کرتے ہیں، تو ان کے پیش نظر وہ بنیادی مقصد ہوتا ہے جس کو کسی حال میں بھی وہ نظر انداز نہیں کرتے، ہر ہر لفظ اور ہر تصویر کا زاویہ اپنے اندر اور باہر پیغام رکھتا ہے، عام طور پر عالمی خبروں کو اس زاویہ سے پیش کیا جاتا ہے جیسا دماغی غسل کے ماہرین کی مرضی ہوتی ہے، دنیا کے ایسی تصویر جو کشمکش و اضطراب سے اور پریشان کن مناظر سے بھری ہوئی ہے، جس کے دیکھنے سے اعصابی تناؤ میں اضافہ ہوتا ہے، ٹی وی کی ہر تصویر تیس سکنڈ سے زیادہ نہیں رہتی، مثلاً ایک منظر میں کسی بچے کو گھر کی چھت سے گرتے ہوئے، یا کسی بچے کو کسی کی گولی سے مرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے، کسی قاتل کا پیچھا کرتے ہوئے پولیس کو دکھایا جاتا ہے، اس کے ساتھ جرائم کے واقعات میں خون بہتے اور لوگوں کو روتے دکھایا جاتا ہے، بڑی عمارتوں میں آتش زدگی کے ہولناک مناظر دکھائے جاتے ہیں، موٹروں کے حوادث، جنگ اور قحط و بھک مری کے مناظر میں بیشتر مناظر اور خبروں کی تفصیل نہیں دی جاتی کہ لوگوں کے لئے ان کا یاد کرنا مشکل ہو جائے، بلکہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ مشاہدین اور سامعین دونوں ہی خبروں کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے صرف یہ تاثر لیتے ہیں کہ قتل ہوا، یا بڑی بھیانک آتش زدگی کا واقعہ پیش آیا، ان خبروں کے بعد اقتصادی خبریں ہوتی ہیں، جن میں ڈالر اور سونے کے بھاؤ ہوتے ہیں، ان خبروں سے بھی اعصابی تناؤ کا ہونا فطری ہے، پھر ایسی خبریں پیش کی جاتی ہیں جو اعصابی تناؤ کو کم کرتی ہیں، مثلاً گھٹیا درجہ کی جنسی کہانیاں، عصمت دری کی خبریں، فلمی اداکاروں کے عشق و عاشقی کے واقعات نمک مرچ لگا کر پیش کرنا، اسی طرح فیشن شو کے عریاں مناظر وغیرہ۔

پھر ٹیلیویژن اپنے مقصد کو پیش نظر رکھ کر ان سیاست دانوں کے اقوال اور اخباری بیانات پیش کرتا ہے جو اس کے نقطہ نظر کی تائید کریں، ٹیلیویژن ان خبروں کو اہمیت دے گا اور بتائے گا کہ یہ خبر کس درجہ قابل توجہ اور غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے، لاکھوں مشاہدین

نے ان مصور خبروں کو دیکھا جو مغربی میڈیا نے اپنی طرف سے گڑھ کر پیش کیا تھا۔

دماغی تطہیر کے ایک ماہر فریڈرک ایمرے نے ٹیلیویژن کی تصویروں کے گہرے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اس درجہ موثر اور سحر انگیز ہوتی ہیں کہ مشاہد کی تمام تر توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی ہیں۔ ٹیلیویژن خاص طور سے آنکھوں اور دماغوں کو غیر معمولی حد تک متاثر کرتا ہے، اس طرح کہ آواز اور تصویر اور سابقہ معلومات کے درمیان ربط و ہم آہنگی کا کام آنکھ بڑی تیزی سے انجام دیتی ہے، ایسی صورت میں دماغ، جس کا کام واقعات کا تجزیہ و تحلیل اور خبروں اور تصویروں کو مسلسل دیکھنا اور نتائج نکالنا ہے، اپنا کام اس لئے انجام دینے سے قاصر رہتا ہے کہ ہر لمحہ مناظر بدلتے رہتے ہیں، اس لئے وہ تیزی سے بدلتے ہوئے مناظر و مشاہدات کا تحلیل و تجزیہ کسی صورت میں کرنے کے قابل نہیں رہتا، اس لئے کہ ایسی صورت میں دماغ کے خلئے تیزی سے بدلتے مناظر کو بغیر کسی تجزیہ اور کسی نتیجہ تک پہونچے جوں کے توں قبول کر لیتے ہیں، بالفاظ دیگر مشاہدین مقناطیسی عمل کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فریڈرک ایمرے کم عمر بچوں کے دل و دماغ اور اعصاب پر ٹیلیویژن کے اثرات کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”ایسے بچوں کے لئے جو ٹی وی پروگرام تیار کئے جاتے ہیں، وہ سادہ انداز میں اعادہ و تکرار کی بدولت تدریجی طور پر انسانی اعصاب کو مکمل طور پر بند کر دیتے ہیں“، یاتھو ڈرایڈورڈ کے الفاظ میں ”میڈیا کے ذریعہ لوگوں کو عقلی پسماندگی پر مجبور کیا جا سکتا ہے، بالغ اور مہذب انسانوں کو آسانی سے بچوں کی سطح پر لایا جا سکتا ہے“ ٹیلیویژن ایسا ماحول اور ایسی فضا تیار کرتا ہے جس میں جذبات کو مشتعل اور متحرک کرنے میں عقل سے بہت کم کام لیا جاتا ہے، دماغی غسل کا سب سے کامیاب اور مؤثر بلکہ آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کو جنسی ماحول اور فضا سے مربوط کر دیا جائے، اور ایسی کیفیت پیدا کر دی جائے کہ اگر چہ وہ سراب کی طرح ہو لیکن انسان اس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگنے پر مجبور ہو جائے، مغربی فلموں میں بچپن کے ماحول کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے، جیسے وہ بہت اچھے اور خوشگوار دن تھے، مثلاً چھٹی دہائی میں بچپن سے متعلق ایک فلم پوری دنیا میں دکھائی گئی جس میں بچپن کے دور کو ایک مراہق کے نقطہ نظر سے دکھایا گیا تھا، کہ وہ نوجوان

کس طرح پڑوس کی لڑکی سے تعارف حاصل کرتا ہے، اور کس طرح دونوں جذبات کے دھارے میں بہنے لگتے ہیں۔ ساتویں دہائی میں ایسی فلم دکھائی جاتی ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ پانچویں دہائی میں کس قسم کے نوجوان ہوا کرتے تھے، اس طرح ستر سال کے انسانوں کے اندر بیس سال کے نوجوانوں کے جذبات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

رائے عامہ

دینی اور اخلاقی قدروں کی عدم موجودگی میں واقعات اور حقائق کو پرکھنے کا ذریعہ رائے عامہ یا اکثریت کا رجحان ہی قرار پاتا ہے، ایک ماہر نفسیات، رائے عامہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''ہمارا گمان عام طور پر یہ ہوا کرتا ہے کہ ہم اپنی رائے بذات خود قائم کرتے ہیں، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ ہم عموماً یہ فرض کر کے اپنی رائے قائم کرتے ہیں، کہ رائے عامہ ہمارے تصرفات اور آراء کی تائید کرے گی، ہماری فطرت کے اندر یہ بات داخل ہے''۔

خبریں علم ومعلومات کے لئے نہیں ہوتیں وہ تو دماغی غسل دینے والوں کے تصورات کے مطابق دماغ کے اندر موجودہ تصویروں کو دوسروں تک پہونچانے کا نام ہے، اس کو وہ رائے عامہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی تکمیل وہ اس طرح کرتے ہیں کہ متعین تصویروں کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، اس کے لئے وہ عام رائے شماری کا خوبصورت نام دے کر اس کے حق میں دلائل فراہم کرتے ہیں۔

پہلی عالمی جنگ عظیم کے بعد رائے عامہ کے جائزہ کیلئے بہت سے ادارے وجود میں آئے جن میں بڑے بڑے ماہرین نفسیات اور برین واشنگ کے ماہرین کام کرتے ہیں۔

ہال بیکر، اس طرح کے عام جائزوں اور رائے عامہ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ''اگر آپ چاہتے ہیں کہ امریکی کسی خاص خیال یا نظریہ کو قبول کرلیں تو آپ کو صرف یہ کرنا ہوگا کہ رائے عامہ کا سہارا لیں اور یہ کہیں کہ رائے عامہ کا یہ کہنا ہے، پھر ٹیلیویژن اور میڈیا کے دوسرے ذرائع ابلاغ میں شائع کردیں، اس کی آسان صورت یہ ہوتی ہے کہ آپ جتنی مہارت اور ذہانت سے رائے عامہ جاننے کے لئے سوالات کا سانچہ بنائیں گے

اسی لحاظ سے آپ کی پسند کے مطابق جواب مل جائے گا، مثال کے طور پر آپ یہ سوال کریں کہ ۸۵٪ امریکیوں کا خیال ہے کہ وہ مستند خبروں کیلئے ٹیلیویژن پر اعتماد کرتے ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟ متوقع جوابات مثبت صورت میں آپ کو ملیں گے، اب اس سے بحث نہیں کہ ٹیلیویژن کی کن خبروں کے متعلق یہ سوال ہے؟ آیا سیاسی خبریں مراد ہیں یا صحت وتندرستی اور کھیل سے متعلق خبروں کے بارے میں یہ سوال کیا جارہا ہے؟ راہ چلتے کسی شخص سے اس طرح کے سوالات وجوابات نشر کر کے اس کو رائے عامہ کا نام دے دیا جاتا ہے، عام طور پر لوگ رائے عامہ کے ایسے جائزوں سے بہت جلد متاثر ہوجاتے ہیں، خاص طور سے جب کسی شخص کی کامیابی یا ناکامی سے اس کا تعلق ہو، آج کل ٹیلیویژن اور روزناموں کے اشتراک وتعاون سے صرف ایک دن میں رائے عامہ کا جائزہ لیکر اسی دن اس کو نشر بھی کردیتے ہیں، تاکہ مطلوبہ منزل تک لوگوں کی رہنمائی ہوسکے۔ (۱)

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا

سنیما، ڈراموں، لڑیچر (افسانے، ناول) نے پانچویں دہائی سے غیر معمولی سرعت لیکن تدریجی انداز میں عوام وخواص کے طرز فکر کو یکسر تبدیل کر کے رکھدیا، یعنی بقول اکبرالہ آبادی ع   تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا

کاؤبوائز سیریز میں سخت قوانین کے خلاف احتجاج کرنے والوں کو پولیس اپنی گرفت میں لیتی ہے، پولیس کو ہیرو کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن دینی واخلاقی خلاف ورزی کرنے والے اور مجرموں کو پناہ دینے والوں کی توقیر کی جاتی ہے، اس مخالفت کو کسی زاویہ سے بھی جرم نہیں سمجھا جاتا۔ ایک مظلوم انسان کا، جو قانون کی گرفت سے بچنے کے لئے راہ فرار اختیار کرتا ہے، قانون تعاقب کرتا ہے، لیکن سفید پوش مجرموں کو یہی قانون تحفظ عطا کرتا ہے، ان فلموں میں انصاف کرنے والوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور انھیں رشوت خور اور بدکردار ثابت کیا جاتا ہے، ڈنڈے کے زور اور دولت کے بل پر سیاسی اثر ورسوخ کے ذریعہ دباؤ ڈال کر فیصلہ بدلوانے والوں کو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔

پانچویں دہائی سے پہلے فلموں میں جنسی معاملات کی طرف اشارے کنایے بھی نہیں

---

(۱) ملاحظہ ہو یہودی پروٹوکول کا دسواں دستاویز۔

ہوتے تھے، لیکن پانچویں دہائی میں پہلے اشارے کنایے سے، پھر حرکات وسکنات، اس کے بعد جنسی تعلقات کو عملی طور سے فلموں میں پیش کیا جانے لگا، ان فحش مناظر کو ''امریکی محبت'' کا نام دیا گیا ''امریکی طرز محبت'' نامی فلمی سیریز میں جنسی مناظر کھلے عام پیش کئے گئے، ۱۹۷۵ء میں ہر ہفتے جنسی مناظر پیش کرنے کا تناسب ۱۵٪ تھا جو ۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۲۴٪ ہوگیا، اب ہر روز ٹی وی سیریز میں تشدد کے مناظر پیش کرنے کا تناسب ۶۰٪ اور جنسی اختلاط کے مناظر پیش کرنے کا تناسب ۳۵٪ تک پہونچ گیا، بسا اوقات ایک ہی فلم میں یہ تعداد پوری ہوجاتی ہے۔(۱)

نوخیز نسل سے متعلق جو سیریز یا متحرک کارٹون دکھائے جاتے ہیں یا ویڈیو گیمس، ان سب میں جانوروں کو اشرف المخلوقات کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے، ستاروں، سیاروں کی پرستش، آفتاب و ماہتاب اور زمین کی تقدیس کے لئے ذہن سازی کی جاتی ہے، قوت اور تشدد کو استعمال کر کے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ طاقت اور دولت ہی سے ہر چیز حاصل اور ناممکن، ممکن ہوجاتی ہے، اصل طاقت دولت ہے نہ کہ حق پر ہونا، گھروں میں والدین کو بچوں سے غافل، ماں کو اپنے دوستوں اور باپ کو اپنے گرل فرینڈز کے ساتھ مصروف دکھایا جاتا ہے، اور یہ بتایا جاتا ہے کہ اولاد پر والدین کا تسلط بے جا اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ وہ ان کی آزادی میں رکاوٹ ہیں۔ ایک فلم میں بتایا جاتا ہے کہ دولتمند باپ کو اتنی مصروفیتیں گھر کے باہر ہوتی ہیں کہ اس کو گھر اور بیوی بچوں کے حالات کا قطعی علم نہیں ہونے پاتا، رات کو دیر گئے گھر آتا ہے، اور صبح سویرے چلا جاتا ہے، محبت و شفقت سے محروم بیوی بچے اس خلا کو اپنے پسندیدہ طریقہ سے پورا کرتے ہیں، اور اپنا اپنا دوست تلاش کر لیتے ہیں، اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب ہوتے ہیں۔ دوسری فلم میں ایک لڑکی اپنے غبی باپ پر حاوی دکھائی دیتی ہے۔ تیسری فلم میں گھر پر والدین کا کوئی اقتدار واحترام باقی نہیں رہتا، شیاطین بچے اس پر حکمراں بن جاتے ہیں، اور والدین انانیت پسند ہوتے ہیں۔ ایک فلم میں بھائی

---

(۱) اُتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ کے سات سنیما گھروں میں سات ایسی فلمیں دکھائی جارہی ہیں جن پر (بالغوں کیلئے) لکھا ہوا ہے (قومی آواز ۱۹؍دسمبر ۱۹۹۶ء) ان فلموں کے علاوہ ہندوستانی اور بیرونی ٹی وی چینلوں سے جو جنسی مناظر پر مشتمل فلمیں دکھائی جاتی ہیں ان کی تعداد پچیس اور اٹھائیس کے درمیان ہے (۲۰؍دسمبر ۱۹۹۶ء)

بہن دوسری میں باپ بیٹی کو جنسی تعلقات قائم کرتے ہوئے، اسی طرح ماں کو اپنے بیٹے کے ساتھ اختلاط کرتے دکھایا جاتا ہے۔(۱)

پانچویں دہائی تک فلموں میں دینی واخلاقی قدروں اور ان کے رموز پر تنقید سے گریز کیا جاتا تھا، البتہ دین واخلاق کا براہ راست تذکرہ کرنے کے بجائے ان رسوم ورواج اور تقالید کا ذکر کیا جاتا تھا جن کا قدیم زمانہ سے تعلق تھا، عائلی زندگی میں دین واخلاق کا جو سرگرم رول ہے اس کا اشارہ اور کنایہ میں بھی ذکر نہیں ہوتا تھا، چھٹی دہائی سے ایسی فلمیں بننے لگیں جن میں براہ راست دین پر تنقید اور اخلاقی قدروں کو نشانہ بنانے کے بجائے گرجا گھر کے پادریوں کی ذاتی زندگی میں اخلاقی انحراف، جنسی بے راہ روی، اور اخلاقی گراوٹ کا ذکر ہونے لگا، اس طرح دماغی غسل کی مسلسل مہم کے جب نتائج خاطر خواہ سامنے آنے لگے تو فلموں اور ٹی وی سیریز میں مشاہدین کے سامنے تین صورتیں پیش کی جانے لگیں۔

۱) اُونچی سوسائٹی اور بلند معیار زندگی تک رسائی میں ناکامی سے مایوس ہو کر نفسیاتی اعتبار سے اپنے کو شکست خوردہ تسلیم کر لیں، اور آخری چارۂ کار کے طور پر منشیات کا سہارا لیں، بجائے اس کے کہ شدید مقابلہ اور سخت کوشی کی زندگی اختیار کریں، مغربی مصنف الڈس ہکسلے کی کتاب ''جرأت وشجاعت سے بھرپور ایک نئی دنیا'' میں ایسی سوسائٹی کی تصویر پیش کی گئی ہے جس میں کسی اصول وبنیاد اور اخلاقی قدروں کی کوئی حکمرانی نہیں ہوتی۔

---

(۱) پہلے یہ بات صرف مغربی فلموں میں دکھائی جاتی تھی اب ۱۹۹۳ء سے ہندوستانی فلموں میں بھی ایسے مکالمے اور مناظر دکھائے جاتے ہیں، گانے کے ذریعہ فحاشی کی تعلیم تو ۱۹۶۰ء ہی سے شروع ہو چکی تھی ''سنگم ہوگا کہ نہیں'' ''جب پیار کیا تو ڈرنا کیا'' جیسے گانوں کا سلسلہ ۱۹۶۰ء سے شروع ہوا ہے، نوبت بایں جا رسید کہ باپ بیٹی کے درمیان ایسے فحش قسم کی جنسی مکالمے اور گانے ہونے لگے ہیں جو شاید میاں بیوی بھی بولنا پسند نہ کریں، بینڈٹ کوئن کے مناظر اور کھلنا ئک کے گانے مغربی فلموں کا نقش ثانی ہیں۔ مارچ ۱۹۹۷ء کے پہلے ہفتہ میں دہلی میں جاپانی فلموں کا ہفتہ منایا گیا تھا، روزنامہ قومی آواز میں ایک فلمی تبصرہ نگار نے اس فلم فسٹول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''دو جاپانی فلموں میں سگے بھائی بہنوں کے درمیان جسمانی تعلقات کے مناظر پیش کیے گئے ہیں، ہدایت کاروں نے کہانی اور واقعات کو منطق کی بنیاد پر ٹکائے ہوئے جواز بھی پیش کیا ہے اور ایسے تعلق کا انجام بھی پوری مہارت سے دکھایا ہے، یہاں بھائی کی یادداشت چلی گئی، چھوٹی بہن چونکہ بھائی سے انتہائی پیار کرتی ہے اس لئے اپنا جسم اس کے حوالے کر دیتی ہے''۔ وزین لهم الشیطان ما کانوا یعملون۔

(قومی آواز ۱۰/ مارچ ۱۹۹۷ء)۔ (ملاحظہ ہو دستاویز ۱۲، ۱۳)۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ بڑی سوسائٹی کو چھوٹی سوسائٹیوں میں تقسیم کردیا جائے تاکہ فرد سوسائٹی کے تقاضوں سے اپنے کو ہم آہنگ کرسکے، اس لئے کہ معاشرے کی وحدت تشدد کے استعمال کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی، اس تجویز کو عملی شکل میں اس طرح لایا جارہا ہے کہ بڑے بڑے ملکوں کو علاقائی، قبائلی، نسلی، قومی، اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کیا جارہا ہے۔(۱)

۳) تیسری صورت یہ ہے کہ فرد اپنے کو اجتماعی اور سماجی زندگی سے الگ کرلے، وہ ٹیلیویژن کی پناہ میں اپنے کو رکھے تاکہ اجتماعی اور سماجی زندگی سے علیحدگی اور دوری کا جو خلا اس کی زندگی میں پیدا ہوا ہے، ٹی وی اس کا بدل بن سکے، وہ ٹی وی اسکرین پر گھر میں تن تنہا بیٹھ کر فٹ بال کا میچ دیکھے اور اپنے کو اجتماعی زندگی میں شامل تصور کرے، اس طرح کہ ٹی وی پر شیاطین کی پرستش، حیوانات کی تقدیس، اور انسانوں کی تذلیل وتحقیر کے جو مناظر پیش کئے جاتے ہیں، ان کو دیکھتے دیکھتے وہ شیاطین کو قابل پرستش، حیوانات کو قابل احترام اور انسانوں کو نفرت کے قابل سمجھنے لگتا ہے، امریکی مصنف ٹونی برگس نے اپنی کتاب میں یہ دکھایا ہے کہ اسکولوں کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے کہ ان میں پڑھنے والے شاہراہوں پر عجیب وغریب لباس پہنے نشہ میں دھت دکھائی دیتے ہیں، اور ہر طرح کی تخریب میں مشغول رہتے ہیں، اس کتاب کے ہیرو کا اپنا کوئی مخصوص سیاسی اور اخلاقی نقطہ نظر نہیں، وہ نئی نسل کی زبان اس کے جذبات واحساسات تک سے ناواقف ہے، وہ صرف تخیلاتی دنیا میں ہروقت پرواز کرتا اور اونچے اونچے خیالات ظاہر کرتا رہتا ہے۔

(ملاحظہ ہو دستاویز ۱۳)

مطبوعات

مطبوعہ وسائل وذرائع بذات خود رابطہ واتصال کا وسیلہ اور ذریعہ نہیں ہیں، بلکہ اس کا سارا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ عام لوگوں نے ان مطبوعہ تحریروں کو پڑھ لیا ہے اور

---

(۱) ہندوستان وپاکستان، افغانستان روس اور یوگوسلاویہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں، عراق وایران اور ترکی کی سرحدوں، پاکستان اور ہندوستان کی مغربی اور مشرقی سرحدوں پر بسنے والوں کے درمیان تقسیم در تقسیم کا عمل استعماری ملکوں نے شروع کردیا ہے (ملاحظہ ہو یہودی پروٹوکول میں پانچواں دستاویز)

اس کے اندر جو پیغام دیا گیا ہے اسکو انھوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، ایسی صورت میں ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ میڈیا کے ذریعہ دیا گیا پیغام پہونچ گیا ہے، لیکن اگر مندرجہ ذیل حالات میں یہ مطبوعہ پیغام نہیں پہونچتا تو ہم اس کو اپنے مقاصد میں ناکام قرار دیں گے:

(الف) جب یہ مطبوعات وقت پر نہ پہونچ سکیں اور نہ ان لوگوں تک رسائی ہو جن سے ان کا تعلق ہے۔

(ب) مناسب اور موزوں وقت پر یہ مطبوعات پہونچ تو جائیں لیکن ان کو عمومی طور پر پڑھا نہ جائے۔

(ج) مناسب وقت پر یہ مطبوعات پہونچ جائیں ان کو پڑھ بھی لیا جائے، لیکن ان کے اندر موجود پیغام کو سمجھا نہ جائے۔

(د) مناسب اور موزوں وقت پر یہ مطبوعات پہونچ جائیں، ان کو پڑھا اور سمجھا بھی جائے، لیکن ان مطبوعات کی تیاری میں معمولی غلطی، کتاب میں پیش کئے گئے افکار و آراء کی علمی وفنی کمزوری، ناموزوں اور نامناسب وقت پر ان مطبوعات کی اشاعت یا "غلطیہائے مضامین" کی کثرت سے مطبوعات کی اہمیت اور افادیت ختم ہو جاتی ہے۔

مطبوعات کی خصوصیت پر ایک نظر

۱) مطبوعات کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بڑے پیمانے پر ان کی اشاعت ہوتی ہے، اس کے اثرات گہرے اور دیرپا ہوتے ہیں، اور انھیں آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے، معاشرہ کے مختلف طبقات کے لوگ ان سے استفادہ کرتے اور ایک سے زائد بار ان کو پڑھتے ہیں، اور ایک سے زائد اشخاص ان سے مستفید ہوتے ہیں، اس اعتبار سے مطبوعات متعین پیغامات اور مقاصد کو دل و دماغ میں پیوست کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ ایک پیغام کو تکرار اور متعدد طریقوں سے پیش کیا جاتا ہے۔

مکتوب ذرائع ابلاغ اس لحاظ سے بھی دوسروں پر اثر انداز ہونے کی طاقت وصلاحیت رکھتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنی رائے قائم کرنے میں آزاد ہوتا ہے، پڑھنے والا غور وفکر

سے کام لیتااور سوچتا ہے، دوبارہ اور سہ بارہ ان کو پڑھتا ہے یا تو وہ ان مضامین پر تنقید کرتا ہے یا انھیں قبول کرلیتا ہے، اس طرح قاری اور لکھنے والے کے درمیان ایک خاموش گفتگو ہوتی ہے جو دونوں کے درمیان جاری رہتی ہے، اس خاموش مطالعہ کے دوران پڑھنے والے کو بہر حال مضمون کی اثر انگیزی کو قبول کرنا پڑتا ہے، اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ قاری کے دل ودماغ پر وہ فکر مسلط ہوجاتا ہے، اور مطبوعہ مضامین کی روح اور اس کا جوہر پڑھنے والے کے رجحانات پر دوررس گہرے اثرات ڈالتا ہے، اور اس کی حیثیت معلم سے زیادہ متاثر اور منفعل کی ہوجاتی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مکتوب الفاظ کے اندر دل ودماغ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت ایسی ہے جیسی سحر اور جادو میں، بشرطیکہ اس کی تیاری میں فنی مہارت کا ثبوت دیا جائے، اور لفظی ومعنوی ہر اعتبار سے وہ مؤثر اور طاقتور اسلوب میں ہو، پھر تو مکتوب الفاظ بغیر اجازت کے انتہائی خاموشی سے دلوں تک رسائی حاصل کرلیتے ہیں، اور قاری کے احساسات وجذبات اس مضمون کے اسیر بلکہ وہ خود اس کا داعی اور پرجوش حامی وموید بن جاتا ہے۔

۲) مکتوب الفاظ یا مضامین کے مفہوم تک رسائی حاصل کرنے میں قاری کسی کا محتاج نہیں ہوتا ہے، وہ براہ راست اس سے استفادہ کرتا ہے، اور وہ بذات خود آزادی سے مضمون کی قدر وقیمت متعین کرتا ہے، کوئی چیز اس پر تھوپی نہیں جاتی۔

۳) مکتوب مضامین کو پڑھنے سے قاری کی شخصیت اور خود اعتمادی کو تقویت ہوتی ہے، اور وہ بذات خود اپنی عقلی اور فکری صلاحیتوں سے مکتوب مضامین کے مفہوم، اس کی گہرائی وگیرائی تک رسائی حاصل کرتا ہے اور ان کے رموز واشارات اور معموں کو حل کرتا ہے، بالفاظ دیگر وہ معلم کا کردار ادا کرتا ہے، اور یہ معروف نفسیاتی حقیقت ہے کہ جب قاری بذات خود اپنے نفس کیلئے معلم کا کردار ادا کرتا ہے اور اس کو تلقین کرنے کا فرض انجام دینے لگتا ہے تو پھر یہ مضامین اس کی شخصیت میں اچھی طرح راسخ اور پوری طرح جذب ہوجاتے ہیں، اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ مکتوب مضامین کو سمجھنے میں مثبت اور ایجابی پہلو غالب ہے، دوسرے یہ کہ اس عمل کے نتیجہ میں قاری کی ذات اور شخصیت کا اثبات اور کسی مضمون سے مطمئن ہونے اور دوسروں کو اس سے مطمئن

کرنے کی عقلی وفکری قدرت وصلاحیت ثابت ہوتی ہے، اس عمل کو ماہرین نفسیات "تعلیم بذریعہ عمل" سے تعبیر کرتے ہیں۔

۴) مکتوب الفاظ کے پڑھنے سے اجتماعی ذمہ داریاں قاری پر عائد ہوتی ہیں، اس کے اندر خود مزید معلومات حاصل کرنے اور دوسروں تک ان معلومات کو منتقل کرنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوتا ہے، جب ان پڑھ لوگ تعلیم یافتہ حضرات کی زبانی نئی معلومات اور ایجاد کی بات سنتے ہیں تو خود ان کے اندر علم طلب کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

دوسری طرف قاری کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ مزید معلومات سے بہرہ ور ہو، اور صرف اپنے ملک وماحول کی زندگی اور اس کے تقاضوں سے اس کی واقفیت محدود نہ رہے بلکہ عالمی مسائل ومشکلات، آراء وافکار اور سیاسی واقتصادی اور تہذیبی قدروں کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرے۔

۵) مکتوب الفاظ کے پڑھنے سے قاری کو علمی وفکری خیالات کی دنیا میں غوطہ زن ہونے کا موقع ملتا ہے وہ پڑھنے سے زیادہ سمجھتا اور سوچتا ہے، جتنا وہ سمجھتا ہے اس سے زیادہ تخیلات کی دنیا میں وہ پرواز کرتا ہے، وہ کبھی سوچتا ہے تو کبھی مزید سمجھنے کوشش کرتا ہے، کبھی وہ تخیلات کے پر لگا کر اڑاتا اور کبھی وہ اپنی عقلی وفکری قوت کو مسائل ومشکلات کے حل کرنے میں استعمال کرتا ہے۔

۶) تحریروں میں اخبارات ورسائل کی تحریروں کو مندرجہ ذیل فنی خصوصیات حاصل ہیں:

- عوام وخواص ہر طبقہ کے لئے صحافت کی تحریریں تازہ ترین معلومات کا خزانہ ہوتی ہیں۔
- صحافتی تحریروں سے قوموں کے اندر ثقافتی اور اجتماعی وحدت پیدا ہوتی ہے، جس کے گہرے اور دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔
- صحافت کے صفحات میں شائع ہونے والے انٹرویوز، سیمینار کی روداد، تحقیقی مقالات، سماجی وعلمی سروے، تجارتی اشتہارات، حکومت کے بیانات اور اعلانات، قوموں کی اقتصادی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے میں بنیادی رول ادا کرتے ہیں۔
- صحافت ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے (بشرطیکہ آزاد ہو) جس میں زندگی متحرک

اور قوت وسرگرمی سے لبریز نظر آتی ہے، افراد اور جماعتوں اور حکومتوں کی تصویریں اس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

- صحافت کو ہم ''زمانہ کا گواہ'' اور ''مشاہد'' بھی کہہ سکتے ہیں، جس میں دنیا کے فاصلے سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔
- دور جدید کی صحافت، طباعت کی غیر معمولی سہولتوں، رنگین چھپائی، سٹیلائٹ کی سہولت، بہتر سے بہتر فنی اخراج، اعلیٰ ترتیب وتدوین، نیز کم سے کم قیمت، زیادہ سے زیادہ تازہ ترین خبروں، اور ہر ذوق کے قاری کی دلچسپی کے سامان کی موجودگی، اور ہر جگہ دستیاب ہونے کی وجہ سے آج کی صحافت بہت دلچسپ اور جاذب توجہ ہوگئی ہے، اور اس نے انسانی زندگی کے بڑے حصے پر اپنا قبضہ جمالیا ہے، اس لئے کہ جتنی غیر معمولی سرعت سے صحافت لوگوں تک رسائی حاصل کرلیتی ہے، اتنی سرعت سے کوئی اور تحریر لوگوں تک نہیں پہونچ سکتی، اس لئے صحافت کے اثرات بھی بڑی سرعت اور طاقت سے پھیل جاتے ہیں۔

سماعت کے وسائل

انسانی زندگی پر ریڈیو کی سماعت سے جو اثرات ہوتے ہیں اس کے تجزیہ سے قبل اس خبر کو انتہائی غور سے پڑھیے جس میں کہا گیا تھا کہ کوریا کی جنگ کے دوران کمیونسٹ حکومت نے جب سیول پر قبضہ کیا تو اس نے سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ سیول کے باشندوں کے پاس موجود تمام ریڈیو کو ضبط کرلیا، حالانکہ ریڈیو اسٹیشن پر قابض ہونے کے بعد اس کی قطعی ضرورت نہیں تھی، اشترا کی حکومت نے یہ اقدام اس لئے کیا تھا کہ وہ سیول کے باشندوں کو خفیہ ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہونے والے پیغامات سننے سے روک دے، اس زمانہ میں ریڈیو کا رکھنا اور غیر ملکی نشریات سننے کی سزا موت تھی، اس خبر سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انسانی عقل وفکر اور جذبات کی تشکیل میں ریڈیو کتنا خطرناک رول ادا کرتا ہے۔

انسانی زندگی پر ریڈیو کے اثرات کے دو پہلو ہیں:

ا) ریڈیو انسانی اعضاء میں صرف ''کان'' سے غرض رکھتا ہے، اور اسی کو اپنا مرکز قرار دیتا ہے، انسان جب کسی چیز پر اپنی ذہنی توجہ کو مرکوز کرنا چاہتا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہے، اس طرح وہ اپنے حافظے پر زور دے کر اس کو زیادہ متحرک اور سرگرم کرنا چاہتا ہے، وہ اپنی قوت تخیلہ کو سنجیدگی اور پوری قوت سے کام کرنے کا موقع دینا چاہتا ہے، تاکہ وہ خیال اس کے ذہن میں اچھی طرح اپنی جگہ بنالے اور پھر وہ اس کو فراموش نہیں کرتا، اور نہ ہی ان افکار کی تفصیلات و جزئیات اس کے ذہن سے محو ہوتی ہیں، یہی معاملہ ریڈیو اپنے سننے والے کے ساتھ کرتا ہے، ریڈیو انسانی حاسہ سماعت کے ذریعہ رفتہ رفتہ معلومات کو منتقل کرتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریڈیائی پیغامات کے تمام اجزاء سامعین کے ذہن میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں، اس کے ساتھ ریڈیو سننے والے کو غور و فکر اور تخیل سے کام لینے کا مزید موقع فراہم ہوتا ہے، بالآخر ریڈیائی پیغامات کے تمام اجزاء انسانی ذہن میں بغیر کسی انتشار و پراگندگی کے جاگزیں ہو جاتے ہیں اور اچھی طرح جڑ پکڑ لیتے ہیں۔

انسانی زندگی پر ریڈیائی پیغامات کے اثرات کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ

(الف) ریڈیائی پیغامات تمام انسانی طبقوں تک یکساں پہونچتے ہیں، جاہل و عالم، متوسط اور کم تعلیم یافتہ، اعلیٰ تعلیم یافتہ، ہر ایک تک بغیر کسی استثناء کے پہونچتے ہیں، ریڈیو اس اعتبار سے بڑا خطرناک ہتھیار ہے کہ قوموں کے باہمی تعلقات اور ان کے ثقافتی اور تہذیبی شعور کی دیوار کو مستحکم یا کمزور کرنے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔

(ب) ریڈیائی پیغامات قومی فاصلوں اور حدود و قیود سے ماوراء ہو کر پہونچتے ہیں، انسانی معاشرہ میں مرد و عورت، چھوٹے بڑے اور ہر عمر کے لوگوں تک ان کی رسائی ہے، اگر چہ ریڈیو کے مقابلہ میں ٹی وی کی جاذبیت اور کشش بہت بڑھی ہوئی ہے، لیکن ریڈیو کو اپنے سامعین کی عقل اور قلب تک رسائی کے جو مواقع حاصل ہیں اور جس طرح حدود و قیود

سے ماوراء ہوکراس کے پیغامات ہر جگہ پہونچتے ہیں وہ مقام ٹی وی کو حاصل نہیں، اس بنا پر ریڈیو کے ذریعہ حقائق ومعلومات سامعین تک منتقل کر کے ان کے ذوق ورجحانات پر اثر انداز ہونے کے مواقع ہروقت اور ہر جگہ اس کو حاصل ہیں، اس لئے کہ ٹرانسسٹر کی ایجاد نے اس کے نقل وحمل کی سہولت کو آسان تر بنا دیا ہے، ہر پڑھا لکھا، جاہل، دیہاتی وشہری، مقیم ومسافر، اٹھنے بیٹھنے اور لیٹنے والا جب چاہے جہاں چاہے ریڈیو سن سکتا ہے، اس وجہ سے ریڈیو جس غیر معمولی سرعت سے پھیلا ہے کوئی اور ذریعہ ابلاغ نہیں پھیلا۔

دوسری امتیازی خوبی یہ ہے کہ ریڈیو کو جس طرح تمام انسانی طبقوں تک رسائی حاصل ہے، جس میں وقت اور نشست کی کوئی قید نہیں ہے وہ ٹی وی کو حاصل نہیں، ریڈیو کے برعکس ٹی وی دیکھنے کیلئے خاص طرح سے بیٹھنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے دیکھنے کے لئے آدمی کو وقت فارغ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ اس کے برعکس ریڈیو کی سماعت کے لئے صرف اتنا کرنا ہوتا ہے کہ آپ سوئچ کھول دیں، اگر آپ کو وہ پروگرام پسند نہ آئے تو سوئی کو تھوڑا سا گھما دیں، آپ فوراً ایک دنیا سے دوسری دنیا میں پہونچ جائیں گے، اس طرح بغیر کسی ادنیٰ جدوجہد اور جسمانی وذہنی مشقت کے آپ ریڈیو سے مستفید ہوسکتے ہیں، آپ کاموں میں مصروف ہوتے ہوئے بھی ریڈیو سن سکتے ہیں، اس طرح ریڈیو کو میڈیا میں بڑا اہم مقام حاصل ہے، بلکہ اگر ریڈیائی نشریات کو طاقتور ٹرانسمیٹر حاصل ہو، آواز میں دلکشی ہو، مضمون بڑی مہارت اور محنت سے تیار کیا گیا ہو، طرز القاء میں جاذبیت اور کشش اور ساحرانہ اسلوب وانداز ہو تو پھر اس کا مقابلہ کوئی دوسرا ذریعہ ابلاغ نہیں کرسکتا، خاص طور سے اگر ریڈیائی نشریات ایسے ہوں جو فکری یا وجدانی رنگ وآہنگ رکھتے ہوں اور جن کا مقصد عقل ودماغ پر شبخون مارنا اور ذوق ورجحانات کو تبدیل کرنا ہو۔

سامعین کی نفسیات ان کے ذوق وجدان اور رائے ورجحان کو جو چیز تبدیل کرتی یا ان پر اثر انداز ہوتی ہیں ان میں تقریر اور اشعار کو امتیازی مقام حاصل ہے، آج کی میڈیا میں سفلی جذبات کو ابھارنے والے فلمی نغموں نے بڑا حصہ لے رکھا ہے۔

بصری وسائل وذرائع

میڈیا میں بصری وسائل وذرائع کو لوگوں کی توجہ مبذول کرنے اور ان پر اثر انداز

ہونے اور ان کے ذوق و رجحانات کو بدلنے میں غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے، اس اعتبار سے میڈیا کے ماہرین بصری وسائل کو فوری طور پر فیصلہ کن اور موثر مانتے ہیں، کہ دیکھنے والے کے اعصاب سے وہ خیال منتقل ہوکر اس کے سلوک اور عمل میں تبدیل ہو جاتا ہے، بالفاظ دیگر فوری طور پر وارننگ یا خوش خبری کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس کا ردعمل مشاہد کے اعصاب اور سلوک پر فوری اور فیصلہ کن ہوتا ہے، اشتہارات اور اسٹیکرز میں موجود نقوش اور تصویروں کو اگر چہ الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جاتا لیکن فوری تاثیر اور قوت میں اس کو درجہ کمال حاصل ہے۔

بصری وسائل و ذرائع میں سب سے موثر اور طاقتور وہ بصری وسیلہ ہے جس کو لفظی رموز کے بجائے فنی طریقہ سے ادا کیا جائے، اس لئے کہ فنی طریقہ سے جو نقوش و خطوط کھینچے جاتے ہیں، وہ بذات خود اپنی زبان رکھتے ہیں، ایسی زبان اور رمز جس کو عالمی سطح پر ہر جگہ سمجھا اور ان سے اثر قبول کیا جاتا ہے، اس میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اس زبان اور رمز کو کس طرح آسان اور سہل بنا کر پیش کیا جائے کہ ایک عام آدمی بھی اس کے اندر پنہاں پیغام بآسانی سمجھ لے، ترقی یافتہ ممالک اپنے مقاصد کو متحرک نقش و نگار اور الیکٹرونک گیمس کے ذریعہ حاصل کرتے ہیں، یہودی اور عیسائی اپنی قومی و تاریخی اور مذہبی رموز اور شعار کو، اپنی مصنوعات کو اقتصادی، سیاسی، علمی اور سماجی سرگرمیوں کے ذریعہ فروغ دیتے اور ان کی تبلیغ واشاعت کرتے ہیں، اس طرح ذرائع ابلاغ ہوں یا قومی و بین الاقوامی کانفرنس کسی موقع پر اس کے اظہار سے باز نہیں آتے۔

سمعی اور بصری وسائل و ذرائع

۱) ٹیلیویژن: دور جدید کا وہ خطرناک ایجاد ہے جس نے میڈیا کی دنیا میں غیر معمولی انقلاب برپا کر دیا ہے، اس ایجاد نے تصویر اور آواز دونوں کو استعمال کر کے پوری دنیا کے فاصلوں کو سمیٹ کر ایک بستی میں تبدیل کر دیا ہے۔(۱)

---

(۱) ایک عالمی گاؤں GLOBALVILLAGE کا مطلب مثبت اور منفی دونوں ہوسکتا ہے، یعنی اطلاعات و معلومات کے لحاظ سے ہم اس کو مثبت کہہ سکتے ہیں، اس کے برعکس اس میڈیا کے عالمگیر اثرات معاشرہ پر جس طرح مرتب ہوتے ہیں یعنی جس نوعیت کے جرائم مغرب میں ہوتے ہیں اسی نوعیت کے جرائم مشرق میں بھی ہوتے ہیں، یہ منفی ہے۔

انسانی سماعت اور بصارت دونوں حاسوں کو ٹیلیویژن مشغول اور متاثر کرتا ہے، اس بنا پر میڈیا میں ٹی وی کو ایک موثر و طاقتور ذریعہ ابلاغ قرار دیا جاتا ہے اس لئے کہ ٹی وی مشاہد کی تمام صلاحیتوں اور حاسوں کو پوری طرح مشغول اور اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، اور وہ نشر ہونے والے تمام مضامین میں پوری طرح گم ہو کر رہ جاتا ہے، اور وہ گھنٹوں ٹی وی پروگراموں کو دیکھنے میں پوری یکسوئی اور مکمل انہماک سے مسلسل مشغول رہتا ہے، اس طرح وہ اپنی تمام ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو ایک جگہ مرکوز کر دیتا ہے، ٹی وی پر جو پیغامات مشاہد دیکھتا اور سنتا ہے، ان کی قبولیت اور ان سے پوری طرح متفق اور ہم آہنگ ہونے کیلئے بغیر کسی مناقشہ اور مباحثہ کے وہ ذہنی اور نفسیاتی طور پر تیار رہتا ہے، اس طرح ٹیلیویژن کو میڈیا میں سب سے بہتر اور افضل اور معتبر وسیلہ مانا جاتا ہے۔

ٹی وی پر جو مضمون پیش کیا جاتا ہے اس کے پیش کرنے کا انداز و اسلوب اور طریقہ ڈرامائی اور متحرک اور ہمہ وقت تنوع اور جدت سے بھرپور رہتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیلیویژن کے اندر جو متعدد خصوصیات ہیں وہ اس کو مشاہد کے دل و دماغ تک سماعت اور بصارت کے ذریعہ پہونچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، اس طرح کہ مشاہد جدید ٹکنالوجی کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے، ٹی وی پروگرام پیش کرنے والا جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے اور جہاں چاہتا ہے اپنے مشاہد کے دل و دماغ کو لے جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ٹیلیویژن کے کیمرے، مشاہدات و مناظر اور تصویروں کو مختلف حجموں، رنگوں، فطری، اور غیر فطری شکل وصورت میں حسب مرضی متحرک یا جامد دکھا سکتے ہیں، یہ کیمرے خوبصورت کو بدصورت، بدصورت کو خوبصورت، قریب کو دور اور دور کو قریب دکھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ کیمرے طبعی اور فطری چیزوں کی نقل مطابق اصلی ہی نہیں دکھاتے بلکہ ان کے اندر ایسے وسائل ہوتے ہیں جو ان چیزوں کو حسب مرضی نئے فنی قالب میں انوکھے طرز سے پیش کر سکتے ہے، یہ معاملہ صرف کیمرے کے ذریعہ نقل وتقلید تک محصر نہیں بلکہ نظریاتی اور عملی دونوں میدانوں میں کیمرے کا دائرہ کار ہر قسم کی نقل وتقلید تک محیط ہے، ریڈیو کے برعکس ٹی وی اپنے مشاہد کو اسکرین پر پیش کئے جانے والے مضامین کے سلسلہ میں تخیلاتی پرواز اور غور وفکر کا ذرہ برابر بھی موقع نہیں دیتا ہے۔

ٹی وی آپ کا ایسا دوست ہے جو آپ سے پورے وقت اور مکمل یکسوئی وانہماک کا طالب ہے، اس کا آپ سے یہ تقاضا ہوتا ہے کہ آپ اپنے قول ودماغ اور خیال کے ساتھ بغیر کسی توقف کے مسلسل اپنے پورے وجود کو اس کے لئے وقف کردیں۔

ٹی وی کا اجتماعی رُول

یہ حقیقت بہر حال ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہم اس دھوکہ میں آئیں کہ ٹی وی کے وجود سے اجتماعی روح پیدا ہوتی ہے، بعض لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ چونکہ ٹی وی دیکھنے کے لئے گھر کے تمام افراد یکجا ہوتے ہیں، اس طرح وہ سب باہم مل کر جمع ہو جاتے ہیں، اور ان کو اس موقع سے ایک دوسرے سے ملاقات کا موقع مل جاتا ہے، حالانکہ جس طریقے سے ٹی وی کے دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں اس کا تجزیہ کرنے سے اس دعوے کی حقیقت کھل جاتی ہے، ٹی وی دیکھنے والے جسمانی اعتبار سے تو یکجا رہتے ہیں، لیکن خیالات وجذبات کے لحاظ سے ہر شخص دوسرے سے جدا اور اپنے افکار کی دنیا میں مگن رہتا ہے، ٹی وی دیکھنے کے لئے خواہ یہ یکجائی ایک گھر کے خاندان کے افراد کی ہو یا کسی کلب کے ممبران وارکان کی جو اتفاقی طور پر ٹی وی دیکھنے جاتے ہیں، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد جدا ہو جاتے ہیں، ان میں سے ہر فرد کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے خوابوں اور تمناؤں کی دنیا میں محو اور اپنے پسندیدہ ہیرو میں مشغول اور ٹی وی پر پیش کئے گئے واقعات واخبار کی تشریح اور ان سے اپنے تاثرات واحساس اور کیفیت کی تفسیر وتوجیہ میں غرق رہتا ہے، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ٹی وی دیکھنے والے کسی ایک واقعہ کے متعلق اپنے تاثرات واحساسات ظاہر کرنے میں پورے طور سے متفق ہوں، اس لئے کہ ہر مشاہد کی اپنی پسند وناپسند ہوتی ہے، جو اس کو اسکرین پر پیش کئے گئے واقعات واشخاص اور اخبار سے ایک مضبوط غیر مرئی دھاگے کے ذریعہ منسلک اور مربوط رکھتی ہے، اس لئے ہم یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ٹی وی دیکھنے سے اجتماعیت کی روح بیدار ہوتی ہے، جب انسان جسمانی طور پر یکجا اور ذہنی ونفسیاتی اعتبار سے ان کے شیرازے بکھرے ہوں تو انھیں اجتماعیت سے ہم تعبیر نہیں کرسکتے، امریکی مصنفہ اور سماجی سروے کی محققہ کے الفاظ میں "ٹی وی سے ایسی اجتماعی زندگی وجود میں آتی ہے جس میں اجتماعی روح کا فقدان ہوتا ہے"۔

ڈرامے اور کہانیاں

جدید ذرائع ابلاغ کے دائرہ میں ڈرامہ اور کہانی کے مضامین اور ان کے مرکزی نقطہ اور خیال کو اس لئے بنیادی اہمیت دی جاتی ہے کہ ڈراموں کے خاتمے پر مشاہد کے دل ودماغ میں اس کی روح رچ بس جاتی ہے، ڈرامہ اور کہانی کو اسٹیج پر پیش کرنے کے دوران میں جو روشنی کی جاتی ہے اور جس کا عمل آغاز سے آخر تک جاری رہتا ہے، اس روشنی کی شعائیں اس کی موجیں، برقی رو کی طرح ڈراموں اور کہانیوں کی روح کی طرح مشاہد یا قاری کے دل ودماغ کے اندرونی گہرائیوں اور ان کے سلوک میں شعوری ولاشعوری طور پر سرایت کر جاتی ہیں، یہی روش انسانی دماغ کے لئے رہنما اس کے لئے بنیادی محرک کا کام دیتا ہے، اس کے سلوک اور طرز عمل کیلئے مہمیز اور محرک کا کام دیتا ہے۔

ڈرامہ کے اندر جو تاثیر ہوتی ہے وہ بسا اوقات اگر چہ براہ راست نہیں ہوتی، اس لئے کہ ڈرامہ کا اسٹیج خطابت اور وعظ ونصیحت کا منبر نہیں ہوتا، بلکہ ڈرامہ کی تاثیر اسٹیج پر ہونے والی گفتگو، آواز کے مدوجزر، الفاظ اور جملوں کے تبادلوں کے ذریعہ، نرم ونازک اور باریک پردوں کے ذریعہ انسانی دل ودماغ تک پہونچ جاتی ہے۔

ڈرامے کے اسٹیج پر پیش ہونے والے مجسم ومتحرک اور رنگین افکار وخیالات جب انسانی دل ودماغ میں رچ بس جاتے ہیں تو اس کی اندرونی موجیں رہ رہ کر باہر آتی اور ضمیر کی اندرونی راحت وسکون کو مضطرب اور انسانی نیند کو اڑاتی ہیں، اور انسان کو کسی کام پر آمادہ کرتی یا اس کو سکوت پر مجبور کرتی ہے، دونوں صورتوں میں بہر حال وہ انسان اچھے اعمال وافعال یا بری عادتوں اور خصلتوں کی گرفت میں رہتا ہے، اور ہر طرح کی تعمیری وتخریبی، پاک وناپاک اور صاف وگندی ہوائیں ڈرامہ کے روزن سے انسانی دل ودماغ میں داخل ہو جاتی ہیں، ڈرامہ کو ہم ایک ماہر سرجن کے ہاتھ میں ایسے تیز نشتر سے تعبیر کر سکتے ہیں جس کے نتیجہ میں اگر چہ تھوڑا تھوڑا خون بہتا ہے لیکن وہ خون مسلسل رستا رہتا ہے۔

انسانی دل ودماغ اور اس کی سیرت وکردار کی تشکیل پر ڈراموں کے ذریعہ غیر معمولی اثرات ہی کی وجہ سے مغربی دنیا کے چوٹی کے ادیبوں، فلسفیوں اور مخصوص ومستقل مکاتب

فکر رکھنے والوں نے ڈراموں کو اپنے اپنے افکار ورجحانات، اور دقیق ونازک فلسفیانہ خیالات وعقائد کو پھیلانے کا ذریعہ بنایا، خصوصاً فرانس کے ملحد و بے دین فلسفی جاں پال سارٹر نے اپنے ملحدانہ عقائد اور افکار کو ڈراموں کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا، اس لئے کہ ان ادیبوں اور مفکروں کا یہ پختہ خیال اور تجربہ ہے کہ ڈراموں کے ذریعہ سماج کے قدیم وفرسودہ عقائد وافکار کو تبدیل کر کے نئے سانچہ میں اس کے افراد اور جماعتوں کی عقلوں کو ڈھالا جا سکتا ہے۔

ڈراموں میں کام کرنے والے ایک فن کار نے اپنے ایک مضمون ''ڈراموں کے ذریعہ انسانوں کی عقل وفکر اور جذبات پر یورش'' کے عنوان سے لکھا ہے کہ ڈراموں اور ان کے اسٹیج دونوں جگہ ہر حال میں عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دی جاتی ہے، اتنی غیر معمولی اہمیت کہ کھلے عام حرام کاری کا ارتکاب اور تمام اخلاقی قدروں کو عملی طور پر پامال کیا جاتا ہے، اسلامی اور عربی موضوعات پر پیش کئے جانے والے ڈراموں تک میں بد اخلاقی کے مظاہرے دیکھنے میں آتے ہیں۔ مقالہ نگار مشہور عربی ڈرامہ ''قصر'' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ڈرامہ نگار اپنے ڈرامہ میں ایک ایسے شخص کو پیش کرتا ہے جو ہر طرح معذور ومفلوج ہے، پورے محل میں وہ وہیل چیر کے ذریعہ چکر لگاتا ہے، اس قصر میں عیش وعشرت کے تمام اسباب ووسائل فراہم ہیں، لیکن اس قصر میں وہی چیز ممنوع ہیں جو جنت میں ممنوع وحرام ہیں، عشق وعاشقی ممنوع، محبت کرنا ممنوع، جنسی عمل پر پابندی، حتی کہ سوچنا منع، اور جذبات پر بھی پہرہ ہے، لیکن ان شدید پابندیوں کے باوجود ہیرو اور ہیروئن کے درمیان محبت ہو جاتی ہے، دونوں کے درمیان جو مکالمہ ہوتا ہے وہ انتہائی فحش اور مبتذل ہوتا ہے، نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ اس جنت کی پابندیوں کے خلاف ایک بغاوت ہو جاتی ہے، اس جنت کے مکین اس ظالمانہ اور غیر فطری قوانین کے خلاف شورش کر دیتے ہیں، اور وہ سب اس محبت کی تلاش اور اس کو حاصل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں، جس کے بغیر انسانی زندگی ناممکن ہے، اس میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ آدم وحوا نے جنت کی پابندیوں ہی کے خلاف آزادی کے حصول کے لئے اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔ اس ڈرامہ میں عجیب وغریب طریقہ سے انتہائی فنکاری اور چابکدستی سے ثقافت اور فن کے

نام پر لوگوں کے دل و دماغ اور جذبات کو مسموم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ حال تو اس ڈرامہ کا ہے جس کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کیا گیا تھا کہ خالص اسلامی تصور کو پیش کرتا ہے۔

سنیما

سنیما دو دھاری تلوار اور ایسا سکہ ہے جس کے دو رخ ہیں، لوگوں کے افکار و ارادوں اور عقل و جذبات پر قابو پانے اور جدید ترین ٹکنالوجی کے ذریعہ موثر انداز میں ان کو اپنے مقاصد براری کے لئے مسخر کرنا یہ سنیما کا بنیادی مقصد ہے، اس میں ٹیلیویژن اور سنیما دونوں ہی یکساں خصوصیت رکھتے ہیں، ٹی وی پر جو فلمیں پیش کی جاتی ہیں ان کے اثرات مشاہدین پر اسی طرح ہوتے ہیں جس طرح سنیما ہالون میں پیش کئے جانے والی فلموں سے ہوتی ہے، لیکن یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ فلم سازوں نے اس صنعت سازی کے آغاز ہی سے جو مقاصد پیش نظر رکھے وہ یہ تھے کہ مشاہدین کے جنسی جذبات و عقلوں، ارادوں، اور جیب سے کھلواڑ کیا جائے، اس سلسلہ میں نوجوانوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرنے، ان کے اندر برائی کے بیج بونے اور اس کو پروان چڑھانے اور ان کی آبیاری کے لئے ایسے کردار کو بطور نمونہ پیش کرنا جو بدی اور شر و فساد کو مزین بنا کر پیش کرے، بالفاظ دیگر خیر کو شر اور شر کو خیر کی صورت میں دلکش فلسفہ بنا کر مشاہدین کے دل و دماغ میں اتارنا، یہ فلمسازوں کا بنیادی مقصد ہے، اور اس مقصد میں جس طرح ان کو سو فیصدی کامیابی ملی ہے اس کے اثرات مغربی سوسائٹی پر خصوصاً اور پوری انسانی دنیا پر عموماً دیکھے جاسکتے ہیں۔

فلموں کی وجہ سے انسانی معاشرہ جس طرح متاثر ہوا وہ ظاہر و باہر ہے، اسی طرح یہ حقیقت بھی عیاں ہے کہ فلمسازی کے میدان میں انسانیت کے دشمن یہودی مجرموں کا تخریبی ذہن اور ان کا منصوبہ کارفرما ہے جیسا کہ صہیونی پروٹوکول کے دستاویزوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، ان یہودی فلم سازوں نے اپنی فلم کے ذریعہ :

(الف) مغربی دنیا کے نوجوانوں کو خصوصاً اور پوری دنیا کے نوجوانوں کو عموماً اس حالت میں پہونچا دیا کہ وہ فلموں کے ہیروؤں کو اپنا نمونہ اور اسوہ بنا کر جرائم کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہی جارہے ہیں، وہ جنسی، اخلاقی اور مالی جرائم کا ارتکاب حتی کہ قتل تک

سے دریغ نہیں کرتے، پھر وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کس طرح ان جرائم کی سزا بھگتنے سے اپنے کو بچا سکتے ہیں، اگر پولیس کی گرفت میں آ بھی جائیں تو ان سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے۔

(ب) نوجوان لڑکیوں کا حال یہ ہوگیا کہ وہ ان فلموں کو دیکھ کر ہیروئن کو اپنا نمونہ بنالیتی ہیں، اوران کی طرح جدید فیشن کے ایسے لباس پہنتی ہیں اور ایسی اداکاری کرتی ہیں کہ وہ مردوں کو متاثر کرسکیں اوران کے جنسی جذبات کو بھڑکا کر اخلاقی قدروں کو پامال اور والدین اور سوسائٹی کے خلاف بغاوت وسرکشی کریں۔

ان فلمسازوں نے پوری دنیا کے نوجوانوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کر کے آزادانہ جنسی میل ملاپ کا ماحول تیار کردیا ہے، انسانی سوسائٹی اور جنگلی سوسائٹی دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا، اس سوسائٹی نے تمام اخلاقی قدروں کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اپنے پاؤں تلے اس کو روند بھی دیا، اب تو اقوامِ متحدہ کی نگرانی میں بدکاری کو انسانی سوسائٹی پر بزورقوت تھوپنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ قاہرہ اور بیجنگ کانفرنس اس کی مثال ہیں۔

شخصی رابطہ یا ذاتی تعلق

اگر عوامی سطح پر تمام لوگوں سے براہ راست رابطہ عملی طور پر ممکن ہوتا اور اس کے مواقع حاصل ہوتے تو میڈیا کے نقطہ نظر سے یہ ذریعہ غیر معمولی قوت وتاثیر اور گہرائی وگیرائی اور دوررس نتائج کے لحاظ سے زیادہ افضل اور مثالی ہوتا ہے، اس لئے کہ براہ راست رابطہ سے میڈیا کے سلبی پہلوؤں اور اس کے مضر اثرات ونتائج سے بچا جاسکتا ہے، کہ طاقتور دلائل، تمہید وتحلیل، اور مطمئن کرنے والے فوری جوابات اور مدلل تردید ہی سے اس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اور یہی وہ واحد ذریعہ ہے، جس سے فوری ردعمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شخصی اور ذاتی رابطہ قائم کرنے میں جو دوسرے عوامل اور محرکات کارفرما ہوتے ہیں، ان میں الفت ومحبت، بے تکلفی، مصالح ومنافع کا تبادلہ، متوقع درس کا حصول، مسلسل ملاقات اور تبادلۂ خیال کے مواقع کا مہیا ہونا، یہ سب باتیں مقاصد کے حصول اور کاربراری کے لئے مفید اور معاون ہیں۔

اسی کے ساتھ آپ سے انٹرویو لینے والا جب بغیر کسی کیمرہ یا رکارڈر کے آپ سے گفتگو کرتا ہے اور آپ کے جوابات اور رد عمل پر نگاہ رکھتا اور آپ کے اعتراضات کا فوری جواب بھی دیتا رہتا ہے، تو اس کا وضح مطلب یہی ہے کہ ان تمام حالات میں انٹرویو لینے والے یا اپنے نقطہ نظر کا قائل کرنے والے کو صرف اپنا مقصد عزیز اور وہی اس کے پیش نظر ہوتا ہے، اور یہ کہ آپ اس کے نقطہ نظر سے ہم آہنگ ہو جائیں، اس طرح میڈیا کا پیغام آپ تک وہ پہونچانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، آپ کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ انٹرویو لینے والے کے سوالات کے سانچے میں کس طرح آپ ڈھل گئے، اور انتہائی مہارت اور تجربہ سے ترتیب دئے گئے سوالات کے جال میں گرفتار ہو گئے۔

افواہ سازی

میڈیا میں افواہ سازی سے بڑے بنیادی مقاصد حاصل کئے جاتے ہیں، افواہ سازی میں مقاصد کے حصول کے لئے منصوبہ بندی بڑی مہارت اور چابکدستی سے کی جاتی ہے، یہ افواہیں نیچے کی سطح سے عوام کے اندر سے اٹھائی جاتی ہیں، اس کا مقصد میڈیا کے ماہرین اور پروپیگنڈہ سازوں کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ خود عوام کی ذہن سازی انہیں کے اندر پیدا ہونے والے افواہوں سے کی جائے۔

ان افواہوں کا بنیادی مقصد سماجی اور معاشرتی ستونوں پر قائم عمارت کو منہدم کرنا، ان کے درمیان تفرقہ کے بیج ڈالنا، شرفاء کی عزت پر حملہ اور ان کی آبروریزی کرنا ہوتا ہے۔

میڈیا میں افواہ کو ایسے گیند سے تشبیہ دی جاتی ہے جو عوام کے درمیان ادھر سے ادھر لڑھکتا پھرتا ہے، ذرائع ابلاغ کے ماہرین افواہوں کے ذریعہ عوام کے اندر پیدا ہونے والی بے چینی واضطراب کو تسکین دیتے اور ان کے غیظ وغضب اور غصہ کو فرو کرتے ہیں، جب عوام میں مایوسی ونامرادی اور ناکامی وجھنجلاہٹ ہوتی ہے تو انھیں افواہوں کے ذریعہ ٹھنڈا کرکے امید کی کرن دکھائی جاتی ہے، اس طرح افواہوں کی کشتی ان کے لئے طوفانی سمندروں میں امن وامان کے ساحل تک پہونچانے کا ذریعہ بنتی ہے، افواہوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ غیر معمولی سرعت سے جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتے ہیں،

ہونٹوں سے کوٹھوں پر یہ افواہیں جلد چڑھ جاتی ہیں، ہر شخص ان کو سننے سے تسکین محسوس کرتا ہے، پھر جب دشمن کی طرف سے افواہیں اڑائی جاتی ہیں تو ان کے اثرات کو کلی طور پر ختم کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں عوام میں حقائق کم اور افواہیں زیادہ پھیلتی اور کام کرتی ہیں، نفسیاتی جنگ میں افواہ سازی سب سے موثر اور طاقتور ہتھیار ہے، میڈیا کے ماہرین افواہوں کے تخریبی مقاصد سے خوب واقف ہوتے ہیں۔

پروپیگنڈہ اور نفسیاتی جنگ

بعض اہل الرائے کے نزدیک پروپیگنڈہ مشکوک اغراض و مقاصد کے تحت افراد یا جماعتوں پر اثر انداز ہونے اور ان کے عادات و اطوار و رجحانات و نظریات کو بدلنے کی سعی و کوشش کا نام ہے، جس کا تعلق متعلق سوسائٹی، خاص وقت اور اہم غرض و غایت سے ہے۔

پروپیگنڈہ کی دوسری تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہ عوام یا قومی میڈیا کو کسی خاص اور متعین پارٹی کے کسی خاص مقصد کو بروے کار لانے کے لئے ذہن و دماغ اور جذبات پر اثر انداز ہونے کی جدو جہد کا نام ہے، خواہ وہ مقصد سماجی ہو یا اقتصادی یا سیاسی۔

پروپیگنڈہ کی تیسری مختصر تعریف یہ ہے کہ وہ میڈیا کے ذریعہ غیر جانبدار جماعت یا دشمن جماعت کے افراد کے قلوب و اذھان اور وجدان و جذبات پر خاص حکمت عملی اور مخصوص ٹکنک کے تحت اثر انداز ہونے کی کوشش کا نام ہے۔ اس لحاظ سے پروپیگنڈہ نفسیاتی جنگ میں بنیادی و اساسی محرک و عامل ہے، چنانچہ ایک جرمن قائد نے اس کی حقیقت و اہمیت و افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ”دشمن کے توپ خانہ کو برباد کرنے کے لئے ہم بم کا استعمال کرتے ہیں کیا اس سے زیادہ موزوں اور مناسب بات یہ نہیں ہے کہ جو ذہن توپ خانے کا استعمال کرنے پر آمادہ کرتے ہیں ان کو بدل دیا جائے تا کہ وہ ہاتھ نہ چلیں جو توپ خانہ کا استعمال کرتے ہیں“۔

موجودہ زمانہ میں پروپیگنڈہ کا استعمال مختلف اغراض و مقاصد اور متنوع وسائل و ذرائع کے تحت کیا جاتا ہے، عرب اسرائیل کے درمیان جنگوں میں اسلامی دعوت کے طریقہ کار کو استعمال نہیں کیا گیا ان کی جگہ غیر اسلامی وسائل و ذرائع نے لے لی، چنانچہ اس

غیر اسلامی پروپیگنڈہ سے نہ اسلامی مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ناواقف کی رہنمائی اور نہ ہی اس کے فکر کی تشکیل و تعمیر ہوتی ہے، دوسری طرف مختلف اغراض و مقاصد کے تحت پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کی منظم اور مربوط شکلیں موجود ہیں، یہ تمام کے تمام طریقے معاشرہ کے معیار کے مطابق کامیاب ہیں، اس میں اس سے اتفاق ہو یا نہ ہو، مثلاً ارجنٹائنا، اور برطانیہ کے درمیان فوکلینڈ کے مسئلہ پر جنگ کے موقع پر، پناما کی حکومت گرانے اور گریناڈا پر حملہ کرنے اور ہندوستان میں بابری مسجد کو شہید کرنے کے موقع پر، پروپیگنڈہ نے کامیاب او راہم ترین رول ادا کیا۔(۱)

پروپیگنڈہ کی قسمیں

پروپیگنڈہ کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سرفہرست سفید پروپیگنڈہ ہے، یہ قسم بہت عام اور واضح ہے، اس کا سرچشمہ حکومتی ذرائع ابلاغ بالخصوص، اخبارات، رسائل، ریڈیو اور ٹی وی میں ان کا استعمال خاص و متعین مقاصد میں ہوتا ہے، لیکن زیادہ تر کھلی نفسیاتی جنگ میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

پروپیگنڈہ کی دوسری قسم سیاہ پروپیگنڈہ ہے، یہ مخفی پروپیگنڈہ ہوتا ہے، جس کا دارومدار خفیہ گفتگو پر ہوتا ہے، اس کا حقیقی سرچشمہ انتہائی راز میں ہوتا ہے، لیکن یہ خفیہ طور پر پھیلتا اور اثر انداز ہوتا ہے، سیاہ پروپیگنڈہ دشمن کی سرزمین یا اس کی سرحد سے قریب میں جاری رہتا ہے، اور سرد جنگ میں بہت اہم رول ادا کرتا ہے، اس مہم کو جاسوس انجام دیتے ہیں، اس کو ففتھ کالمسٹ یا پانچواں کالم کہا جاتا ہے۔

پروپیگنڈہ کی تیسری قسم بھورا پروپیگنڈہ ہے، جو مختلف النوع مصادر و مراجع کی بنیاد پر عمل کرتا ہے، اس طرح کا پروپیگنڈہ کرنے والے اپنی سرگرمیوں کے سرچشمے کے انکشاف کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے۔

---

(۱) بابری مسجد کے سلسلہ میں پہلے اس کو متنازعہ بابری مسجد "رام جنم بھومی" پھر رام جنم بھومی بابری مسجد پھر متنازعہ ڈھانچہ اور اس کی منتقلی آخر میں عملاً اس کے دیوار کو مٹا کر رکھ دیا گیا۔

پروپیگنڈہ کے مقاصد

پروپیگنڈہ کے بنیادی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں

● دشمن کی صفوں میں انتشار اور ہیجان پیدا کرنا ● عوام وخواص کو نافرمانی پر ابھارنا ● طاعت وفرماں برداری کے خلاف جذبۂ بغاوت پیدا کرنا ● عوام الناس میں قائدین اور رہنماؤں کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنا، ان کے درمیان باہمی اعتماد کو ٹھیس پہونچانا، اور مستحکم قیادت کو کمزور کرنا ● کسی خاص مسئلہ کے بارے میں ذہن بدلنا، واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا، اعلانیہ بھڑکانے کا کام کرنا، اپنے معاشرہ کے محاسن اور خوبیوں کو اجاگر کرنا ● دوسرے معاشرہ کے محاسن کو نظر انداز کرکے شاذ ونادر واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا، معمولی کمزوریوں کو نمایاں کرنا ● ترقی کے کاموں کو نظر انداز کرکے پسماندگی پر زور دینا۔

پروپیگنڈہ کے دو معیار ہیں، ایک تکنیکی اور دوسرے اسٹراٹیجی، تکنیکی معیار مندرجہ ذیل ہیں:

پروپیگنڈہ کے لئے زیادہ سے زیادہ بہتر اور موزوں لوگوں کے جذبات حاصل کرنا مجوزہ پروپیگنڈہ کے لئے حالات کو سازگار اور موافق بنانا تاکہ سماج اس کو قبول کرسکے، عوام کی ضروریات وترجیحات اور مطالبات کی تحقیق وجستجو کرنا تاکہ پروپیگنڈہ میں ان کی اہم ترین ضروریات کو بالترتیب ملحوظ رکھا جائے۔

اسی طرح اسٹراٹیجک معیار پر پروپیگنڈہ حسب ذیل بنیادوں پر قائم ہوتا ہے:
معاشرہ کے مسائل کے بارے میں مکمل رضامندی اور پسند پر اعتماد نہ کرنا، معاشرہ کی نئی سرگرمیوں کو دوبارہ عملی جامہ پہنانے کی سعی کرنا اور ان پہلوؤں کو چھیڑنا جو بنیادی فکر کو متاثر کریں، یہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کی خاصیت ہے، نئے مسائل کو از سر نو ابھارنا تاکہ مشکلات کو اسلام کی روشنی میں دیرپا حل تلاش کرنے کے بجائے خارجی اشیاء کی روشنی میں حل کئے جانے پر لوگوں کو مجبور کیا جائے۔

پروپیگنڈہ کے اسالیب

یوں تو پروپیگنڈہ کے متنوع اسالیب ہیں، لیکن ان میں مندرجہ ذیل اسالیب بہت مشہور ہیں:

- لطیفہ کا اسلوب: اس کا تعلق ان اقوام و ملل سے ہے جو عمدہ معاشی معیار کا خوگر ہوگئی ہیں، یہ اسلوب عام طور پر بہت موثر ہے۔
- تکرار کا اسلوب: اس میں پروپیگنڈہ باز پوری طرح مطمئن ہوجائیں کہ مجوزہ پروپیگنڈہ دل ودماغ میں راسخ اور پیوست ہوگیا ہے۔
- دینی اسلوب: اسلامی معاشرہ میں اس نام کا اسلوب نامناسب ہے، کیونکہ اسلام میں اصلاً دین کا اسلوب اور دنیا کا اسلوب الگ الگ نہیں پایا جاتا، بلاشبہ اسلام مکمل دین اور کامل نظام وضابطہ حیات ہے، لیکن دوسری سوسائٹیوں میں دین ومذہب کو کچھ مدت تک پروپیگنڈہ کی خدمت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔
- کذب بیانی اور افترا پردازی کا اسلوب: یہ اسلوب جھوٹ، تحریف اور حذف واضافہ کو شامل ہے، اس طرح کی واضح مثالیں بابری مسجد، مسجد گیان واپی، اور متھرا کی عیدگاہ ہندوستان میں اور فلسطین کے قضیہ میں اسرائیلی پروپیگنڈہ ہیں۔
- ترانوں اور گانوں کا اسلوب: یہ اسلوب جہاد کے جذبہ کو فروزاں کرنے، ظالموں کے خلاف انتقامی جوش پیدا کرنے اور مظلوموں کی نصرت وحمایت اور ملک ووطن کی حفاظت کے لئے ولولہ پیدا کرنے کے لئے مفید ہے۔
- اشتعال انگیز نعروں کا اسلوب: اس کا اصل مقصد بزدل رہنماؤں کے دھمکی آمیز اعلانات اور بیانات کو دہرانا ہے، نیز اتحاد وترقی اور تہذیب وتمدن، روٹی کپڑا اور مکان، انصاف ومساوات اور جمہوریت وخوش حالی جیسے الفاظ کی تکرار ہے، ہمارے ملک میں بابری مسجد کی شہادت کے سانحہ میں ان اشتعال انگیز بیانات کو بڑا دخل ہے جو اس تحریک کے مخالف اور موافق رہنماؤں نے دیئے، جیسے یہ کہنا کہ ہم خون کا بحر احمر جاری کردیں گے، ہم سروں کا قطب مینار بنادیں گے، دہلی سے اجودھیا جاتے ہوئے راستے میں جتنے مندر ملیں گے ہم ان کو مسمار کردیں گے۔ وشوہندو پریشد کے یہ نعرے: مسلمانوں کے دو ہی استھان پاکستان یا قبرستان، تیل لگاؤ ڈابر کا، نام مٹاؤ بابر کا۔
- جوابی پروپیگنڈہ: ہم یہاں اسلام کے جوابی پروپیگنڈہ کا ذکر کریں گے، یہ

پروپیگنڈہ بین الاقوامی سازشوں کے مقابلہ میں مادی ٹکنک سے مسلح ہے، پروپیگنڈہ باز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں، اور بسا اوقات حقائق وواقعات سے متعلق اپنے اوراق اور تحریریں نذر آتش کرڈالتے ہیں، پھر کف افسوس ملتے ہیں، اسلام کے جوابی پروپیگنڈہ کو اپنے حق میں مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں زیادہ موثر اور سود مند بنا سکتے ہیں: جوابی پروپیگنڈہ کی پہلی کامیابی کی بنیادی شرط کتاب وسنت کی طرف واپسی اور ان کی تعلیمات پر کامل اعتماد وبھروسہ ہے، دشمن کے پروپیگنڈہ کو دین وشریعت کے ترازو میں تول کر اسکے اہم عناصر ترکیبی کا تجزیہ کرنا تاکہ وہ ہوا میں تحلیل ہو جائے، یا اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔

- دشمن کے پروپیگنڈہ کے مہم میں کمزور پہلوؤں کو تلاش کرنا پھر سب سے کمزور پہلو پر وار کرنا، براہ راست دشمن کے ٹکراؤ سے بچنا، اس لئے کہ اس سے دشمن کو تقویت پہنچے گی۔
- دشمن کے پروپیگنڈہ کے لئے ناسازگار ماحول پیدا کرنے کی سعی کرنا، یہاں تک کہ ذرائع ابلاغ پر بھی اس کا اثر نہ ہو۔(۱)

لابنگ کا نیا نظام

پروپیگنڈہ کی ترقی یافتہ قسم لابی انگ (LOBBY ING) ہے جس کے معنی رائے عامہ کو ہموار کرنا یا کسی خاص طبقہ پر کسی متعین مقصد کے حصول کے لئے اثر ڈالنا ہے، پروپیگنڈہ کی طرح اس نظام نے بھی باقاعدہ ایک پیشہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے، اس مقصد کے لئے جماعتیں اور حکومتیں لاکھوں اور کروڑوں ڈالر خرچ کرتی ہیں، اس میدان میں دولت وثروت کی بنا پر یہودی سب سے آگے ہیں، امریکہ اور دیگر مغربی ملکوں میں درجنوں یہودی ادارے ہیں جن کا کام ہی لابنگ کرنا ہے، خاص طور سے امریکہ کے جمہوری نظام میں اس کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے، اس لئے کہ حکومت کے کاموں کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، اور مسائل اپنی تعداد اور نوعیت کے اعتبار سے بہت بڑھ چکے ہیں، لہٰذا کسی فیصلہ پر پہونچنے کے لئے ارکان کانگریس کو سرکاری اور پارلیمانی دائرہ سے

(۱) تعمیر حیات ۱۰رجنوری ۱۹۹۲ء مقالہ ظاہر بن سعید راہبی، تلخیص وترجمہ خالد فیصل ندوی۔

باہر کے ماہرین کے اطلاعات کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

اس ضرورت نے لابی تیار کرنے والی بے شمار پیشہ ور تنظیموں کو جنم دیا ہے، جو نہ صرف ارکان کانگریس اور ان کے معاونین سے رابطہ قائم کرتی ہیں بلکہ ان پر اثر اندازی کے حربے آزماتی ہیں، جن میں ضروری قانونی ضابطوں کی چھان بین، اشتہارات کی اشاعت، اخباروں اور ٹی وی پر مباحثہ کرانے کے علاوہ متعلقہ ارکان حکومت کے سامنے عوامی حلقوں سے فون یا خطوط و ٹیلیگرام کے ذریعہ مطالبات پیش کرانے کا کام بھی شامل ہے۔ یہاں بھی تیار کرنے والی فرموں اور رابطہ عامہ کا کام کرنے والے اداروں کے درمیان فرق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کسی خاص مسئلہ پر دونوں کا مقصد خواہ ایک ہی ہو لیکن اول الذکر کا کام کانگریس کے حلقوں میں رابطے بنانا اور قانون سازی کے عمل کی پیچیدگیوں سے نمٹنا ہے، جبکہ موخر الذکر کا کام میڈیا کے ذریعہ عوام کو کسی کاز کی حمایت یا مخالفت میں متاثر کرنا ہوتا ہے، بسا اوقات لابی تیار کرنے والی فرمیں اپنی مہم کے لئے رابطہ عامہ کا کام کرنے والی فرموں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں۔

دُنیا کی دوسری حکومتوں کے مقابلہ میں امریکی حکومت کے کام کرنے کا انداز بالکل الگ ہے، دوسرے ملکوں میں کسی فیصلہ یا قانون کی تبدیلی یا توثیق کے لئے دو یا چند افراد سے قریبی رابطہ کارآمد ہو جاتا ہے، لیکن امریکہ میں اس کام کے لئے ہزاروں افراد کو حرکت میں لانے اور اپنے کاز کو عوامی رخ دینا ہوتا ہے۔

واشنگٹن میں غیر ملکی حکومتوں کے لئے لابی کی تیاری ایک مستقل صنعت بن گئی ہے کیونکہ امریکی انتظامیہ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے یا اس کی توجہ حاصل کرنے کے لئے کوشاں ملکوں کی تعداد گذشتہ چند برسوں میں بالخصوص سرد جنگ کے خاتمے کے بعد بہت تیزی سے بڑھی ہے، بہت سے چھوٹے ممالک جو پہلے امریکہ کے مخالف تھے اب امریکی حمایت کے خواہشمند ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ساری حکومتیں براہ راست امریکی انتظامیہ یا پارلیمنٹ پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں، نتیجہ یہ ہے کہ لابی کی ضرورت بڑھ گئی ہے، اس وقت صرف امریکہ میں نو سو بیاسی فرمیں غیر ملکی گاہکوں کے لئے کام کر رہی ہیں، ان فرموں میں اسرائیل کی لابی کے لئے کام کرنے والی فرموں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہے، جس کا

سالانہ بجٹ ایک کروڑ ڈالر ہے (ا) یہ ادارے افراد، جماعتوں اور میڈیا سے براہ راست رابطہ قائم کرتے ہیں، اور اسرائیل کے حق میں پوری فضا تیار کرتے ہیں، اس کے علاوہ خود امریکہ میں مقیم یہودیوں کے مختلف مسائل کے سلسلہ میں بھی رائے عامہ ہموار کرتے ہیں، الیکشن اور قانون سازی کے موقع پر ان اداروں اور فرموں کی ذمہ داریاں اور سرگرمیاں بڑھ جاتی ہیں، پھر پوری دنیا میں یہودیوں کے قومی مفاد کے حفاظت کے لئے یہ فرمیں یہودی میڈیا اور سفارت کاروں سے کام لیتی ہیں۔

میدانی سروے: جب میڈیا کے ماہرین مشاہدین کے لئے پروگرام نشر کرتے ہیں تو ان کی نگاہیں اس پر بھی ہوتی ہیں کہ ان پروگراموں کو مشاہدین نے کس حد تک پسند اور ناپسند کیا ہے، اس مقصد سے وہ میدانی سروے کرتے ہیں، اور ہر طبقہ سے اس کے پسندیدہ پروگرام اور اس کی نوعیت کے متعلق سوالات کرتے ہیں، پھر ان نتائج کی روشنی میں وہ پروگراموں میں تغیر وتبدل کرتے ہیں، تاکہ پروگرام سے مستفید ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو۔

ٹی وی دیکھنے والوں میں سب سے اچھے مشاہد بچے ہوا کرتے ہیں، جنھیں عام مقلد یا نقال سے تعبیر کیا جاتا ہے، ٹی وی کے اس دور میں بچوں پر ٹی وی کے اثرات کے جو جائزے اور میدانی سروے اور تحقیقات وتجزیے کئے گئے ہیں، پھر ان کے جو نتائج عملی طور پر معاشرہ کے سامنے آرہے ہیں ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت اچھی طرح نمایاں ہو جاتی ہے، کہ ٹی وی کے پروگراموں سے بچے اس طرح متاثر ہوتے ہیں جس طرح معاشرہ کا کوئی ہوشمند تعلیم سے قبل آنکھوں اور کانوں سے بغیر کسی واسطہ سے سیکھتا اور متاثر ہوتا ہے، جدید سروے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ٹی وی کے دور میں پروان چڑھنے والے بچے ٹی وی ہی کے ذریعہ بنیادی معلومات اور تجربات حاصل کرتے ہیں۔

تعلیم یافتہ اور عقلی طور پر پختہ وتجربہ کار لوگ اگر کاؤ بوائے یا جیمس بونڈ کی فلمیں دیکھتے ہیں تو تصویروں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، لیکن بچے جب اس طرح کی فلمیں دیکھتے ہیں تو وہ آنکھوں کے سامنے تیزی سے گذرنے والے تمام واقعات کی جزئیات وتفصیلات

---

(۱) روزنامہ الشرق الاوسط ۱۰ر دسمبر ۱۹۹۴ء

پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اسکرین پر جس وقت ان کی توجہ ہوتی ہے اس وقت وہ رائفل، اس کی گولی، گھوڑوں اور شہ سواروں کے سر اور ہیٹ اور مکالمے، چہروں اور نگاہوں کے اتار چڑھاؤ، غرض کہ تمام حرکات وسکنات پر ان کی نگاہ ہوا کرتی ہے، حتی کہ فلموں میں ہونے والے جنگی معرکوں اور گولیوں کے تبادلوں کے تمام زاویوں اور باریک پہلوؤں پر بھی وہ اپنی پوری توجہ مبذول کرتے ہیں، وہ ٹی وی کی تصویروں کو اس دلچسپی اور انہماک سے دیکھتے ہیں جس دلچسپی اور انہماک سے وہ ابتدائی عمر میں رنگین تصویر دیکھتے ہیں۔

جدید میدانی سروے یہ بھی بتاتے ہیں کہ ٹی وی دیکھنے والے بچے اور اکثر بڑے پختہ عمر کے مشاہدین بھی فلموں کے واقعات کو بغیر کسی قیل وقال اور حجت کے من وعن تسلیم کر لیتے ہیں، بچے فلموں کی تمام جزئیات کو بڑوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر طریقہ سے یاد رکھتے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ بچے اس کمسنی میں آنکھوں اور سماعت کے حاسوں کے ذریعہ معلومات وتجربات حاصل کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں، دوسرے الفاظ میں ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ٹی وی اور سنیما کی متحرک تصویریں بچوں کے محدود ذہن کے اندر اپنی جگہ زیادہ بہتر طریقہ سے بنالیتی ہیں، اور ان کے رگ وریشے میں یہ مفاہیم سرایت کر جاتے ہیں، پھر جب یہ مشاہد متوسط درجہ کی ثقافت سے بہرہ ور ہوں تو اور بھی اس کے اثرات گہرے، دیرپا، اور دوررس نتائج کے حامل ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ایک اور عنصر کا اضافہ کر لیجئے کہ بچوں کے اندر دلچسپ اور مزاحیہ کارٹونوں سے زیادہ رغبت اور کشش ہوتی ہے، اور وہ اس کے بڑے رسیا اور عاشق ہوتے ہیں، یہ کمسن مشاہد دلچسپ اور مزاحیہ ڈراموں اور جاسوسی کہانیوں کے سیریز کو غیر معمولی شوق واہتمام سے دیکھتے ہیں، ان کے ماحول سے خارج کی جو چیزیں ہوتی ہیں، خصوصاً سنسنی خیز جاسوسی ناول، افسانوی شخصیات، فرضی واقعات اور داستانوں کے اثرات کو وہ حقیقت سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں، بچوں کی اس نفسیاتی کمزوری کا ادراک کر کے میڈیا کے ماہرین نے ٹی وگیمس یا الیکٹرانک کھیل ایجاد کیا ہے، جس کے ذریعہ کمسن مشاہدین کے دل ودماغ اور احساسات وجذبات پر چھاپہ بلکہ شبخون مارا جاتا ہے، خیر وشر کے معرکوں میں افسانوی طریقہ سے خیر کو مغلوب اور شر کو غالب دکھایا جاتا ہے، اس طرح مغربی میڈیا دیومالائی عقائد وتصورات اور یونانی علم الاصنام کو نئی نسل

کے دل و دماغ میں منتقل کر کے عمل اور سلوک کے سانچے میں ڈھال رہا ہے۔(۱)

میوزک، فلم اسپورٹس، ریسرچ، سیاست و سائنس وٹکنالوجی کے ہزارہا کیسٹ اور موویز دنیا میں انتہائی سستے داموں میں فراہم کی جاتی ہیں، بچوں کے موویز کارٹون تیار کئے جاتے ہیں، جن میں مشرکانہ کہانیوں کو کارٹون کے ذریعہ بچوں کے معصوم وسادہ تختی پر لکھا جاتا ہے، اس میں عام طور پر دکھایا جاتا ہے کہ کسی داڑھی والے شخص کو شیطان اور عفریت بنا کر پیش کیا جاتا ہے جسے مافوق الفطرت اور معجزانہ طاقت حاصل ہوتی ہے، اور وہ آسمانوں پر پرواز کرتا اور بڑے بڑے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیتا ہے، عمارتوں کو زمیں بوس کردیتا ہے۔

کم سن مشاہدین پر ٹی وی وسینما کے اثرات کے تجربے کا کم وبیش وہی نتیجہ سامنے آتا ہے جو مراہقین پر ہوتا ہے، اس لئے کہ مراہقت کا یہ دور نفسیاتی تقاضوں کے اعتبار سے وسعت خیال، تخیلاتی پرواز اور بیداری میں سہانے خواب اور طرح طرح کے نفسیاتی شوق وجستجو اور نمایاں ہونے کی شدید خواہش وآرزو کا زمانہ ہوتا ہے، اس دور میں مراہق ایسی اجتماعی زندگی کے چوکھٹ پر قدم رکھتا ہے، جہاں دلچسپیوں رنگینیوں او رمتضاد خواہشات سے اس کا واسطہ پڑتا ہے، اگر چہ وہ براہ راست اس جام کو نوش نہیں کرتا، لیکن اس سے لطف اندوزی کے لئے وہ اپنے کو تیار کرتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ وقتی وعارضی طور پر عالم خیال میں وہ زندگی گذارتا اور کسی متبادل کے ذریعہ آسودگی حاصل کرتا ہے، تاکہ آئندہ چل کر وہ معاشرہ میں مناسب سماجی رول ادا کرنے کیلئے اپنے کو تیار کرسکے۔

مراہقت کے اس دور میں مراہق ان فلموں اور سیریز سے غیر معمولی دلچسپی لیتا ہے جو مزاحیہ اور ہنسنے ہنسانے والی ہوں، اور جو اس کے جذبات وخواہشات اور خوابیدہ تمناؤں کو گدا گدا کر بیدار کرے، ان فلموں کو دیکھ کر اپنے کچلے اور دبائے ہوئے احساسات کو مراہق باہر لاتا ہے۔

اس دور میں مراہق ان مضامین اور کہانیوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے اندر تجسس اور

---

(۱) روزنامہ المدینہ نے مغربی میڈیا کے اس غیر معمولی طاقتور لیکن خاموش جنگ (ویڈیو گیمس) کے خلاف متعدد مضامین لکھے اور متعین طور پر مشرکانہ مضامین کی نشاندہی کی اوران پر پابندی کا مطالبہ بھی کیا، لیکن کسی ''موحد'' کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔

تحقیق و جستجو کا ملکہ اور جذبہ پیدا کردے، وہ جلد سے سے جلد ان کے نتائج وعواقب اور اسباب ومحرکات سے واقف ہونا چاہتا ہے، اس لئے وہ جاسوسی کی فلموں اور کاؤبوائے اور جیمس بونڈ کی فلموں کو بڑے ذوق وشوق اور انہماک سے دیکھتا اور ان کے ہیروؤں کو اپنی زندگی کیلئے نمونہ بنالیتا ہے، انھیں جیسی حرکات وسکنات اور ان جیسے مکالمے ادا کرنے اور ان کے فیشن کو اختیار کرنے کو وہ اپنی زندگی کی معراج اور کامیابی قرار دیتا ہے، اس طرح مراہق اجتماعی زندگی میں وقت سے پہلے ہی داخل ہو جاتا ہے۔

اسلامی میڈیا...... نظریہ اور عمل

- ..... اسلام میں میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت
- ..... میڈیا اور دعوت
- ..... تکرار واعادہ
- ..... جدت طرازی
- ..... یاددہانی یا تذکیر
- ..... اسلامی میڈیا کی عمومی خصوصیات
- ..... سچائی اور راست بازی
- ..... پاکیزہ اور بلند مقاصد
- ..... اسلامی میڈیا کی ہمہ وقت بیداری ونگرانی
- ..... نوجوانوں سے متعلق اسلامی میڈیا کی ذمہ داریاں
- ..... نوجوانوں کی بنیادی ضرورتیں اور تقاضے
- ..... خواتین
- ..... سن رسید حضرات
- ..... کامیاب میڈیا کی خصوصیات

اسلامی میڈیا

نظریہ اور عمل

اسلام میں میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت

اسلام میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کی دینی اہمیت وضرورت کی حسب ذیل بنیادیں ہیں:

۱۔ دین اسلام پوری دنیا اور تمام نوع انسانی کیلئے ہے اور اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ومالک اور پالنہار ہے، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ اسی ذات واحد کی گواہی دیتا ہے۔

۲۔ اس دین کو جو بھی قبول کرتا ہے اس کے ذمہ اس پیغام حق کا دوسروں تک پہنچانا بھی واجب ہے، اپنے اپنے زمانہ میں تمام انبیاءؑ اور رسولوں نے یہ فریضہ انجام دیا ہے، قرآن اور احادیث نبویہ سے اس کی پوری تائید ہوتی ہے، أدع إلى سبيل ربك بالحكمة ......اور بلغوا عني ولو آية.....اور نضر الله امرأ سمع مقالتي......وغیرہ۔

۳۔ آخری نبیؐ، ان کے اصحاب اور ان کے بعد آنے والے داعیوں کا کام دین کو لوگوں تک پہونچانا ہے ما على الرسول إلا البلاغ.

۴۔ اسلام کا پیغام انسانیت تک نہ پہونچانا معصیت کا باعث ہے، اس لئے کہ ایک طرح سے وہ کتمان علم کے حکم میں آتا ہے، ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ آخری سانس تک دین کا پیغام پہونچاتا رہے، نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو دعوت کی راہ میں جن مجاہدات اور آزمائشوں سے گذرنا پڑا اس سے اسلامی تاریخ وسیرت وسوانح بھرے ہوئے ہیں۔

میڈیا اور دعوت

قرآن کریم میں ذرائع ابلاغ یا میڈیا کا مفہوم ادا کرنے کیلئے کسی لفظ کا انتخاب کیا گیا ہے تو وہ "دعوت" کا لفظ، یا طاقتور قرآنی تعبیر ہے، جو بلیغ ترین قرآنی تعبیر ہے، اور اس کا کوئی بدل نہیں، اس تعبیر سے قرآن مجید ذریعہ ابلاغ اور اس سے وہ اسلام کی تعریف وتعارف کا کام لیتا ہے، قرآن کریم نے دعوت کی تعبیر کو مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال کیا ہے:

أدع إلى سبيل ربك بالحكمة ...... يايها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول إذا دعاكم لما يحييكم...... ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير...... قال نوح رب إني دعوت قومي ليلا ونهارا.

اس قرآنی لفظ سے جو حقیقت نمایاں ہوتی ہے وہ یہ کہ اہل علم کو چاہئے کہ لوگوں کو اسلام کی اور اللہ کے دین کی دعوت دیں۔ دعوت کی تعبیر میں زیادہ عمومیت اور جامعیت اور داعیوں کی دعوتی وعملی سرگرمیوں کی بھی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ قول وعمل میں ہر لمحہ رواں دواں ہے، بالفاظ دیگر دعوت کے حسب ذیل مفاہیم واضح ہوتے ہیں:

(الف) دعوت کی تعبیر میں پیغام رسانی، یا متعین اور محدود ومعروف اشخاص تک ندا کو پہنچانا شامل ہے، اس تعبیر میں رہنمائی وتوجیہ کی صفت پائی جاتی ہے، اس کے ساتھ مدعو کی نفسیات سے واقفیت بھی داخل ہے تاکہ دعوت کی کامیابی کی زیادہ ضمانت ہو۔

(ب) دعوت کی تعبیر میں مدعو کے تئیں داعی کی ذمہ داریاں بھی داخل ہیں، وہ ذمہ داری یہ ہے کہ داعی کو اپنی دعوت اور پیغام پر پورا یقین وعقیدہ ہو، اور اس کی عقل، قلب اور رگ وریشہ میں وہ سرایت کر جائے، اس لئے وہ دعوتی تقاضے سے مجبور ہوکر دوسروں تک یہ پیغام پہنچانے پر مجبور ہو جاتا ہے تاکہ دوسرا شخص بھی اس روشنی سے مستفید ہو جس نے اس کے دل ودماغ کو روشنی بخشی ہے۔

(ج) دعوت کی تعبیر میں پیروی ومتابعت ونگرانی کا مفہوم بھی شامل ہے، تاکہ اس کو معلوم

ہو سکے کہ دعوت دپیغام کا ردعمل دوسروں پر کیا رہا، اور کس حد تک اس نے اپنا کام کیا، اور اس تاثیر کی نوعیت وکیفیت کیا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کی دعوت ناکام ثابت ہوئی ؟!
خلاصہ یہ کہ دعوت میں مسلسل سرگرمی وجد وجہد، مسلسل حرکت وزندگی کا مفہوم شامل ہے، دور جدید کی اصطلاح میں ڈائنامک تحریک اور مسلسل انتھک جدوجہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اصطلاح کی تفسیر اس طرح سمجھی جاسکتی ہے۔
میڈیا کی تاثیر کے تین شعبے ہیں:

تکرار۔ جدت۔ یاددہانی

ا-تکرار واعادہ

پیغام کو دوسروں تک نئے نئے اسالیب میں پہونچانا، اور اس کے تسلسل واعادہ کا مطلب یہی ہے کہ حالات واقعات کے اعتبار سے اس پیغام کو نئے اور انوکھے اسلوب میں اس طرح پیش کرنا کہ اس پیغام میں غیر معمولی قوت وتاثیر آجائے، پھر جب کوئی مناسب موقع آئے اس کو غنیمت سمجھ کر اچھوتے انداز میں اس کو پیش کردے تاکہ سامعین و قاری کو وہ نئی چیز معلوم ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق بہت سی بنیادی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جو اس کے عقیدہ اور سلوک کا جزء لاینفک ہوجاتی ہیں، ان کا اعادہ وتکرار ضروری ہوتا ہے، مثال کے طور پر پولیو اور دوسرے امراض سے حفاظت کے لئے انجکشن دلانے کا مسئلہ ہے جس پر وقتاً فوقتاً میڈیا کے ذریعہ روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلامی شریعت سے متعلق احکامات ہیں، روزہ، حج، زکوۃ، نماز، قربانی وغیرہ کے مسائل کو ہمیشہ نئے نئے ڈھنگ سے مؤثر طریقہ سے پیش کرنا، قرآن واحادیث کے اسالیب دعوت میں تکرار واعادہ اور اچھوتے انداز میں پیغام پر زور وتاکید بلکہ اس پر اصرار کرنا، اس حد تک کہ یالیتہ سکت کہنا (کاش آپ خاموش ہوجانے)۔

۲-جدت طرازی

اس ذیلی عنوان سے ہی یہ معنی اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ ایک خیال سے

دوسرا نیا خیال اخذ کرنا، اس لئے کہ دونوں کے درمیان ربط و تعلق ہے، مثال کے طور پر توحید کے موضوع پر روشنی ڈالنے کا مطلب شرک و کفر اور بت پرستی سے نفرت پیدا کرنا، انبیاءؑ کی سیرت و کردار پر نئے نئے اسلوب میں روشنی ڈالنے کا مطلب ایسی ہی سیرت، ایسا ہی کردار مطلوب ہے، مہذب انسان بننے کی دعوت کا مطلب جہالت اور ناخواندگی کو ختم کرنا، معاشرہ میں منظم زندگی گذارنا، ماحول کو گندگی سے دور رکھنا، شہری قوانین و نظام کی پابندی کی دعوت، یہ سب امور اسی میں داخل ہیں۔

۳- یاددہانی یا تذکیر

یاددہانی کا مطلب افکار و خیالات کو نئے انداز میں یاد دلانا، انسانی ذہنوں میں ان کو ازسرنو تازہ کرنا، اس لئے کہ اچھے افکار و خیالات اور پاکیزہ عقائد و دعوت کا تعلق کسی مناسبت یا موسم یا زمانہ سے نہیں ہوتا ہے، بلکہ ان افکار و عقائد کی زندگی کا تعلق مسلسل تذکیر و یاددہانی سے رہتا ہے، جیسا کہ قرآنی ارشاد ہے: وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین، یایھا الذین آمنوا آمِنوا، اس طرح کی تذکیر و یاددہانی کی نفسیاتی بنیاد اس پر ہے کہ انسان خطاء اور نسیان سے مرکب ہے، وہ بہت جلد بھول جاتا ہے، اس لئے اسے حقائق کو یاد دلانا اور فرائض کی طرف اس کی توجہ مبذول کرنا حکمت و دانشمندی کا تقاضا ہے۔

یہ بات بڑی عجیب ہے اور قابل افسوس بھی کہ اس دور میں اگر آپ اسلام کے محاسن و فضائل بیان کریں تو لوگ اس کو سننے میں حقارت سے یہ کہہ کر مسترد کردیں گے کہ یہ پروپیگنڈہ ہے، ہم دین کے پیغام کو میڈیا کے ذریعہ پہونچائیں گے، اس کا تعارف کرائیں گے تو یہ پروپیگنڈہ سے موسوم نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی ایسا ممکن ہے، اس لئے "پروپیگنڈہ اور دعوت کے درمیان بنیادی فرق" کو پہلے سمجھ لینا چاہئے۔ مشہور مصنف لاسویل، پروپیگنڈہ اور اس کی سرگرمیاں، نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ پروپیگنڈہ حیلہ سازی کا دوسرا نام ہے۔ ایک دوسرا مصنف پروپیگنڈہ کے سلسلہ میں اپنے تجربات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اشارات و رموز کے استعمال سے افراد یا جماعتوں نے اپنے مقصد کے حصول کی منظم کوشش کی ہے، تاکہ وہ اپنے ہی جیسے افراد یا جماعتوں کے نقطہائے نظر پر غالب رہ

سکیں"۔ ایک دوسرا امریکی محقق برٹنر کہتا ہے کہ "پروپیگنڈہ دراصل بنیادی طور پر حملہ آور ہتھیار ہے نہ کہ دفاعی اسلحہ، اس کے اندر اس بات کی صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے کہ بہت آسان طریقہ سے رائے کو تبدیل کردے"۔ ایک ماہر نفسیات لکھتا ہے کہ "پروپیگنڈہ مکروفریب اور حیلہ سازی کا دوسرا نام ہے"۔

پروپیگنڈے کا دوسرا رخ یا اس کا سرچشمہ یہ ہے کہ جن مصالح اور مفاد پر ان کا انحصار ہے اور جو وسائل وذرائع اس میں استعمال کئے جاتے ہیں، اور جو مفاہیم انکے ذریعہ پھیلائے جاتے ہیں، اور وہ نتائج جو اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے والوں پر مرتب ہوتے ہیں۔

ان مندرجہ بالا تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ پروپیگنڈہ ایک ایسا عمل اور کارروائی ہے جس کے ذریعہ قاری یا سامع یا پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے کی ذہانت کو ایک مرکزی نقطہ نظر پر جمع کردیا جائے، یا بالفاظ دیگر ذہن وفکر کی دھلائی یا برین واشنگ کا کام کیا جائے، اور انھیں ان تمام گندگیوں اور غلاظتوں کو پورے طور پر قبول کرنے کے لئے تیار کردیا جائے جو پروپیگنڈہ کے ماہرین قاری اور سامع کی عقلوں اور ذہنوں کو مشکوک وملحدانہ افکار وخیالات اور ناکام سیاسی نظریات سے بھرنا چاہتے ہیں، حالانکہ ذوق سلیم، حقائق وواقعات، احترام آدمیت سے ان کو ادنی اور ذرہ برابر بھی تعلق نہیں۔

اگر جھوٹے پروپیگنڈہ کے بجائے اصل حقائق ہوتے اور صحیح وپاکیزہ افکار وعقائد ہوتے تو پھر پروپیگنڈہ کرنے والوں کو اس کی قطعی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ زہریلے، جھوٹے اور حقائق سے عاری ہوکر سستے پروپیگنڈہ کا سہارا لیں، اور وہ اس کے ذریعہ لوگوں کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دیں، اور عقلوں پر دبیز پردہ ڈال دیں، تاریخ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ پروپیگنڈہ کی عمر زیادہ نہیں ہوتی، جلد یا بدیر حقائق پر سے پردے اٹھتے ہیں، اور لوگ دن کے اجالے میں ان حقائق کا مشاہدہ کرلیتے ہیں جن پر پروپیگنڈے کے ماہرین نے چکنی چپڑی باتوں اور چاپلوسی کا خول چڑھا رکھا تھا، یہ شاندار وعدے، اور سنہرے خواب کے بلند وبالا محلات ریت کی دیوار ثابت ہوتے ہیں، اور اس طرح تیزی سے گرتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درختوں کی پتیاں جھڑ جاتی ہیں، جرمن کے گوبلز کے سارے پروپیگنڈے کا کیا حشر ہوا، ستر سال کے بعد اشتراکی روس کی آہنی دیواریں کس

طرح زمیں بوس ہوگئیں، موسولینی اور نپولین اور ہٹلر کے پروپیگنڈہ کا کیا حشر ہوا، یہ سب کل کی باتیں ہیں۔ ہٹلر جب تقریر کرنے آتا تھا تو اسٹیج پر آتے ہوئے دل ودماغ اور اعصاب کو ہیجان میں مبتلا کرنے والے نغمے بجائے جاتے، اسٹیج پر تقریر کے دوران خاص جملوں اور تعبیرات پر اوپر سے روشنی ڈالی جاتی تھی، اس طرح اشتعال انگیزی کے وہ سارے ہتھیار اختیار کئے جاتے تھے جن سے سامعین مشتعل ہوجائیں۔

گذشتہ سطور اور نمونوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پروپگنڈہ کا مطلب حقائق کو الٹ دینا، عوام کو دھوکہ میں مبتلا کرنا اور قومی مفاد کے وسیع تر مصالح کی خاطر بلند وشریفانہ مقاصد کے حصول سے دلچسپی نہ لینا، یہ سب باتیں اسلامی میڈیا کے مفہوم یا اسلامی دعوت کے دائرہ سے قطعی طور پر خارج ہیں، اس لئے کہ ایک مسلمان صحافی کا بنیادی مقصد اور اس کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلام کے متعلق صحیح افکار وخیالات اور اس کے صحیح و سچے عقائد وتعلیمات پیش کرے نہ کہ دین وشریعت کے حقائق کو مسخ کرکے لوگوں کو بتائے، اس بنا پر اسلامی عقائد وافکار سے متعلق معلومات وخبروں میں استمرار وثبات کی صفات ہوا کرتی ہیں، اسی بنا پر وہ نہ تو کسی تضاد کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی نفسیاتی کشمکش سے اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اور نہ ہی دوسرے مذاہب کے مبلغوں اور داعیوں کے ساتھ وہ مناظرہ کرنا پسند کرتا ہے، پھر وہ کسی طرح نہیں چاہتا اور نہ اس کیلئے یہ مناسب ہے کہ حقائق وواقعات کو پیش کرنے کے بجائے جذبات کو مشتعل کرنے کا کام کرے، اور جھوٹے پروپیگنڈے اور مسخ حقائق پر بھروسہ کرے، اس لئے کہ یہ سب ریت کی ایسی دیواریں ہوتی ہیں جو پلک جھپکتے ہی ڈھیر ہوجاتی ہیں۔

اسلامی میڈیا کی عمومی خصوصیات

ا۔ سچائی اور راست بازی

اسلامی ذرائع ابلاغ (میڈیا) کی بنیاد سچائی وراست بازی پر ہے، ہمارے نبی ﷺ کی مبارک زندگی کا آغاز ہی صدق امانت اور راست گوئی سے ہوا، اسی کو دلیل ورہنما بنا کر آنحضرتؐ نے کوہ صفا کی بلندی سے قبائل سے خطاب کیا تھا، آپؐ نے اسی صدق کی دولت

سے مالا مال ہونے کی تصدیق جب کرالی تو پھر آپؐ نے دینی دعوت کے بنیادی اصول پیش فرمائے، ذوق ووجدان اور سلاست زبان اور صدق وصفا کے التزام کی پابندی کی دعوت اسلام کی بنیادی اور اولین دعوت ہے، سورہ زمر میں ہے (و الذی جاءہ بالصدق وصدق بہ اور فمن اظلم ممن کذب علی اللہ و کذب بالصدق إذ جاءہ) آنحضرتؐ نے جب اپنے صادق وامین ہونے کی شہادت دلوادی تو پھر آپ نے دینی دعوت پیش فرمادی، اس لئے کہ اگر کسی کے بارے میں ایک بار بھی جھوٹ کا تجربہ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔

ایسے وقت میں جب کہ بیکاری کی سیاست کا بول بالا اور ہر طرح جھوٹے پروپیگنڈے اور مکر وفریب کی حکمرانی ہے، تنہا اسلامی میڈیا سے ہی یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہر حال میں میں حقیقت شناسی اور راست بازی سے کام لے گا، اور خواہ حقائق کتنے تلخ ہوں انھیں پیش کر کے ان لوگوں کو امن وامان کے ساحل سے ہمکنار کرے گا جو جھوٹے پروپیگنڈے کے تنکے پر بیٹھے طوفان بلاخیز سے کھیلنے کی سعی نامراد کر رہے ہیں۔

۴- پاکیزہ اور بلند مقاصد

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ نے جن مقاصد کے فروغ اور نشر واشاعت کو اپنا نصب العین بنالیا ہے وہ حسب ذیل ہیں: مختلف انسانی طبقات اور قوموں کے درمیان عداوت اور کینہ ونفرت واختلافات کو ہوا دینا، دولتمندوں کے خلاف مفلسوں اور محتاجوں کو ابھارنا، اکثریت کو اقلیت کے خلاف اور اس کے برعکس اقلیت کو اکثریت کے خلاف مشتعل کرنا، قومی وعلاقائی عصبیت اور جاہلی نعروں کو فروغ دینا، اپنے اسلحہ کو فروخت کرنے اور اپنے جنگی اسلحہ ساز کارخانوں کو مصروف کار رکھنے اور زیادہ سے زیادہ پیسے سمیٹنے کی خاطر مختلف قوموں اور دو پڑوسیوں کے درمیان جنگ کا بگل بجانا، اور جنگی فضا پیدا کرنا تاکہ دنیا تباہ اور ان کا ملک آباد وخوشحال ہو، یہ میڈیا اپنی حکومتوں کی آنکھوں کے شہتیر کو نظر انداز اور اپنی غلطیوں اور برائیوں پر دبیز پردے ڈالتا ہے، دوسرے ملکوں کی آنکھوں کا تنکا اس کو شہتیر اور رائی پربت نظر آتا ہے، ہر فحاشی وبدکاری کی سرپرستی میں پیش

پیش رہتا ہے،ملحدوں، بے دین عناصر کی سرپرستی، ان کا دفاع، معاشرہ کے شیرازہ کو بکھیرنے اوراس کوانتشار وانارکی کی راہ پرڈالنے میں سرگرم رول ادا کرتا ہے، چند ٹکے کے عوض اپنے ایمان کا سودا آسانی سے کرلیتا ہے، اور معمولی سکوں کے بدلے ناحق خون بہانے، کردارکشی، حقائق کومسخ بلکہ ان کو پیروں تلے روندنے اوراصول ومبادی حتی کہ عقائد تک سے دستبردار ہونے کے لئے تیار رہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلامی میڈیا وسیع تر انسانیت کے مفادومصالح کا محافظ،اورامن وسلامتی اور معاشرہ انسانی کے شیرازہ کو یکجا کرنا اس کا بنیادی مقصد ہوتا ہے،صحیفہ آسمانی (قرآن مجید) کے پیش کردہ لازوال وابدی حقائق اورفطرت اورعدل وانصاف پرمبنی تعلیمات، روشن وتابناک شاہراہ حیات کی طرف ہمیشہ رہنمائی کرتا ہے،اس کی بنیادی خصوصیت تعمیر ہے نہ کہ تخریب، معاشرہ کو برائیوں سے محفوظ رکھنا ہے نہ کہ اس کو بے یقینی وانتشار کی راہ پرڈالنا،تقویٰ اور خیر کا وہ داعی ہوتا ہے۔لوگوں کی عزت کے درپے ہونا، ان کی پردہ دری، ان کے حقوق کوغصب نہ کرنا، نہ معصوم وبے گناہ انسانوں کی عزتوں سے کھیلنااس کا شیوہ،اورنہ پستیوں اورذلتوں کے کیچڑمیں اترنااوراپنے کوان سے ملوث کرنااس کا وطیرہ ہے،اس کے عقیدہ کی بنیادقرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں،

ولا تقف ما ليس لك به علم، ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا. اوران **الذين يحبون أن تشيع الفاحشةفي الذين آمنوا لهم عذاب أليم في الدنيا والآخرة، والله يعلم وأنتم لاتعلمون.**

اسلامی میڈیا ہرفضیحت ورسوائی کے پیچھے دوڑتانہیں تاکہ سنسنی خیز اور ہیجان انگیز شاہ سرخیوں کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرے، اورنہ ہی بغیرکسی تحقیق کے صرف افواہوں کی بنیاد پر ہرفاسق وفاجر کی خبریں نشرکرتا ہے، وہ کسی خبرکی اشاعت سے پہلے ہرطرح چھان پھٹک کر یہ دیکھ لیتا ہے کہ فرداور معاشرہ پراس کے عواقب ونتائج کیا مرتب ہوں گے، جولوگ اخلاقی قدروں سے کھلواڑ اور بیہودگیوں اور برائیوں کی سرپرستی کرتے اورنوجوانوں کے سامنے برائیوں کواچھابناکرپیش کرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اس کوکوئی سروکارنہیں ہوتا، تفریحی پروگراموں، بے مقصد خبروں، لاطائل بحثوں اورلچر مقالات ومضامین کی اشاعت، مبالغہ آمیزخبروں، سنسنی خیز کہانیوں، جنسی وسفلی جذبات کو

بھڑکانے والی تصویروں اور مضامین وہ شائع نہیں کرتا ہے، اور نہ ہی عوام وخواص، مرد وعورتوں کے جذبات اور عقلوں سے وہ کھیلنا پسند کرتا ہے، اسلامی میڈیا کا بنیادی مقصد افراد کی اصلاح اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل ہے۔

۳- اسلامی میڈیا کی ہمہ وقت بیداری ونگرانی

اسلامی میڈیا کی تیسری بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں موجود خرابیوں اور عیوب کو اپنی نگاہوں سے دیکھتا ہے، اور ان کی تفصیلات کو نوٹ کرتا ہے، اور ان کی تہ میں کار فرما اسباب ومحرکات کا پتہ لگاتا اور ان کا تجزیہ وتحلیل کرتا ہے، تاکہ حقائق تک رسائی ہو سکے اور ان سے سبق حاصل کیا جا سکے، میڈیا نام ہی ہے معاشرہ میں پائی جانے والی خرابیوں اور ان کی تہ میں کارفرما اسباب ومحرکات تک رسائی اور معاشرہ کی تعمیر وتشکیل میں رہنمائی، اور کی جانے والی جدوجہد کی نگرانی وپیروی کا، وہ یہ نہیں کرتا کہ شتر مرغ کی طرح حالات وواقعات سے آنکھیں بند کر لے، اور طفل تسلیوں، اور تفریحی پروگراموں اور کھیل کود کے ذریعہ عوام کو بہلانے کی کوشش کرے، جیسا کہ آج کل تیسری دنیا کے بیشتر ممالک کا عموماً اور مسلم ممالک کا خصوصاً افسوسناک حال ہے کہ اصل مسائل سے چشم پوشی، خرابیوں کو مجرمانہ حد تک نظرانداز کرنے کے لئے سستے قسم کے تفریحی پروگراموں سے لوگوں کو بہلایا پھسلایا جاتا ہے، انھیں تھوڑے وقفہ سے نئے نئے، دلکش نعرے دئے جاتے ہیں، اس کے برعکس اسلامی معاشرہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے حضور اکرم ﷺ معاشرہ کے ہر چھوٹے بڑے واقعات اور خبروں کا نوٹس بروقت لیا کرتے، جب بھی کوئی قضیہ پیش آتا، کوئی خبر یا افواہ ہوتی، آپ ان سے فوری طور پر حکمت عملی اور دانشمندی سے نمٹتے، آپ بڑی سرعت سے مسجد تشریف لاتے، الصلاۃ جامعۃ کا اعلان ہوتا، منبر پر تشریف لے جاتے، اور حمد وثنا کے بعد اس قضیہ یا خبر یا واقعہ کے متعلق پوری وضاحت فرماتے کہ لوگوں کے سامنے حقائق آفتاب کی طرح روشن ہو جاتے، صحاح ستہ بکثرت ایسے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔
اس کے برعکس جرمن لیڈر گوئیبلو کی اس روش کو دیکھیے جس میں اس نے خاموشی کی پالیسی کو ترجیح دی ہے، ایک امریکن اسکالر نے جرمن اخبارات کو گوئیبلو کی طرف سے شائع ہونے

والے رہنما بیانات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ پچاس ہزار بیانات اس کی طرف سے آئے، ان میں سے ایک چوتھائی بیانات میں اخبارات کو یہ ہدایت تھی کہ فلاں معاملہ میں خاموشی کی پالیسی اپنائی جائے۔ اس دور میں بھی تیسری دنیا کے میڈیا کا حال یہی ہے کہ وہ واقعات اور خبروں کو خوب پھلنے دیتے ہیں، حالانکہ اس معمولی حقیقت سے انھیں واقف ہونا چاہئے کہ حقائق کی عدم موجودگی میں جھوٹ کی فرماں روائی ہوتی ہے۔

سیرت نبویؐ کی تمام کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک بار مدینہ طیبہ کے مسلمان ایک آواز سے خوفزدہ ہو گئے، لیکن انھیں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس خوف وگھبراہٹ کا مرکز کدھر ہے، حضور اکرم ﷺ نے بنفس نفیس اس کی طرف توجہ فرمائی، خود آپ ایک گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر تشریف لے گئے تاکہ حقائق سے واقف ہو سکیں، تھوڑی دیر کے بعد تشریف لا کر آپ نے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ گھبرانے اور پریشان وخوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اطمینان رکھیں۔

اسلامی میڈیا جب کسی معاملہ یا قضیہ سے بحث کرتا ہے، تو وہ کسی ایک فریق کے خلاف یک طرفہ فیصلہ نہیں سناتا، بلکہ اس کی پالیسی افراط وتفریط سے الگ، اعتدال وتوازن سے متصف اور امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد میں ہوتی ہے، نہ ہی عوام کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان کو گمراہ کرتا ہے۔

اسلامی میڈیا مسائل ومشکلات سے آنکھیں چرانے کے بجائے ان کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا ہے، اور ان کا متوازن حل پیش کرتا ہے، وہ ان مسائل ومشکلات کا ہر قدم پر جائزہ لیتا ہے، نئے پیش آنے والے مسائل کی پیشگی یاددہانی کراتا ہے، امت میں اتحاد واتفاق پیدا کرنے اور انتشار واختلافات سے بچانے کی سعی کرتا ہے، اور اسلامی تعلیمات کے ذریعہ انتشار کو ختم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

اسلامی میڈیا مسائل ومشکلات سے باخبر کرنے کا نام ہے، نہ کہ ان کو الجھا کر تجارت کرنا، یہ حقیقت ہے کہ جو شخص بھی پیغام حق پہنچانا چاہتا ہے، اس کا مقصد تجارت نہیں ہے، وہ ہمیشہ اپنے پیغام کی رسائی کے نتائج پر نظر رکھتا ہے، وہ اپنی صدائے بازگشت کا منتظر رہتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ اس پیغام کو کس حد تک رسائی ہوئی ہے، اس کے مطلوبہ نتائج کہاں تک حاصل ہوئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو

یمن روانے کرتے وقت جو ہدایات فرمائی تھیں ان میں ہر رہنمائی کے بعد اس کے نتائج اور ان کی نگرانی کا بھی حکم دیا تھا: پہلے ان یمنیوں سے یہ کہنا، جب وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر یہ کہنا، اور یہ بھی مان لیں تو ان کے ساتھ یہ معاملہ کرنا۔ اس سے بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ میڈیا کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مسائل ومشکلات سے تعرض کرنے کے بعد ردعمل دیکھے، اس کے بعد دوسرے مرحلہ کا آغاز کرے، پھر جب اس کی بھی تکمیل ہو جائے تو تیسرے مرحلہ میں داخل ہو۔

نوجوانوں سے متعلق اسلامی میڈیا کی ذمہ داریاں

ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے کہ خالص منصوبہ بند طریقہ سے دینی پروگرام نوجوانوں سے متعلق میڈیا پر پیش کئے جائیں، عرب اور اسلامی ملکوں میں یہ حال ہے تو غیر اسلامی ملکوں کا آپ اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں۔

دوسرا عیب یا نقص جو ہمارے سماج میں ہے وہ یہ کہ فطری شرم وحیا اور خاندانی ماحول وتعلیم کی بنا پر نوجوانوں کا حال عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی نفسیاتی وجسمانی تبدیلیوں اور ان کی توجیہ وتشریح سے بے خبر ہوتے ہیں، نہ مدرسہ میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور نہ ہی سماج میں اس طرح کی معلومات فراہم کی جاتی ہیں جو صحیح اور ٹھوس دینی وعلمی بنیادوں پر مبنی ہوں، غلط اور ناقص معلومات کہیں نہ کہیں سے ان کو مل جاتی ہیں، جوان کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں، اس کی بنا پر وہ انحراف اور گمراہی کے راستے پر پڑ جاتے ہیں، مساجد میں جو تقریریں ہوتی ہیں، وہ بھی نوجوانوں کی ضروریات کی تکمیل سے قاصر ہوا کرتی ہیں۔

اس بنا پر اب یہ میڈیا کی ذمہ داری ہے کہ وہ سنجیدگی سے ٹھوس علمی بنیادوں پر پروگرام نوجوانوں کے لئے تیار کرے، ایسا منصوبہ بند پروگرام جو نوجوانوں کی نفسیات اور مطالبات وتقاضوں اور ضرورتوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہو۔

نوجوانوں کی بنیادی ضرورتیں اور تقاضے :

نوجوان اخبارات ورسائل کے صفحات اور روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے اور پڑھتے ہیں کہ اس دور کی مشکلات اور پریشانیاں کیا ہیں؟ جب وہ ان مشکلات کے متعلق براہ

راست پڑھتے ہیں تو وہ فطری طور پر ان کا حل بھی تلاش کرتے ہیں، اس لئے کہ فطری اور وجدانی وذوقی طور پر مشکلات ومصائب کو دیکھ کر ان کے اندر کے جذبات اور لطیف انسانی احساسات بیدرا ہوتے ہیں، وہ مشکلات ومصائب میں مبتلا انسانوں کیلئے اپنے اندر ہمدردی ورحم دلی کے جذبات پاتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ عملی طور پر دوسروں کے مشکلات میں ساتھ دیں اور ان کی امیدوں اور آرزوؤں اور مقاصد کی تکمیل میں مدد اور تعاون کریں۔

عقلی بنیاد پر بھی سماجی مشکلات سے واقفیت اور ان مسائل کو حل کرنے کے طریقے اور تدابیر پر وہ اپنے تجربے، علم اور صلاحیت کی بنیاد پر غور کرتے ہیں، اور اپنے رفقاء اور دوستوں اور ٹولیوں کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہیں، جوں جوں نوجوانوں کا علم اور تجربہ عمر کے ساتھ بڑھتا جاتا ہے ان کے افکار وعمل کا دائرہ بھی بڑھتا جاتا ہے، اور وہ تدریجی طور پر ان مسائل ومشکلات کے حل پر جب غور وفکر کرتے ہیں تو اس میں مزید گہرائی اور سنجیدگی ہوتی ہے، اور تخیلاتی اور نظریاتی سے زیادہ ان میں عملیت اور حقیقت پسندی ہوتی ہے، اسلامی میڈیا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ نوجوانوں کی رہنمائی اس طرح کرے کہ وہ آئندہ چل کر معاشرہ کی صحیح رہنمائی کرسکیں، اور اس پر بار بننے کے بجائے اس کیلئے نافع بن سکیں۔

خواتین

ہمارے معاشرے میں اگرچہ عام طور پر خواتین کو سیاسی وثقافتی، مقامی اور بین الاقوامی خبروں سے دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن تعلیم یافتہ خواتین کو ان خبروں سے دلچسپی ہوتی ہے جو ان کی صنف سے متعلق ہوں، اسلامی میڈیا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خواتین کے لئے ایسے پروگرام پیش کرے جن سے ان کی دینی واخلاقی تربیت میں مدد ملے، اور ان کے ذریعہ معاشرہ کو ترقی کی راہ پر ڈالنے میں آسانی ہو، گھریلو مسائل ومشکلات سے تعرض اور ان کو حل کرنے کی تدبیریں، معاشرتی مشکلات اور ان کی پیچیدگی کی طرف اشارے، سماج میں غلط رسوم ورواج کی اصلاح کی حکیمانہ کوشش، کہانیوں اور سیریز کے ذریعہ ٹی وی سے زیادہ ریڈیو پروگراموں سے اصلاح معاشرہ میں مدد ملتی ہے اس لئے کہ ریڈیو سننے کیلئے اس

اہتمام اور توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی جو ٹی وی دیکھنے کے لئے ہوا کرتی ہے۔

نوجوان لڑکیاں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ پڑھتی اور زیادہ متاثر ہوا کرتی ہیں، خاندانوں اور سوسائٹی میں پیش آنے والے حوادث اور واقعات سے ان کو غیر معمولی دلچسپی ہوا کرتی ہے۔

اسلامی میڈیا کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے پروگرام نوجوان لڑکیوں اور خواتین کے لئے پیش کرے جو انھیں بچوں کے اندر حالات حاضرہ کے مطابق اخلاقی رجحان اور اخلاقی ودینی قدروں کو پیدا کرنے میں مدد دے۔

ان خواتین کی فطری صلاحیتوں کا نہ صرف انکشاف کرے بلکہ ان کو ترقی دے اور ان کی رہنمائی بھی کرے، نہ کہ ان کو مٹائے یا معطل اور ضائع کردے، ان مشکلات ومسائل کو سمجھنے میں مدد دے، جن کی وجہ سے خاندانی شیرازہ بکھر جاتا ہے۔

معاشرہ میں موجود مختلف معاشی معیاروں کے درمیان توازن پیدا کرنے میں مدد دے اور ایک محلہ اور ایک عمارت میں رہنے والوں کی معاشی حالت میں زیادہ خلیج پیدا نہ کرے۔

بچوں کے اندر جسمانی، جذباتی، عقلی اور نفسیاتی تبدیلیوں کے متعلق انھیں ٹھوس معلومات فراہم کرے، جدید ٹکنالوجی، کمالیات، سامان تعیش کی جدید اشیاء سے متعلق صحیح اور متوازن رہنمائی کرے تاکہ خاتون خانہ ہر جدید کی خریداری اور ہر نئے فیشن کے پیچھے نہ بھاگنے لگے، ان خواتین کے اندر قناعت کا جذبہ پیدا کیا جائے کہ اس سے گھریلو زندگی خوشگوار ہوسکتی ہے، نہ کہ مادی وسائل کی کثرت استعمال سے۔

سن رسیدہ حضرات

نوجوان اور خواتین کی طرح اسلامی میڈیا کو سن رسیدہ اور معمر حضرات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، چونکہ معاشرہ کی تعمیر میں ان کا بنیادی رول رہ چکا ہے اور اس عمر میں پہونچنے کے باوجود ایک صالح معاشرہ کو مزید صالح اور بہتر بنانے کے لئے ان کی بیحد ضرورت ہے، اس لئے کسی حال میں بھی ان کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں،

اسلامی میڈیا کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ نئی اور پرانی نسل کے درمیان جاری کشمکش کو ختم کرنے میں ان کی مدد حاصل کرے، نئی نسل کی رہنمائی اور تربیت میں ان سے تعاون اور ان کے تجربات سے استفادہ کرے۔

جہاں تک معمر حضرات کی دلچسپیوں اور رجحانات وذوق وپسند کا تعلق ہے تو عام طور پر عمر کے اس دور میں یہ حضرات میڈیا میں زیر بحث واقعات وحوادث، ان کے تجزیے، اور نتائج سے دلچسپی رکھتے ہیں، ان کی دلچسپیوں کا محور وہ اشتہارات واعلانات بھی ہوتے ہیں جن میں نئی اور جدید مصنوعات کا اعلان کیا جاتا ہے، اور ان کی خوبیاں گنوائی جاتی ہیں، اس طرح جسمانی کمزوری کے اس دور میں ان حضرات کو طبی ادویات اور اس میدان میں جدید تحقیقات سے غیر معمولی دلچسپی ہوا کرتی ہے، دوسری طرف بڑھاپے کی اس منزل میں انھیں ہلکی پھلکی خبروں، دلچسپ اور تفریحی پروگرام اور نئی کہانیوں سے دلچسپی ہوا کرتی ہے۔

کامیاب میڈیا کی خصوصیات

میڈیا یا ذرائع ابلاغ میں وہ تمام مضامین داخل ہیں جن کو دوسروں تک پہونچایا جائے، خواہ وہ مکتوبات کی صورت میں ہوں یا سماعت میں آئیں یا مشاہدے اور سننے یا صرف دیکھنے یا زبانی گفتگو کے ذریعہ انجام پائیں، اس مضمون کا بنیادی مقصد یہ ہو کہ میڈیا کے ذریعہ سننے، دیکھنے اور پڑھنے والے پر اثر ڈالا جائے، اور پہلے سے ان کے متعین اور محدود نتائج کا اندازہ لگایا جائے۔

میڈیا خواہ وہ جس شکل میں بھی ہوگا ایک مقصد اور پیغام ہوتا ہے، یہ مقصد اور پیغام اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے، اور وہی رخ متعین کرتا ہے کہ اس کا کام کیا ہے، کس حد تک اس کو یہ کام انجام دینا اور کہاں تک اس کو پہونچانا ہے؟ وہ کسی خاص فرد اور کسی تنہا شخصیت کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ وہ کسی خاص جماعت، گروہ، طبقہ یا پوری قوم کے لئے ہوتا ہے، کبھی ذاتی مقصد کے لئے بھی یہ مضمون ہوتا ہے، لیکن ایسی صورت میں اس مضمون کی کاپیاں تیار کرا کے انفرادی طور پر لوگوں کو بھیجی جاتی ہیں، بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر خبر کا ایک متعین مقصد اور خاص پیغام ہوتا ہے، اگر کوئی نامہ نگار یا صحافی اپنی خبر کے ذریعہ کوئی پیغام نہ

دے سکے تو جدید میڈیا کی نگاہوں میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

اسی طرح خبروں کے نتائج پر نگاہ رکھنا اور یہ کہ ان خبروں نے متعین مقاصد کس حد تک حاصل کر لئے ہیں، اور اب آگے کونسا مرحلہ باقی ہے؟ یہ بھی صحافی کے بنیادی مقاصد اور میڈیا کے لئے لازمی ہے، رائے عامہ کی تشکیل اور ذہن سازی میں کامیابی کا اندازہ لگانے کے لئے صحافیوں کے پاس اپنے ذرائع اور متعین وسائل ہوتے ہیں جن سے وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان کی خبروں، تصویروں، تبصروں، انٹرویوز، تحلیل، وتجزیے سے کس حد تک ذہن سازی ہوئی ہے، اور رائے عامہ کس حد تک ہموار ہوئی ہے:

ا۔ میڈیا کے مضامین کا قارئین وسامعین کی روزمرہ کی زندگی سے ربط وتعلق ضروری ہے، عوام یا اکثریت کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کرے، ان کے طرز عمل اور سلوک ورجحانات میں مفید اور موثر کردار ادا کرے، اور ماحول اور جن شخصیوں سے ان کا تعلق ہے ان پر اثر انداز ہوں۔

تجربات سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ عام طور پر قارئین وسامعین ومشاہدین اپنی دلچسپی اور ذوق کی چیزوں ہی سے تعلق رکھتے ہیں، جو ان کے ذوق ودلچسپی سے میل نہ کھائے اس کو وہ قبول نہیں کرتے، اور نہ ہی ایسے مواد کے بارے میں انھیں کوئی پرواہ ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ میڈیا کے مضامین کو قبول یا مسترد کرنے میں لوگوں کو اختیار ہوتا ہے، ان کو جبریہ کسی پر مسلط نہیں کیا جاسکتا، آج کے دور میں جو شخص اپنی مرضی اور ذوق کے مطابق جو چاہتا ہے پڑھتا دیکھتا اور سنتا ہے، اس طرح وہ کسی مسئلہ پر رائے متعین کرنے اور اس پر مطمئن ہونے میں ہر طرح آزاد وخود مختار ہے، وہ اس میں بھی آزاد ہے کہ اپنی اس قناعت اور فہم کو عملی سلوک میں تبدیل کردے یا اس کو نظر انداز کردے، ہوسکتا ہے کہ وہ سگریٹ نوشی کو مضر سمجھے، لیکن اس کو ترک نہ کرے، تیز ڈرائیونگ کے خطرات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی، تیز رفتاری سے باز نہ آئے، لیکن کامیاب میڈیا وہی ہے جو پہلے لوگوں کو سگریٹ نوشی کے مضر اور مہلک اثرات اور تیز ڈرائیونگ کے نتیجہ میں یقینی موت کے متعلق سمجھا دے پھر ان کو مطمئن کردے، تیسرے مرحلہ میں اس کو عمل اور سلوک میں تبدیل کردے، فہم + رضامندی = عملی سلوک

اس سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوگئی کہ میڈیا کے میدان میں فہم کو رضامندی کا مقدمہ قرار دیا جاتا ہے، یہ ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مواد و مضامین اس طرح تیار کیے جائیں کہ جن لوگوں تک اپنی بات پہونچانی ہے وہ انھیں اچھی طرح سمجھ لیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو چیز آپ کے لئے واضح اور قابل فہم ہے وہ ہمارے لئے بھی قابل فہم اور واضح ہو، اس کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ صحافی اپنے مخاطب کی نفسیات، اس کے ذوق ورجحانات، اس کی ثقافت کے معیار و میلانات سے کس حد تک واقف ہوتا ہے، مضمون تیار کرنے سے پہلے یہ حقیقت اس کے پیش نظر ہونی چاہئے، خود میڈیا کے بنیادی رول کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سامعین کے لئے پیغام کو بامقصد اور موثر بنانے میں مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔

میڈیا کے میدان میں مندرجہ بالا خصوصیات کو نقطۂ آغاز کہا جاتا ہے۔

۲۔ کامیاب میڈیا کی دوسری بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے قارئین کا اعتماد حاصل کرلے، یعنی خبریں اور مضامین اس انداز سے تیار کئے جائیں کہ وہ مبالغہ آرائی سے خالی ہوں، انھیں پیش کرنے میں رنگ آمیزی اور تاثرات ظاہر کرنے میں افراط وتفریط سے کام نہ لیا جائے، خبروں میں زیادہ گرمی، اور سنسنی خیزی اور نہ ہی انتہائی درجہ برودت ہو، اس لئے کہ خبروں کی تہ میں کارفرما مقاصد اصل اور بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، جو دونوں صورتوں میں اپنی تاثیر وافادیت کھودیں گے، اس کے ساتھ اس کی بھی توقع اپنے قاری سے صحافیوں کو نہیں رکھنی چاہئے کہ صحافی سے پہلے قاری اس کی خبروں سے متاثر ہو جائے گا، یعنی سب سے پہلے صحافی کا خبروں اور مضامین سے متاثر ہونا ضروری ہے، تبھی اس تاثیر اور قوت کو وہ خبروں کے ذریعہ دوسروں تک منتقل کر سکے گا، اگر وہ خود خبروں کی حقیقت سے ناواقف، اس کے اندر پوشیدہ پیغام و مقاصد سے بے بہرہ ہے تو دوسروں سے اس کو کسی تاثر کی توقع نہیں رکھنی چاہئے، خواہ ذرائع ابلاغ کتنے ہی طاقتور اور مؤثر ہوں۔

عرب شاعر زہیر ابن ابی سلمٰی نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

''انسان اپنے اخلاق وصفات کو خواہ کتنا ہی چھپانے کی کوشش کرے وہ لوگوں تک پہونچ جاتے ہیں''۔ عربی کا محاورہ ہے کہ ''تمہاری شخصیت کے اندر جو بھی خصوصیت ہے وہ

تمہاری گفتگو سے ظاہر ہو جائے گی۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

بعض مضامین، خبریں اور کارٹون ایسے ہوتے ہیں جن میں مبالغہ آرائی کا اظہار بذات خود مقصود ہوتا ہے، اس طرح سے بھی قارئین کا اعتماد حاصل کیا جاتا ہے، جیسے کارٹونوں میں بعض انسانی اعضاء کو بہت نمایاں اور مزاحیہ طریقہ اور طنزیہ انداز سے ظاہر کیا جاتا ہے کہ دیکھ کر ہنسی آجائے، مثال کے طور پر کسی بخیل کو کارٹون کی صورت میں اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ اس کے دونوں ہاتھ کوتاہ نظر آئیں جو بخل کا اثر اور علامت ہے، اس مبالغہ کا بنیادی مقصد بخل سے عمومی نفرت اور لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق تحقیر آمیز رویہ پیدا کرنا ہے۔

ایک سوال یہ بھی ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ قارئین کا اعتماد حاصل کرنے کو کامیاب میڈیا کے لئے بنیادی شرط کیوں قرار دیا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اعتماد حاصل ہونے کی صورت میں آپ جو پیغام چاہیں گے اس تک آسانی سے پہونچا سکتے ہیں، وہ آنکھ بند کر کے آپ پر اعتماد کرلے گا، اس لئے صحافی سے بنیادی مطالبہ یہی ہے کہ وہ جو مواد بھی پیش کرے اس میں معقولیت اور توازن ہو، دھمکی اور وعدے وعید سے خالی ہو، انانیت اور تکبر پیدا نہ کرے، بلکہ میڈیا کے مضامین نرمی ومحبت ورحمدلی پر مبنی ہوں۔

۳۔ کامیاب میڈیا کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ نفسیاتی ہم آہنگی اور ترتیب کا خیال مضامین کو پیش کرنے میں کیا جائے، نہ کہ منطقی ترتیب کا خیال رکھا جائے۔

یہ بنیادی حقیقت ہر اخباری ایڈیٹر، ریڈیائی خبروں اور ٹی وی کے مضامین تیار کرنے والے کے سامنے رہنی چاہئے کہ وہ ان خبروں کو پیش کرنے میں نفسیاتی ترتیب کا لحاظ رکھے، نیوز ریڈر کا اصل کمال اور خوبی یہ نہیں کہ وہ خبروں کو جوں کا توں سامعین کے لئے پیش کردے بلکہ اصل کمال اور خوبی یہ ہے کہ سامعین ومشاہدین جس طرح بہتر سے بہتر حالت اور کیفیت میں اس کو سننا اور دیکھنا چاہتے ہیں، اس کے مطابق نیوز ریڈر خبریں پیش کرے، بالفاظ دیگر خبریں پیش کرنے والے کو چاہئے کہ خبریں سننے والے کے دل کی دھڑکنوں،

احساسات، اس کے فہم، قبولیت، رضامندی، اور جوش وجذبے کے ساتھ ساتھ چلے، اور عقل سے پہلے جذبات کو متاثر کرنے میں کامیاب ہو جائے، خبر کے ہر لفظ اور ہر جملہ کو اس طرح ادا کرے اور وہی لب ولہجہ اختیار کرے جو اس کے لئے مناسب ہے، یعنی مضامین اور ان کی روح سے پوری طرح ہم آہنگی ہو جائے، اور وہ جذبہ اپنے اوپر طاری کرلے، جو خبروں کی تہ میں پوشیدہ ہے، ہم اس مفہوم کو اس طرح بھی ادا کر سکتے ہیں کہ میڈیا کے مضامین اور مواد عقل وجذبات کے دو بازوؤں کے سہارے پرواز کرتے ہیں، یہ دونوں ہی شہپر متوازن ہیں، ان کے اندر تناسب ہے، کمی وزیادتی نہیں۔

میڈیا کے میدان میں یہ بنیادی سوال ہمیشہ سامنے رہتا ہے کہ ایک میڈیا کا پیغام دوسرے میڈیا کے پیغام سے ہم آہنگ ہوگا یا اس کے مخالف اور متضاد ہوگا، ہم آہنگی کی صورت میں آپ کے میڈیا کا پیغام موثر اور مفید ثابت نہیں ہوگا، اس لئے کہ مشاہد یا قاری یا سامع ہمیشہ نئی معلومات اور نادر ونایاب خبروں اور جدید ترین حقائق کا متلاشی ہوتا ہے، وہ آپ سے کسی مکرر نغموں یا خبر سننے میں اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں کسی کتاب کی تیاری یا کسی ٹی وی پروگرام، ریڈیائی تحلیل وتجزیہ اور اخباری خبروں اور افتتاحیوں کی تیاری وتحریر میں جدت اور ندرت کا ہونا ضروری ہے، یہی حال کتابوں کی تصنیف کا ہے، ایک ہی موضوع پر کتابوں اور رسائل واخبارات کی اتنی کثرت ہے کہ درجنوں اخبارات ورسائل اور کتابوں میں آپ کو کام کی بات دو فیصد سے کم ہی ملے گی۔

پروگراموں میں تضاد ومخالفت کی صورت میں میڈیا کی ذمہ داری انتہائی خطرناک حد تک حساس اور نازک ہو جاتی ہے، اس لئے کہ دو متضاد پروگراموں کو دیکھ کر یا سن کر قاری وسامع حیران وسرگرداں ہو جاتا ہے، اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس کی تصدیق کرے، تضاد اور کشمکش کی صورت میں وہ دونوں کو فوری طور پر مسترد کر دیتا ہے، اور یہ کہہ کر دامن چھڑا لیتا ہے کہ دونوں جھوٹے ہیں۔ اس کو تو میڈیا سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کریگا، لیکن اس کے بجائے وہ دیکھتا ہے کہ وہ میڈیا کے مختلف تیروں کا نشانہ بن رہا ہے، ایسی صورت میں پروگرام تیار کرنے والے کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس طرح پروگرام پیش کرے کہ اس کو خود اندرونی طور پر اطمینان ہو، اس میں تضاد وکشمکش نہ ہو۔

پروگراموں کی تیاری میں اس کا بنیادی لحاظ ضروری ہے کہ جو کچھ پیش کیا جائے، وہ مدلل ہو اور منطقی نتائج تک خود پہونچا دے، مضمون اس طرح مدلل تیار کیا جائے کہ دلائل و براہین کا رد کرنا یا ان کا جواب دینا ناممکن ہو جائے، اس لئے کہ میڈیا کا پیغام جب سانچہ میں ڈھالا جاتا ہے تو اس میں جذبات و منطق دونوں پہلوؤں کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ واقعاتی زندگی پر مبنی حقائق و معلومات شخصی و ذاتی آراء افکار کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر، طاقتور اور دل آویز ہوتے ہیں، دوسری حقیقت یہ ہے کہ میڈیا کے پیغام کو واضح اور اس کے مقصد کو متعین ہونا چاہئے، صحافی اپنی خبروں اور تصویروں، کارٹونوں اور افتتاحی اداریوں سے لوگوں کو کیا پیغام دینا چاہتا ہے، کیا اس کا کوئی محدود مقصد ہے، وہ خود واضح طریقے سے اپنے مقصد کو بیان نہیں کرتا بلکہ وہ اس کو قاری و مشاہد اور سامع کی ذہانت پر چھوڑ دیتا ہے، یا یہ ضروری ہے کہ خبروں کے مقصد کو واضح طور سے بتاوے تاکہ قاری وسامع اور مشاہد کو زحمت نہ ہو اور یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی پہیلی بیان کی جارہی ہے۔ پھر کیا سیاسی اور سماجی اقتصادی موضوعات پر لکھنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس موضوع پر مختلف نقطہائے نظر یا خود اپنی رائے کا اظہار کردے۔ امریکہ کے دو صحافیوں نے جو میدانی سروے کیا تھا اس سے یہ نتیجہ سامنے آیا کہ جن پروگراموں کے مقاصد واضح اور متعین تھے انھیں ۴۸٪ سامعین نے سمجھا، جبکہ جن پروگراموں کے مقاصد واضح اور متعین نہیں تھے ان کے سلسلے میں ۱۹٪ سامعین نے پسندیدگی اور تبدیلی کا ذکر کیا۔ اس طرح میڈیا میں اس بات کو بھی بنیادی اہمیت دی جانی چاہئے کہ میڈیا کا پیغام جہاں متعین اور واضح ہو وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ اس کام کی نوعیت اور کیفیت اور طریقہ کار کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس خبر کا موقع و محل بھی اس سے متعلق ہو اور مناسب بھی۔

پروگرام تیار کرنے والوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سامعین و قارئین کے عام رجحانات سے فائدہ اٹھائیں اور ان آراء سے جو نئے رجحانات معلوم ہوں انھیں عوام کے سامنے لائے۔ اس عنصر سے ہٹلری دور میں گوئبلز نے بہت فائدہ اٹھایا تھا۔

۴۔ اسلام نے وسائل اور مقاصد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے، اس کے نزدیک دونوں کے درمیان نہ صرف ہم آہنگی ضروری ہے بلکہ اسلامی معیار ہی فیصلہ کن

ہے، شریفانہ اور بلند مقاصد کے حصول کیلئے غیر شریفانہ وسائل اختیار نہیں کئے جاسکتے:

(الف) دور جدید میں دولتمند، سرمایہ کار، اور بڑے بڑے سیاستداں اپنے مادی فوائد کے حصول کے لئے اخبارات ورسائل اور میڈیا کے دوسرے وسائل اختیار کرتے ہیں، اوراب تو میڈیا نے ایک مستقل صنعت کی صورت اختیار کرلی ہے۔

(ب) شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی بے نظیر کتاب "حجة الله البالغة" میں لکھا ہے کہ اقتصادیات کواخلاق کے تابع ہونا چاہئے، لیکن دور جدید میں مادی ذہن نے نشہ آور اشیاء، شبینہ کلبوں، رقص گاہوں، اور سنیما کے فروغ کے لئے میڈیا میں بڑے بڑے اشتہارات کا سہارالیا ہے، لیکن اسلامی میڈیا اس طرح کے اشتہارات کی اپنے یہاں اشاعت کو اسلامی اخلاق اور اصول ومبادی کے منافی قرار دیتا ہے۔

(ج) اسلامی میڈیا میں اخلاقی قدروں اور اصول ومبادی کو بہر حال ہر چیز پر فوقیت حاصل ہے، دیگر تمام چیزیں ان کے تابع ہیں، جبکہ اس کے برعکس مغربی میڈیا میں مادی مصالح کے آگے معنوی اور اخلاقی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، عوام کے لئے جو پروگرام بھی پیش کیا جاتا ہے اس میں مادی نفع کو اولین مقام حاصل ہوتا ہے، اس لئے کہ اس کے سامنے کوئی بلند تر شریفانہ مقصد نہیں، اور نہ ہی واضح نصب العین ہوتا ہے، اور نہ ہی کسی انسانی قضیہ کے بارے میں مغربی میڈیا کا مخلصانہ رول ہوتا ہے، مغربی میڈیا ہر قیمت پر مادی منافع کو ترجیح دیتا ہے، چاہے اس کے لئے مال حرام کا سہارا لینا پڑے، یا شراب وشباب اور سفلی جذبات کو بھڑکانے اور حیوانی شہوت کو فروغ دینے کے لئے کتنی ہی پستی میں اترنا پڑے وہ اس کے لئے تیار رہتا ہے۔

(د) جب وسائل وذرائع کو پاکیزہ مقاصد کا حامل ہونا چاہئے تو ان مضامین کو بھی پاکیزگی اور تقدس کا حامل ہونا ضروری ہے، حکمت ودانشمندی، مخلصانہ رہنمائی، اور خیر خواہی کا جذبہ اس کی تہ میں کارفرما ہو، اول وآخر اس کے پیش نظر انسانیت کی تعمیر ہو، سنجیدگی ومتانت ہو نہ کہ اشتعال انگیزی اور جذباتیت پر مبنی ہو، ان سب سے مقدم یہ کہ صحیح عقیدۂ توحید پر اس کی اساس ہو، بدعات وخرافات اور خواہشات نفسانی سے پاک ہو، اس لئے کہ اسلامی میڈیا اور دعوت دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

يريــدون
ليطفئـوا نـور الله بافـواههم
والله متــم نـــوره
ولـو كـره الكـافـرون
(صدق الله العظيم)

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے

دوسری جنگ عظیم کے بعداگر چہ یکے بعد دیگرے مسلم ممالک آزاد ہوتے گئے لیکن استعاری طاقتوں کے پھیلائے ہوئے سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی ارتداد کے جال میں وہ دوبارہ پھنس گئے، ان طاقتوں نے تمام مسلمان ممالک پر بدترین قسم کی آمرانہ اور ملحدانہ حکومتیں مسلط کر دیں جنھوں نے مسلم عوام کو مادّی ترقی اور اسلامی قدروں سے محروم کر دیا۔ الا ماشاء اللہ۔ چنانچہ بڑے پیمانہ پر اقتصادی بدحالی، سیاسی استبداد اور ایمانی آزمائشوں سے بچنے کی خاطر مسلمانوں نے یورپ وامریکہ کا رُخ کیا۔ پہلے ارادہ تھا کہ کچھ عرصہ ملازمت کر کے واپس وطن چلے جائیں گے لیکن اقتصادی طور سے مسلمان مہاجروں کو خوش حالی سے واسطہ پڑا تو انہوں نے اپنی بیوی بچوں کو بھی بلالیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد انہیں بنیادی شہری حقوق حاصل ہوگئے جن کے نتیجے میں ان مسلمانوں کو مزید اقتصادی وسماجی استقرار واطمینان حاصل ہوگیا، ان بنیادی حقوق میں سے یہ بھی تھا کہ یہ مہاجرین مکانات کے مالک بن سکتے ہیں، جائیداد کی خرید وفروخت کر سکتے ہیں، ووٹ بھی دے سکتے ہیں اس لئے کہ ٹیکس دیتے ہیں۔

سماجی واقتصادی استقرار کے بعد ان مسلمانوں کو خیال آیا کہ اسلام ہی ہماری شناخت اور تشخص وامتیاز ہے، اس لئے مسجد کا ہونا ضروری ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے علاقوں میں مساجد کی، اس کے بعد اسلامی مراکز کی تعمیر شروع کر دی۔ مسلم تنظیمیں، دینی مدارس اور انجمنیں قائم ہونے لگیں، دعوتی سرگرمیوں کے نئے میدان کی تلاش میں تبلیغی جماعتوں نے بڑی کثرت سے اپنی جماعتیں روانہ کیں۔(۱) وہاں سے برصغیر اور عرب ممالک جماعتیں روانہ کی گئیں، ان کے علاوہ بھی توفیق الٰہی سے بہت سے افراد اور گم نام داعیوں نے امریکہ ویورپ کے زندانوں میں اسلامی دعوت کا کام شروع کیا اور ان پر محنت کی۔ اسلام دُشمن پروپیگنڈے اور مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے وحشیانہ مظالم نے بھی غیر مسلموں کے دلوں میں اسلام کے لئے جگہ بنائی۔ اس وقت صرف یورپی (۲) ممالک میں مجموعی طور پر دو کروڑ اور امریکہ میں اسّی لاکھ کی تعداد میں ہیں (۳)۔ امریکہ میں ایک

(۱) تازہ اعداد وشمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سو بیس ملکوں میں تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت ہو رہی ہے۔

(۲) فرانس میں پینتالیس لاکھ، انگلستان میں بیس لاکھ، جرمنی میں پندرہ لاکھ مسلمان بستے ہیں۔

(۳) ان میں امریکی کاموں کا تناسب ۴۲ فیصد ہے۔ ہر سال گیارہ ہزار اسلام قبول کرنے والے امریکیوں میں ۸۵ فیصدی کالوں کی ہوتی ہے۔ اسلام کی پناہ میں آنے والی خواتین کا تناسب ۶۸ فیصدی ہے۔

ہزار مساجد، تین سو سے زائد اسلامی مراکز اور ایک سو اڑتالیس دینی مدارس ہیں۔ سرگرم اسلامی تنظیموں اور فعال دینی جماعتوں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

بیسوی صدی کے آغاز میں جو مسلمان مغربی ملکوں میں آئے ان کی ایک تعداد ایسی بھی تھی جو اپنی شناخت سے محروم ہوگئی اور وہ مغربی سانچوں میں ڈھل گئی، لیکن خاصی تعداد مسلمانوں کی ایسی تھی جس نے ایک مدت مغربی معاشرہ میں گزارنے کے بعد اپنے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا، جب انہیں اولاد کی گمراہی کا احساس اور زبردست مقوی خسارے کا اندازہ ہوا، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے اسلام اور مسلم دُشمنی کے مناظر اور مغربی معاشرہ کے شیرازہ کو بکھرتا، جنسی انارکی اور اخلاقی فساد کو دریاؤں کی موج پھیلتے دیکھا۔ مسلم ممالک اور برصغیر سے جانے والے داعیوں، دینی جماعتوں کی بکثرت آمدورفت نے بھی مغرب میں مقیم مسلمانوں کے اندر دعوتی قندیلیوں کو روشن کرنا شروع کردیا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پہلے دورۂ یورپ (۱۹۶۳ء) سے جو خطوط لکھے تھے ان میں انہوں نے لکھا تھا کہ یہاں آکر اندازہ ہوا کہ جب تک خود مغربی ملکوں میں تبدیلی نہیں ہوگی اس وقت تک مشرقی ملکوں میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ اس لئے کہ تمام مشرقی ممالک کے سوچ مغربی ممالک کے پاس ہیں۔ مولاناؒ نے مغربی معاشرہ کے اخلاقی زوال کے پس پردہ کارفرما یہودی عزائم اور ان کی انسانیت دُشمن تخریبی سرگرمیوں کے نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودیوں کا اپنے مفسدانہ مقاصد میں کامیابی الٰہی نظام عدل اور اس کے ارحم الراحمین صفت کے خلاف ہے، چونکہ انسانیت کو قیامت تک باقی رہنا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آخری دین ہی غالب ہوگا اور انجام کار اسلام کے حلقہ بگوشوں ہی کے لئے ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیشینگوئیاں اس طرح پوری ہو رہی ہیں کہ خود مغربی ملکوں کے دانشوروں اور مفکروں کے نقطہ نظر میں تبدیلی آرہی ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں پھیلائے ہوئے عالمگیر دباؤں کے خلاف ان کے اندر فکر و تشویش اور ندامت کے ساتھ جھنجھلاہٹ پائی جاتی ہے۔ وہ حیران و پریشان ہیں کہ اس دلدل سے کیسے نکلیں۔

امریکی حکومت کے سابق مشیر برائے قومی سلامتی مسٹر برزنسکی اپنی کتاب OUT

OF CENTRAL میں لکھتے ہیں: "وہ سماج جس میں ہر چیز کی اجازت ہوتی ہے اور ہر چیز کو حاصل کیا جا سکتا ہے، وہ ایسا معاشرہ ہے جس کا اخلاقی معیار سب سے زیادہ پست ہوتا ہے۔ ایسے معاشرہ میں انسان اپنی تمام تر خواہشات کی تکمیل پر اپنی جدوجہد کو مرکوز کر دیتا ہے اور وہ ہر قیمت پر اس کو پوری کرتا ہے"۔

مشہور امریکی مورخ آرتھر چیلنجز اپنی کتاب .U.S.A میں لکھتا ہے کہ امریکی معاشرہ میں متعدد تہذیبوں اور ثقافتوں کو ختم کرنے اور اس کے قالب میں ڈھالنے کا تجربہ ناکام ہو چکا ہے، اس لئے کہ مغرب اپنے اخلاقی قدروں سے محروم ہو چکا ہے۔

سابق امریکی صدر نکسن نے بھی مغربی دُنیا کی حقیقی ترقی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہماری تہذیب کو جن مشکلات کا سامنا ہے ان کا خلاصہ اور رُوح یہ ہے کہ مادّی اعتبار سے ہماری تہذیب اس وقت باقی رہ سکتی ہے جب کہ اپنی کھوئی ہوئی رُوحانیت دوبارہ حاصل کر لے۔

مشہور مفکر ڈاکٹر الیکسس کرل اپنی عالمی شہرت کی حامل کتاب MAN THE UNKWOWN میں لکھتا ہے "موجودہ مغربی تہذیب و تمدن نے انسانی قدروں اور ان کی تمام خصوصیات کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ موجودہ مغربی تہذیب ہماری نفسیات سے کسی طرح ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس کا وجود ہماری فطرت اور خصوصیات کو سمجھے بغیر عمل میں آیا ہے۔ اگرچہ ہماری جدوجہد ہی نے اس کو وجود بخشا ہے لیکن اس کے باوجود ہماری حقیقی خواہشات اور فطری خصوصیات سے بیگانہ ہے"۔

وہ آگے چل کر لکھتا ہے: "بنیادی حقیقت یہ پیش نظر رہنی چاہئے کہ اصل انسان ہے، اس کی فطرت سے ہم آہنگ ہر چیز ہونی چاہئے لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، جس دُنیا کا اس انسان نے انکشاف کیا ہے اس میں وہ خود بیگانہ بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اپنی دُنیا کی تنظیم اس لئے نہیں کر سکا کہ وہ اس کی فطرت سے عملی طور پر ناواقف ہے، اس بنا پر جو عجیب ترقی اس نے حاصل کی ہے اور جس طرح جمادات نے زندگی کے علوم پر امتیاز و تفوق اور برتری حاصل کی ہے وہ ان سانحوں اور المیوں میں سے ایک ہے جس کا سامنا انسان کو کرنا پڑ رہا ہے، وہ ماحول اور ایجادات جن کو ہماری عقلوں نے پیدا اور تیار کیا وہ ہماری رُوح اور

اخلاق سے ہم آہنگ نہیں اور نہ ہی ہمارے قد وقامت پر راس آرہا ہے، ہم مغربی لوگ اخلاقی اور فکری طور پر انتہائی درجہ پست سطح پہ گر چکے ہیں، ہم گھٹیا اور بدقسمت لوگ ہیں، وہ قومیں اور گروہ جو صنعتی ترقی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچ چکی ہیں اور انہوں نے غیر معمولی سرعت کے ساتھ یہ منزل حاصل کی ہے وہ برابر کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہیں اور جتنی سرعت سے انہوں نے ترقی کی تھی اس سے کہیں زیادہ تیزی سے دوسروں کی بہ نسبت پستی کے غاروں اور بربریت وحیوانیت کے گڑھوں میں گریں گی اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہوگا۔"

امریکی معاشرہ کے بکھرتے ہوئے شیرازے اور پوری ریاستہائے متحدہ امریکہ پر چھائی ہوئی افراتفری کی فضا کی عکاسی کرتے ہوئے مشہور امریکی جریدہ U.S. NEWS کے چیف ایڈیٹر مارٹیمر بی دوکرمین (MARTIMER.B.2 UCKERMAN) ۸راگست ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں لکھتے ہیں :

"امریکہ کی سماجی زندگی کا تانا بانا تیزی سے بکھر کر ایک قومی سدراہ بنتا جارہا ہے اور کہ یہ ۴ میں سے ۳ امریکی یہ سوچتے ہیں کہ ان کا اخلاقی اور روحانی پیمانہ بہت نیچے گر چکا ہے اور تین میں سے دو کا یہ خیال ہے کہ یہ ملک راہِ راست سے بری طرح بھٹک گیا ہے۔ یہاں تک کہ صدر مملکت بل کلنٹن خود اپنی بدچلنی کی وجہ سے رائے دہندگان کی نظر میں پندرہ پوائنٹ نیچے گر گئے ہیں۔ افراتفری ملک کی فضا پر چھائی ہوئی ہے۔ منشیات کی عادت نے عائلی زندگی کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ تعلیمی معیار نیچے گرتا جارہا ہے۔ پبلک مقامات نشہ خور اور ٹھگوں کا اڈہ بن گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے سماجی حقوق اور انفرادی آزادی کے فرق کو کھودیا ہے۔ ہر جگہ مقابلے کا مزاج نظر آتا ہے۔ کالے گوروں سے برسرِ پیکار ہیں۔ خواتین خاندانی امارت کے خلاف جنگ کررہی ہیں۔ صنف نازک نسوانیت کی دھجیاں اڑارہی ہیں۔ بچے والدین سے بیزار ہیں۔ مائیں ازدواجی زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ باپ بچوں کی ذمہ داریوں سے آزاد ہونا چاہتا ہے۔ عبادت گزار گرجا گھروں سے ناراض ہیں۔ طلباء یونیورسٹی کے خلاف ہنگامہ آرا ہیں۔ گویا ملک میں عوامی خیر خواہی کے کلچر کے بجائے عوامی شکایات کا کلچر ابھر آیا ہے۔ ہر ایک کشتہ ہوس ہے، جو محروم ہیں وہ

اپنے کو اہل ثروت کا شکار سمجھتے ہیں۔ جرائم تسلیم شدہ حقیقت بن گئے ہیں، کیونکہ انہیں بچپن کی ناشاد زندگی کا تاثر مان لیا گیا ہے۔ غرض کہ وہ انسانی خصلتیں جن پر امریکہ فخر کیا کرتا تھا، یعنی محنت، خود ساختہ ڈسپلن اور احساس ذمہ داری اب قصہ پارینہ ہو چکے ہیں۔ نئی نسل سکون اور خاندانی واخلاقی روایات سے محروم ہو چکی ہے۔ فوری نفع اس کا متاع حیات بن گیا ہے۔ ذاتی محرکات، خصوصیات کا اُبھار بڑے پیانہ پر ہو رہا ہے۔ ذرائع ابلاغ، ٹی وی اور فحش گانے ان کے جذبات کو پراگیختہ کر رہے ہیں جن سے امریکی اخلاقیات نے ہمیشہ نفرت کی ہے۔ مثلاً تشدد، حرام کاری، نشہ پسندی اور شراب نوشی، اس کے برخلاف اخلاق حسنہ، دین وایمان، عائلی زندگی اور حکومت وقت کا احترام ختم ہو چکا ہے۔ سرمایہ داری اور تاجرانہ ذہنیت نے عائلی زندگی، پڑوسیوں کے میل جول، آپسی ربط وضبط اور اتحاد وعمل کو ختم کر دیا ہے۔ قوم ان حالات سے بیزار ہو چکی ہے، وقت آ گیا ہے کہ زندگی کو ایک نیا موڑ دیا جائے۔ تعلیم اور معاشیات میں تعمیر کی نشوونما ہو، مزدوروں میں ہنر مندی اور ذمہ داری کا احساس بڑھے اور اخلاق کو اوّلیت کا درجہ ملے۔ قوم سماجی اور اخلاقی پستیوں سے نکلنے کا مطالبہ کر رہی ہے، لوگ اخلاقی برتری حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہیں، مانا کہ عہدِ قدیم کی سادگی کی طرف لوٹنا مشکل ہے، گھڑی کی سوئی پیچھے نہیں کی جا سکتی، لیکن بربادیوں سے نکلنے کے لئے جو خلش آج ہمیں بے تاب کر رہی ہے اگر اس کا احترام نہیں کیا گیا تو کل یہ خوف وہراس کی شکل اختیار کرے گی اور پرسوں دہشت گردوں کی اور جب خوف کی اجارہ داری ہو جائے تو عقل اور برداشت دونوں کے لئے خطرہ ہو جاتا ہے، ہم اس وقت اس ماحول میں داخل ہو چکے ہیں، یہ ہمارے لئے عظیم خطرہ ہے۔"

اس عظیم خطرہ کا احساس صرف یو۔ایس۔ نیوز کے چیف ایڈیٹر کو نہیں اور نہ ہی یہ براعظم امریکہ کے لوگوں کا خطرہ ہے بلکہ پوری مغربی دُنیا کی اکثریت کا یہ تاثر ہے(۱) جس کی ترجمانی یو۔ایس۔ نیوز کے ایڈیٹر نے کی ہے۔ اس عظیم خطرہ اور رُوحانی خلا کا احساس اتنا عام ہو چکا ہے کہ دولتمندوں کی اولاد اک گونہ بیخودی کی تلاش میں "دم مارو دم

(۱) بلکہ جہاں جہاں مغربی کلچر نے ڈیرے ڈالے ہیں وہاں یہ عظیم خطرہ پایا جا رہا ہے۔ ڈش انٹینا اور انٹرنیٹ نے اس خطرہ کو عالمگیر بنا دیا ہے۔

اور مٹ جائے غم" کیلئے گبریلے کیڑے کی طرح پوری دُنیا میں رینگتے دکھائی دیتے ہیں۔ دوسری طرف مغربی ملکوں کے ٹی وی پروگراموں میں رُوحانی پروگرام کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ مغربی دنیا کے ہر شخص کو ایک عقیدہ اور ایک نظریۂ حیات کی تلاش ہے، تلاش وجستجو کا یہ عمل ایک صدی پر محیط، ہزاروں حساس انسان امن وسکون کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ بر کف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

رسل، دیب، مریم......، مرتضی دہلین، عمر فاروق عبداللہ، خالد اسلام اور مراد ہوف مین جیسے ہزاروں حنیس لوگ رُوحانی تسکین کے لئے اسلام کی طرف راغب ہوئے، انہیں یہ متاع بے بہا کہیں نہیں ملی۔

خود جرمن دانشور مراد ہوف مین نے مغربی دُنیا میں پائے جانے والے اس مذہبی خلا کا جو جائزہ لیا ہے، وہ بڑا چشم کشا، بصیرت افروز اور ظلمت شب میں اُمید کی کرن ہے، مراد ہوف مین نے انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز کے زیر اہتمام ۲۴۔۲۷ فروری ۲۰۰۰ء کو اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں لیکچر دیئے، ہم ان کے لیکچر کا ایک حصہ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور کے شکریہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

مراد ہوف مین نے اپنے لیکچر کے آغاز میں مغرب میں رائج اقتصادی اور سیاسی فلسفے اور نظریات کا جائزہ لے کر بتایا کہ خود مغرب کے دانشور اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ مذہب کو ترک کر کے جنت ارضی کے بجائے ہمیں ناقابل یقین حد تک وحشیانہ عالمی جنگوں، کیمیائی اور ایٹمی جنگی اسلحہ، قتل وغارت اور نسلی صفائی جیسے مصائب اور تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا، اگر انسان مذہب کی بازیافت نہ کر سکا تو بنی نوع انسان نہ صرف اپنے آپ کو تباہ کرلے گی بلکہ اپنے کرۂ ارض کو بھی لے ڈوبے گی۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر ڈیوڈ بیل نے اپنی تصنیف "سرمایہ داری کے ثقافتی تضادات" میں اس بات کی تلقین کی ہے کہ اخلاقیات کی تعمیر نو کے لئے کسی نہ کسی طرح کا مذہب اپنانا ضروری ہے، خواہ اسے خود ہی کیوں نہ ایجاد کرنا پڑے۔ امریکہ کے ایک سابق سفارت کار ولیم اقلس نے پیش گوئی کی

ہے کہ مغربی دُنیا کمیونزم کی طرح مسمار ہو گی، اس لئے کہ یہ اعلیٰ بصیرت سے محروم ہے، دونوں دانشوروں نے اس بدیہی حقیقت کو دریافت کر لیا ہے کہ کوئی انسان تہذیب بھی روحانیت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔

مراد ہوف مین مغربی دُنیا کا جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''مغربی مستشرقین کے نزدیک اسلام کے سیاسی کردار کے خاتمے کے بعد اس کی کوئی اُمید نہیں تھی کہ بیسویں صدی کے کے ساتویں دہائی میں اسلام نمایاں طور سے عالمی سطح پر اُبھرے گا، وہ اسلام جس پر چار سو سال سے جمود کی حالت طاری رہی ہو اور جس کے تمام ماننے والوں کو یورپی اقوام نے اپنی نو آبادیات میں شامل کر لیا ہو، لیکن اسی اسلامی دُنیا سے ایسے ممتاز داعی اُٹھ رہے ہیں جو بڑی خود اعتمادی سے مغربی ملکوں کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں، ان کے تیار کئے ہوئے لٹریچر کو ہر جگہ بڑی دلچسپی سے پڑھا جا رہا ہے۔ آج آئس لینڈ اور کوریا سے کولمبیا تک دُنیا کا کوئی ایسا ملک نہیں جس میں سرگرم و فعال مسلمان موجود نہ ہوں۔ ۱۰۰ سال پہلے جو تعداد کے اعتبار سے دُنیا کا ساتواں حصہ تھے اب ان کی تعداد دُنیا کی آبادی کا ۲۰ فیصد ہے۔

اب لندن، پیرس، رُوم، ویانا، لزبن، زغرب، نیو یارک اور لاس اینجلس جیسے شہروں میں نمائندہ مساجد قائم ہیں۔ مزدور کارکنوں کی نقل مکانی اور مغربی یونیورسٹیوں کی دلکشی کی بدولت لاکھوں مسلمان یورپ اور امریکہ میں سرگرم عمل ہیں۔ ہر کہیں اسلام دوسرا سب سے بڑا مذہبی گروہ بنتا جا رہا ہے۔ آج کوئی اخبار یا ٹی وی چینل ایسا نہیں جس میں اسلامی موضوعات نہ ہوں اور صرف حال ہی میں یہ ممکن ہوا ہے کہ تمام یورپی زبانوں میں کلاسیکل اسلامی لٹریچر دستیاب ہے۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس کا سب سے زیادہ ترجمہ کیا جا رہا ہے اور روئے زمین پر جس کی تلاوت سب سے زیادہ کی جاتی ہے۔

چونکہ یہ سب کچھ ۲۰ ویں نظریاتی صدی (IDEOLOGICAL CENTURY) میں ہوا ہے، اس لئے بعض اسلامی تحریکیں بنیادی طور پر سیاسی مقاصد کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صرف مایوسی کے باعث تشدد کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ اس صورت حال کی وجہ سے اسلام کا حوالہ بھی اکثر ایک آئیڈیالوجی کے طور پر دیا جاتا ہے۔ یہ بات اس لحاظ سے تو درست ہے کہ اسلام بھی دُنیا کے اُمور چلانے کے لئے تصورات کا ایک

مجموعہ پیش کرتا ہے لیکن ہمیں اپنے عقیدے کا حوالہ ایک آئیڈیالوجی کے طور پر دینے سے گریز کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اس اصطلاح سے سیاست اور ایسے دُنیاوی تصور کا گمان ہوتا ہے جس میں آخرت شامل نہیں''۔

مذہب کا مستقبل؟

صورت حال کچھ بھی ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ اہم ہے کہ تیسرے ہزاریے کے آغاز پر صرف دو نقطہ ہائے نظر باقی رہ گئے ہیں جو مغرب کے انسان کے دل و دماغ کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں، یعنی جدیدیت کے بعد سیکولرزم اور اسلام۔ ان کے علاوہ کوئی تیسرا نظر نہیں آتا، اگرچہ مغربی دانشوروں میں خال خال ایسے افراد بھی ہیں جو بدھ مت میں کشش محسوس کرتے ہیں، مگر وہ شاید کسی دوسرے جنم میں موقع ملنے کا انتظار کریں گے۔ لہٰذا نہایت اہم سوال یہ ہے کہ مستقبل کس کا ہوگا؟ علاوہ ازیں کوئی نتیجہ نکالنے سے پہلے اس سوال کا جواب ڈھونڈنا ہوگا کہ کیا ۲۱ویں صدی مذہبی ہوگی یا نہیں؟

موجودہ دور میں بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ مذاہب معاشرے سے خارج ہو رہے ہیں اور یہ کیفیت امریکہ سے زیادہ یورپ میں پائی جاتی ہے۔ لوگ گروہ در گروہ مسیحی چرچوں کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔ یہ چرچ بھی ہمارے عہد کی رُوح اور فیشنوں کے مطابق یکے بعد دیگرے مصالحتیں کرتے چلے جا رہے ہیں۔ لہٰذا ہم جنس پرستوں کے پادری پیدا ہو چکے ہیں، لوگ جب اور جیسے چاہیں اسقاط حمل کی اجازت لے سکتے ہیں، خواتین بشپ بھی ہیں اور روزہ رکھنے کی عملاً کوئی مدت مقرر نہیں۔ یقین کیجئے! اس طرح چرچ تیزی سے منحرف ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسیحیت پر ایمان رکھنے والوں کی اکثریت (حتیٰ کہ بعض پروٹسٹنٹ پادری بھی) مسیحؑ کی الوہیت اور موت کے بعد دوبارہ بعثت میں یقین نہیں رکھتی۔

بہر حال یہ صورت حال کی مکمل تصویر نہیں، ابھی تک نجی رویوں کا تابع، بے قاعدہ مذہب اِدھر اُدھر پھیلا ہوا ہے۔ مذہب مسلمہ چرچوں سے ہٹ کر اپنے وجود کے لئے نئے سہارے تلاش کر رہا ہے۔ آپ مغربی دُنیا کی کسی بک شاپ میں چلے جائیے، آپ دیکھیں

گے کہ مذہب کے مقابلے میں اسرار و رموز اور طلسمات پر مشتمل کتب کا سیکشن کہیں بڑا ہوگا۔ لوگ آج بھی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ان کا مستقبل کیا ہے؟ وہ ہر قسم کے رازوں کو جاننا اور خوشی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بنیادی طور پر انہیں مذہبی خواہشوں نے تمام صنعتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے۔ لوگ کسی بھی چیز کا تجربہ کرنے کے لئے آمادہ ہیں، خواہ وہ دشمن پرستی ہو یا جنتر منتر، شیطان پرستی (SATANIV CULT) ہو یا ہندو گرو۔

میری تشخیص یہ ہے کہ یہ لوگ جن کی اکثریت نئی نسلوں سے تعلق رکھتی ہے، عبوری طور پر مذہب کے لئے سرگرداں ہیں۔ بے معنویت اور رُوحانیت سے خالی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہو چکا ہے اور وہ اس حقیقت کی تلاش میں ہیں کہ کیا واقعی کوئی دُنیا ایسی ہے جس میں ''ہر چیز چلی جاتی ہے؟'' ان کی پرورش پابندیوں سے آزاد ماحول میں ہوئی ہے اور ان کے دلوں میں قیادت، حقیقی اقدار اور حق و باطل کے قابل اعتماد معیارات کو پالینے کی شدید خواہش موجزن ہے۔

مختصر یہ کہ ان لوگوں میں بے پناہ مذہبی امکانات موجود ہیں جو اکیسویں صدی کو مذہبی دور میں بدل سکتے ہیں۔ چنانچہ سوال یہ ہے کہ کیا ماضی کی نسبت آج عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کو بہتر متبادل تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ اور کیا اس وقت رائج نجی نوعیت کے مذہب کے مقابلے میں اجتماعی عبادت کو ترجیح دی جائے گی یا نہیں؟

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ یورپ میں مسیحیت ناقابل اصلاح ہے۔ اسی طرح مجھے یقین ہے کہ اہل مغرب ایک نیا مصنوعی مذہب بنانے کے لئے بھی اپنی کوشش کو یکجا نہیں کر سکتے۔ ایسا مذہب چل نہیں سکے گا اس لئے کہ مذہب کے لئے ایک ایسی ہستی کا تصور ناگزیر ہے جو شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ صرف وحی و الہام پر ہی مذہب کی تعمیر ممکن ہے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے میں زیادہ پراُمید ہوں۔ نوجوان نسل آپس کے تعلقات کو عزیز رکھتی ہے اور بڑھاپے میں تنہائی اور مجرد زندگی کے تصور کے بارے میں بہت فکرمند ہے۔ فی الواقع یہ نوجوانوں کے لئے ایک اہم اثاثہ ہے کہ اسلام اپنے ساتھ خاندان، اُمت اور اخوت کے تصورات لاتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں مغربی مسیحیوں کے درمیان اپنے ہمسائے سے محبت کے تصور کے مقابلے میں اخوت کا رشتہ کہیں زیادہ حقیقی طور پر قائم ہے۔ اگر مغربی معاشروں کی جذباتی سردمہری ایک حقیقت ہے تو اسلامی امت کی محبت اور گرمجوشی ہم عصر مغربی بچوں کی ایک بنیادی ضرورت پورا کر سکتی ہے۔

کمپیوٹر دور کی دور بین فطرت، جنسی لحاظ سے مشتعل ماحول اور مغربی زندگی میں مقابلے کی وحشیانہ دوڑ جو اسکول سے ملازمت اور ملازمت سے جنسی تعلقات تک جاری رہتی ہے اور زیادہ سے زیادہ کے حصول کی تگ و دو نے ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے جس میں ہر عام امریکی کم از کم ایک بار نفسیاتی معالج سے مشورے پر مجبور ہے۔ ایسے لوگ اس بدیہی حقیقت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمانوں کی اکثریت اپنی ذات میں مطمئن ہے، نفسیاتی بوجھ سے بے نیاز ہے اور عجلت پسند نہیں۔ مختصر یہ کہ وہ اپنے اللہ کی رضا پر راضی اور اپنے ماحول اور اپنی ذات سے مطمئن لوگ ہیں۔ ان تمام اسباب کی بنا پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بہت سے لوگ جو اپنی روزمرہ زندگی کی بھاگ دوڑ سے تنگ آ چکے ہیں اسلام کے بارے میں زیادہ جاننے کی جانب مائل ہوں گے۔

اسلام کے امکانات

ا۔ اس سوال کا جواب کہ کیا لوگ اسلام کو دریافت کر سکیں گے یا نہیں؟ اس بات پر منحصر ہے کہ مسلمان اسلام کو درست طور پر پیش کرتے ہیں یا اس کی غلط ترجمانی کرنے لگتے ہیں۔ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی جنہیں چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔ سان فرانسکو کے جیفرے لینگ کی طرح بہت سے نومسلم صرف قرآن کریم پڑھ کر مسلمانوں کے حلقے میں شامل ہو گئے حالانکہ اس سے قبل ان کا مسلمانوں سے کوئی رابطہ نہیں تھا لیکن بحیثیت مجموعی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو داعی کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

۲۔ پہلے میں اس بات پر بحث کرنا چاہوں گا کہ مسلمانوں کو اشاعت اسلام کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ اس تجویز کو اس ایک جملے میں سمیٹا جا سکتا ہے "اسلام کو مغربی معاشرے اور تہذیب کی صحت مندی کے لئے ایک اہم علاج کے طور پر پیش کیجئے، ان

امراض کے مداوا کے طور پر جو مغرب کو ہلاک کرنے والے ہیں"۔ میں سمجھتا ہوں کہ پورے ادعا اور فعال انداز میں دعوت پیش کرنے کی ضرورت ہے، معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ دعوت کا انداز ایسا نہیں ہونا چاہئے جیسے کوئی چیز طلب کی جارہی ہے بلکہ ایسا ہونا چاہئے جو کسی کو کچھ پیش کرتے وقت اختیار کیا جاتا ہے اور دینے کے لئے ان باتوں کے علاوہ جن کا ذکر میں قبل ازیں کر چکا ہوں، ہمارے پاس بہت کچھ ہے:

(الف) مسلمانوں کا تصور الٰہ، بے مثل خدائے واحد کا تصور جو بیک وقت ہر کہیں موجود ہے لیکن سب سے ماورا ہے جسے حدود زمان و مکان میں مقید نہیں کیا جاسکتا، وہ واحد ہستی جو مطلق وجود رکھتی ہے، اللہ کا یہ واحد تصور ہے جو جدید تعلیم یافتہ انسان کو مطمئن کر سکتا ہے۔ توحید یعنی ہر قسم کی آلائش سے پاک یہ تصور کہ اللہ ایک ہے، ہمارا بڑا اثاثہ ہے۔

(ب) دُنیا کی کوئی تہذیب خاندان کا ڈھانچہ ٹوٹ جانے کے بعد دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ موجودہ دور میں بالفعل خاندان شدید حملے کی زد میں ہے اور ریاست بھی اس میں شامل ہے جو رشتہ ازدواج کے بغیر تعلقات کو فروغ دینے کے لئے ہر ممکن کام کر رہی ہے۔ طلاق کی شرح خوفناک حد تک بڑھ چکی ہے۔ بڑے بڑے شہروں میں آدھے گھر مجرد افراد چلا رہے ہیں جن میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو بچہ تو چاہتی ہیں، شوہر نہیں۔ بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد باپ کے بغیر پرورش پا رہی ہے۔ بہت سے بچے کس قدر عدم توازن کا شکار ہیں، اس کا اندازہ تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحان سے کیا جاسکتا ہے۔ ان کے دل میں بزرگوں اور خاندان کا احترام اتنا کم ہو چکا ہے کہ اب امریکہ میں ناپسندیدہ والدین سے نجات کے لئے بچے قانونی دعویٰ بھی کر سکتے ہیں۔

ظاہر ہے مسلمان خاندان گلوبلائزیشن اور اقتصادی مجبوریوں اور ٹیلی ویژن کے زیر اثر شدید دباؤ میں ہیں۔ تاہم عمومی طور پر مسلمان خاندان مضبوط تانے بانے میں منسلک ہیں اور عام مغربی گھرانوں کے مقابلے میں زیادہ تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے اس اثاثے کا تحفظ کرنا چاہئے۔

(ج) مغربی معاشرے کو اپنے وجود میں دوسرا بڑا خطرہ ہر قسم کی منشیات سے درپیش ہے، جن میں سگریٹ، شراب، کوکین، ایل ایس ڈی اور دوسری نشہ آور ادویہ شامل ہیں، بلکہ

وی اور انٹرنیٹ کو بھی ان میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ کسی مبالغے کے بغیر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نشہ مغربی معاشرے کے پورے وجود میں سرایت کر چکا ہے۔ بڑے صدمے کی بات ہے وہ لوگ جام، گولی اور خاص سگریٹ کے بغیر جی نہیں سکتے۔ ایسے لوگ بالفعل شرک کی ایک جدید قسم پر عمل پیرا ہیں۔ وہ خدا کے سوا کسی دوسری چیز کے غلام بن چکے ہیں اور اگر کہیں انہیں روزے کے قواعد کی پابندی کرنی پڑے تو یہ بات اور واضح ہو جائے گی۔ وہ ایسا نہیں کر سکیں گے، اس لئے کہ وہ اپنے وجود کے مالک نہیں رہے۔

مسلمان اس امر پر فخر کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں سنجیدہ فطرت ہیں۔ وہ ہر لمحہ مستعد اور چوکس رہتے ہیں اور کبھی مخمور نہیں ہوتے، نہ نشے کے زیر اثر مہلک حادثات کے قصوروار ہوتے ہیں، شاید ہی کوئی دوسری بات اتنی صراحت کے ساتھ یہ ثابت کر سکے گی کہ اسلام ایک متبادل طرز حیات ہے جو مغرب کو حالت نیم خوابیدگی میں تباہی سے بچا سکتا ہے۔

(د) تمام مغربی معاشروں کو اپنے اندر مختلف قسم کے گروہی تعصبات، نسل پرستی، شاؤنزم اور دوسرے مذاہب کے خلاف امتیازی سلوک جیسے خطرات لاحق ہیں۔ ان کی غلامی کی تاریخ کا آج بھی امریکہ میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ ماضی قریب تک جتنی جنگیں یورپ اور امریکہ میں لڑی گئیں وہ اسی قسم کے تعصبات کی وجہ سے برپا ہوئیں۔

اس پس منظر میں جب ذمہ دار مغربیوں کو معلوم ہوگا کہ اسلام نظری اور عملی دونوں اعتبار سے ایک ایسا مذہب ہے جس نے رنگ و نسل کے بجائے تقویٰ کو معیار بنا کر ہر انسان کو اُمت میں قبول کر کے اور خلوص دل سے دوسرے مذاہب کو برداشت کر کے نسل پرستی اور کثیر المذاہب معاشرے کے مسئلہ کو حل کر دیا ہے تو وہ اسے جنت گم گشتہ خیال کریں گے۔ جب میلکم ایکس کو معلوم ہوا کہ اُمت میں سب نسلیں شامل ہو سکتی ہیں تو اس کے لئے یہ ایک بڑا انکشاف تھا۔

آیئے ہم اس قدر کو عملی زندگی کا حصہ بناتے ہوئے اپنی صفوں میں رنگ، نسل، زبان اور اسی طرح کے دوسرے امتیازات کو مٹا ڈالیں اور اس سے بہترین فائدہ اُٹھائیں۔ امریکہ کے لاکھوں افریقی النسل لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ حضرت بلالؓ سیاہ فام تھے،

دوسرے لاکھوں لوگوں کو بھی انہی مقاصد کے تحت کیوں نہ ان کی پیروی پر آمادہ کیا جائے؟ بین المذاہب رواداری کا قرآنی منشور بھی اسی طرح مساوی افادیت کا حامل ہے۔ جسے قرآن میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ بنیادی رواداری جس پر عالمی مسیحی اتحاد کی تحریک سے پہلے ۱۴سو برس تک عمل کیا گیا، مغربی لوگوں کی نظر میں اس قدر غیر معمولی ہے کہ اس کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ہماری جانب سے اس بات کی نشاندہی کرنے کی ضرورت ہے کہ ترکوں کی حکمرانی کے دور میں ۵۰۰ برس تک یونان آرتھوڈکس رہا، لیکن سوال یہ ہے کہ ۸۰۰ برس تک اسپین میں بسنے والے مسلمان کہاں گئے؟۔

(ہ) نوجوان نسل اپنے آپ کو آزاد محسوس کرتی ہے اور اپنی آزادی برقرار رکھنا چاہتی ہے، وہ وراثت میں ملنے والی پیشوائی، پادریوں کی مذہبی رسوم، پراسرار عقائد اور ہر اس چیز سے نفرت کرتے ہیں جو انہیں چرچ کے اداروں کی یاد دلاتی ہے۔

ایسے لوگ اس وقت خوشگوار حیرت میں گم ہو جاتے ہیں، جب انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام چرچ، پوپ، رسوم اور تجسیم خداوندی، تثلیث، صلیب پر نجات اور ورثے میں ملنے والے گناہوں جیسے پریشان کن تصورات کو تسلیم نہیں کرتا، جب انہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ پابندیوں سے آزاد اہل ایمان کوئی اور نہیں تو وہ حیرت کا اظہار کرتے ہیں، ان کے لئے یہ باعث حیرت ہے کہ وہ کوئی درمیانی وسیلہ قبول نہیں کرتے، خواہ وہ پادریوں اور سینٹ کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو، وہ اپنی عبادات میں مکمل انفرادی حیثیت میں اللہ کے روبرو پیش ہوتے ہیں، وہ یقیناً اس خبر سے بھی متاثر ہوں گے کہ ہر مسلمان اپنے مرتبے سے قطع نظر امام کے فرائض انجام دینے کا اہل ہے۔

شاید آپ کو یہ بات سن کر حیرانی ہو کہ جنسی معاملات میں مسلمانوں کا ضابطہ آج کل بہت سے نوجوانوں کو مثبت طور پر متاثر کرتا ہے جو ''اقدار کی قدامت پسندی'' کے جدید نظریے کی جانب جھکاؤ رکھتے ہیں، متعدد مغربی خواتین جو گلیوں، بازاروں میں سامان جنس کے طور پر مردوں کا نشانہ بننے کو توہین آمیز سمجھتی ہیں، ان مسلمان عورتوں کی مداح ہیں جن کا لباس اور رکھ رکھاؤ واضح اشارہ دیتا ہے کہ وہ کوئی ارزاں جنس نہیں ہیں، فحش لٹریچر اور فلموں،

فیشن شو، حسن کے مقابلوں اور عریاں جنسی اشتہارات سے عورت کا استحصال کیا جا رہا ہے، اس صورت حال میں آزادیٔ نسواں کی حامی بہت سی مغربی عورتیں بھی اب سمجھنے لگی ہیں کہ ان کی مسلمان بہنیں بھی اسی مقصد یعنی عورت کے وقار کے لئے جدو جہد کر رہی ہیں اور وہ یہ کام زیادہ کامیابی سے انجام دے رہی ہیں۔

اسقاط حمل کے بارے میں مسلمانوں کے اس موقف کو کہ اس کی اجازت صرف اسی صورت میں دی جا سکتی ہے جب ماں کی زندگی خطر میں ہو "حامی حیات" مغربی حلقوں میں بڑی عزت کا مقام دیا جاتا ہے، یہ حلقے اس امر پر نالاں ہیں کہ کیتھولک بشپ بھی ہر طرح کی وجوہ کی بنیاد پر اسقاط حمل کی اجازت دینے لگے ہیں، یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام بچے کی زندگی کے حق میں واضح موقف کا حامل ہے۔

مغرب کی خاموش اکثریت ہم جنس پرستی کے خلاف بھی مسلمانوں کے موقف کا احترام کرتی ہے، یہ خاموش اکثریت مغرب کی نئی پالیسی کی مذمت کرتی ہے جس کے تحت ایک ہی جنس کے افراد کے درمیان تعلقات کو ایک طرز زندگی سمجھ کر قبول کر لیا گیا ہے، مغرب کے بہت سے دانشوروں کو خدشہ ہے کہ عوامی سطح پر ہم جنس پرستی کا مرتبہ بڑھانا، جس میں ہم جنسوں کی شادیاں بھی شامل ہیں، انحطاط اور زوال تہذیب کی علامت ہے، یہ لوگ اس بات پر شرم محسوس کرتے ہیں کہ سان فرانسسکو میں شہر کے دو حصے ہم جنس پرستوں پر مشتمل ہیں، اس میں کوئی تعجب نہیں کہ ایسے لوگ مسلم رویے کو پسند کرتے ہیں جس کے تحت بظاہر "پیدائشی" ہم جنس پرستوں کو قابل رحم سمجھا جاتا ہے جب کہ ہم جنس پرستی کو زندگی کا معمول تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔

مغرب میں بیک وقت دو انتہائی رویے نظر آتے ہیں، ایک جانب جنس سے مکمل اجتناب ہے تو دوسری جانب بے لگام جنسی آزادی، اسی لئے مغرب کے صاحب نظر لوگ مسلمانوں کے نقطہ نظر سے متاثر ہیں جو جنسی جبلت کی حقیقت اور آدمی کی ضروریات کے بارے میں زیادہ متوازن اور باوقار ہے، اسلام شادی کے تقدس کو عیسائیت کی رسمی سطح پر نہیں لے جاتا بلکہ عقل سلیم کے مطابق یہ سمجھتا ہے کہ یہ معاہدہ غیر مستقل بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ اسلام فریقین کے درمیان متاہل زندگی کو عبادت قرار دیتا ہے۔

(ز) اقتصادیات کے میدان میں بھی اسلام کو باعث رحمت سمجھا جا سکتا ہے، پہلی نظر میں ربا کی ممانعت بے معنی اور نا قابل عمل لگتی ہے، لیکن بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت نجی کاروبار کو جس پر سرمایہ داری کی عمارت تعمیر کی گئی ہے، تحفظ فراہم کر سکتی ہے۔ جب سرمایہ بیشتر نقصان سے محفوظ کاروبار میں صرف کیا جانے لگتا ہے تو اسلام نفع ونقصان کی بنیاد پر کاروبار پر زور دیتا ہے اور سرمائے کے جمود کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے۔

(ح) اسلام کے چند اور پہلو بھی مغربی لوگوں کیلئے کشش رکھتے ہیں جن میں صحت کے اعتبار سے رمضان کے روزے بھی شامل ہیں۔

لیکن آخری تجزیے میں یہ عوام مغرب اور مشرق کے درمیان سب سے زیادہ اہم اختلاف کی صورت میں سمٹ جاتے ہیں، یعنی زندگی کی کوالٹی، جس کے بارے میں مقدار اور معیار کے اعتبار سے دونوں کے رویے مختلف ہیں، مغرب واضح طور پر مقداری پہلو کو اس حد تک عزیز رکھتا ہے کہ جب تک کسی چیز کی مقدار یا اس کے شمار کا تعین نہ کیا جائے وہ اس کے نزدیک کسی قدر و قیمت کی حامل نہیں۔ فی الحقیقت مغرب میں ان مقدار سے انکار کا رجحان عام ہے جن کی مادّی مقدار (مادّی پہلو) کا تعین نہیں کیا جا سکتا اور وہ صرف رُوحانی سچائیاں ہیں۔

اسلامی دُنیا سمیت مشرق نئی نئی اشیائے صرف کے استعمال سے حاصل ہونے والی خوشیوں کی طرف راغب ہے، جو گلوبلائزیشن کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ رہی ہیں، لیکن ابھی اس خطے میں زندگی کی کوالٹی کے پہلوؤں کو مقداری پہلو کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلام زندگی کی کوالٹی کو جس میں سکون قلب، فرصت، غور و فکر، دوست داری اور مہمان نوازی شامل ہیں، خصوصی اہمیت دیتا ہے۔ یہ حقیقت مغرب کے بہت سے لوگوں کے لئے باعث توجہ ہونی چاہئے جو احمقانہ مادّیت سے خوفزدہ ہیں۔

راہ کی رکاوٹیں

۱۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا اسلام کو متعدد وجوہ کی بنا پر مغرب کی بیشتر کمزوریوں کے لئے تریاق سمجھا جا سکتا ہے اور سمجھا جانا چاہئے۔ چنانچہ اسلام ۲۱ویں صدی کی

رہنما آئیڈیالوجی بن سکتا ہے۔

لیکن بعض عوامل ایسے بھی ہیں جو مخالف سمت میں کام کر رہے ہیں، مسلمان ابھی تک کسی جگہ ایک حقیقی مسلم معاشی نظام قائم نہیں کر سکے، جمہوریت، انسانی حقوق اور عورتوں کے حقوق جیسے فیصلہ کن مسائل پر بھی مسلمانوں کی پوزیشن ابھی تک ابہام کا شکار ہے اور ان کے تعلیمی نظام کئی پہلوؤں سے اب تک دور وسطیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲۔ علاوہ ازیں اکثر مسلمانوں کا طرز عمل دعوت و تبلیغ کی کوششوں کو بے اثر کر دیتا ہے، مغرب میں آ کر بسنے والے بہت سے مسلمان، خصوصاً جو اَن پڑھ ہیں، اپنے عقیدے کو پیش کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، نتیجتاً وہ کمتر درجے کی بستیوں (GHETTOS) میں نسلی گروہوں کی صورت میں رہنے لگتے ہیں، اپنے وطن کی ثقافت اس کی خوراک، لباس، موسیقی، معاشرتی رسم و رواج اور زبان کے تحفظ کے لئے وہ اپنے قومی تصورات اور رسم و رواج کے مجموعے کو اسلام کے طور پر پیش کرنے لگتے ہیں۔

اس سے بھی بڑھ کر ان تارکین وطن کی اصل دلچسپی اپنے آبائی ملک سے ہوتی ہے جہاں وہ جلد سے جلد لوٹ جانا چاہتے ہیں۔ جرمنی میں آباد ایک ترک جو ترکی میں اسلام کا احیا چاہتا ہے بلاشبہ مہمان ملک میں دعوت کے کاموں کے لئے کسی کام کا نہیں رہتا۔

جہاں تک ان چند لوگوں کا تعلق ہے جو مغرب میں اشاعت اسلام کی کوششیں کر رہے ہیں اور اسے اتنا بے لچک، قانونی اور فقہی بنا ڈالتے ہیں کہ مغربی لوگ رُوحانیت کے عدم وجود سے چونک اُٹھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ظاہری شکل و صورت کو اصل پر فوقیت دی گئی ہے اور اکثر فروعی مسائل کو بنیادی اور مرکزی موضوعات کے برابر اہمیت دی جاتی ہے، ان وجوہ کی بنا پر مہمان مسلم کارکن اپنے مغربی پڑوسیوں پر مذہب کے حوالے سے بہت کم اثر انداز ہوتے ہیں۔

۳۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑا عامل جو اسلام کو غالب آنے سے روکتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان باآسانی حقائق سے منہ موڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ایک بیمار آدمی کو (اور مغرب بیمار ہے) نہ صرف یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ وہ بیمار ہے بلکہ اسے تجویز کردہ گولی میز پر رکھ دینے کے بجائے اسے نگلنا بھی چاہئے۔ بصیرت کی اہمیت اپنی جگہ لیکن یہ عمل متبادل نہیں

بن سکتی۔ جرمنی کے ایک صدر کے بقول ہمارا ''مسئلہ علم کا نہیں اطلاق کا ہے''۔

قرآن میں ان قدیم اقوام کی کہانیاں بکثرت بیان کی گئی ہیں جنہوں نے نوشتۂ دیوار پڑھنے سے انکار کر دیا اور تنبیہات پر کان نہ دھرا، حتیٰ کہ ان کی تہذیب المناک انجام کو پہنچ گئی۔ عین ممکن ہے کہ ہمعصر مغربی دُنیا بھی تباہی تک پہنچنے سے قبل اپنا راستہ تبدیل کرنے اور اسلامی طرزِ زندگی اختیار کرنے کا حوصلہ اور عزم پیدا نہ کر سکے، اگر ایسا ہوا تو حال ہی میں کمیونزم پر فتح پانے کے بعد مغرب پر بھی خود فراموشی کی ایک ایسی کیفیت طاری ہو جائے گی جس کا انجام ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ مغربی دُنیا اپنے اندرونی تضادات کا شکار ہے اور ان تضادات میں سب سے زیادہ مہلک یہ ہے کہ انسان کو دیوتا بنا لیا گیا ہے۔

ہلاکت، مغرب کا ناگزیر انجام ہے، اگر مغربی دُنیا اس انجام سے بچنا چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ از سرِ نو وجود باری تعالیٰ کی مقدس اور الہامی حقیقت کو تسلیم کرے اور قرآنی اقدار اور احکامِ الٰہی کے مطابق جنہیں اللہ کے آخری نبی کی سنت سے مستحکم کر دیا گیا ہے زندگی بسر کرنا شروع کر دے'' واللہ اعلم۔(۱)

ایک اندازہ کے مطابق اس وقت امریکہ میں آباد مسلمانوں میں سے چالیس فیصدی نومسلم ہیں، ان میں سے بعض وہ ہیں جنہیں اپنے نسلی ورثہ کی گمشدگی کڑیوں کو جوڑنے کی فکر نے اسلام سے قریب کر دیا، تو کچھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے سبب مسلمان ہوئے۔ ایک بڑی تعداد عیسائی عقائد کے تضاد اور اس کے غیر فطری ہونے کے سبب عیسائیت سے متنفر اور اسلام سے قریب ہوئی۔ رسالہ یو۔ایس۔ اے ٹوڈے (U.S.A. TODAY) نے قبولِ اسلام کے اس عمل کو ایک ایسے طوفان سے تعبیر کیا ہے جس نے امریکیوں کے ذہن و دماغ میں ایک عالمگیر دین میں جلد از جلد شامل ہونے اور اس کے فرد بننے کی طوفانی خواہش پیدا کر دی ہے، لیکن مغربی ممالک میں اسلام کسی تحریک یا پروپیگنڈہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ایک عوامی پکار کے ذریعہ داخل ہو رہا ہے۔ یہودی اور عیسائی تنظیمیں اس پکار سے خائف بھی ہیں اور اس کے پھیلتے ہوئے اثرات کا اعتراف بھی کرتی ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو ماہنامہ ترجمان القرآن۔ شمارہ جون ۲۰۰۰ء۔ لاہور۔

یہ پکار ایک مجبوری کا نتیجہ ہے جو خود راستہ کھولتی جا رہی ہے، جو اخلاقی بحران مغربی قوموں کو پیش ہے اس کا حل تلاش کرتے کرتے قومیں تھک چکی ہیں۔ خلیجی جنگ کے بعد امریکی صدر بش نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ "اگرچہ یہ عظیم جنگ انہوں نے جیت لی ہے مگر انسداد منشیات کے معاملہ میں وہ جنگ ہار چکے ہیں" (۱) لیکن امریکی مسلمانوں نے اس سلسلہ میں جو خدمت انجام دی ہے اس سے اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔" یہ حقیقت ہے کہ امریکہ میں نہیں تمام مغربی ملکوں میں بسنے والے مسلمان من حیث الملت منشیات سے بچتے ہیں اور حلال وحرام کا فرق قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اس بنا پر یورپ وامریکہ کے بازاروں میں ہر جگہ حرام وحلال کی مفصل فہرست آویزاں ملے گی۔

مغربی ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے کردار کا درخشاں پہلو خواہشاتِ نفسانی اور بے حیائی سے احتیاط ہے۔ امریکی عوام میں جنسی بے حیائی اس طرح عروج پر ہے کہ خود ایک امریکی مفکر کے قلم سے ایک کتاب نکلی ہے جس کا نام اس نے جل کر کنڈوم نیشن (CONDOOM NATION) رکھا ہے۔

۱۹۹۵ء میں ایک کانفرنس عالمی ادارہ صحت کی طرف سے ہوئی تھی۔ اس میں اسقاطِ حمل کو قانونی درجہ دینے کا منصوبہ تھا، لیکن امریکی کرسچین ایسوسی ایشن نے جم کر مخالفت کی، جبکہ عرب ممالک اور پاکستان نے صرف خاموشی اختیار کی (۲) نتیجہ یہ ہوا کہ کانفرنس کو اپنا موقف بدلنا پڑا اور یہ سفارش کرنی پڑی کہ اگر وہ چاہیں تو اسقاطِ حمل کو قانونی حیثیت دے سکتے ہیں۔ امریکی عوام کو فحاشی کے اس سیلاب بلاخیز سے عاجز اور اخباروں کے ذریعہ اپنی ناخوشی اور بے بسی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ حساس امریکی لوگ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اسلامی مراکز پر اسلام لانے والوں کا نظارہ اکثر پیش آتا ہے، بعض اوقات ایسے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی مرکز پر نظر آتی ہیں جن کا مقصد اسلامی زندگی کا جائزہ لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ نماز باجماعت سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ بعض نئے امریکی مسلمان اپنے کردار سے بہت جلد قومی ہیرو بن جاتے ہیں، مثلاً باسکٹ بال کے چمپئن حکیم علاجیوان مائنک ٹائسن عبدالعزیز اور برطانوی مغنی یوسف اسلام وغیرہ۔

---

(۱) زیادہ صحیح الفاظ میں زندگی کے تمام میدانوں میں شکست فاش کھا چکے ہیں لیکن "شرم ہم کو مگر نہیں آتی"۔
(۲) غالباً امریکہ کے خوف یا فتنۂ مغلست کے الزام سے بچنے کیلئے۔

یہودی دماغ اور عیسائی وسائل کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں عالمی سطح پر انسانی معاشرہ کو جو غیر معمولی اور بھیانک نقصانات ہو رہے ہیں اور جس طرح شیطان نے میڈیا کو اپنا ترجمان بنالیا ہے اس کے سنگین اور دور رس اثرات کا تصور کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ایک مسلمان کی آنکھوں کی نیند اُڑ جاتی ہے، اور وہ ظهر الفساد في البر والبحر کا منظر دیکھ کر بے چین ہوجاتا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا بھی وہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ارحم الراحمین ہی نے اس دُنیا کو اب تک کسی بڑی تباہی سے بچا رکھا ہے ورنہ ابلیسی نظام نے قرآنی تعبیر میں ایسی زبردست تدابیر اختیار کی ہیں کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے کھسک جائیں۔ ومكروا مكرهم وعند الله مكرهم، وان كان مكرهم لتزول منه الجبال۔

استعماری طاقتوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایک سو سال سے زائد مدت تک خاکستر کرنے پر اپنے سارے وسائل جھونک دیئے، ہزاروں علماء اور نوجوانوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا، منظم طور پر نسل کشی کے ساتھ ساتھ تعلیم کے تیزاب میں مسلمانوں کی خودی کو ڈال کر پگھلانے کی زبردست جدوجہد کی، اسلامی دنیا کی آزادی کے بعد بھی دونوں مقاصد حکمراں طبقے نے اپنا لئے، عالم اسلام کی سطح پر رکھیں تو استعماری طاقتوں نے اپنے سارے وسائل مسلمانوں کی نسل کشی اور ان کی ذہنی، اقتصادی اور تہذیبی ارتداد پر مرکوز کردی پھر ان کے جانے کے بعد ان کے جانشینوں نے ان دونوں مذموم مقاصد کی تنفیذ ہی کو اپنا محور قرار دیا اور اب مسلم ممالک کے حکمراں مغربی ملکوں کے تعاون سے مسلمانوں کو ان کے تشخص وامتیاز اور اسلامی شناخت سے محروم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اسلام کے نام ہی سے دونوں کو زبردست الرجی ہے، دُنیا میں جہاں کہیں اسلام کی روشنی نظر آتی یا دین واخلاق کے سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں، یہ دونوں طاقتیں ان کے اُوپر زبردست بندھ باندھ دیتی ہیں اور اپنے سارے وسائل اس کے خلاف لگادیتی ہیں تا کہ کہیں سے بھی روشنی نہ آنے پائے اور ہر طرف گھٹاٹوپ اندھیرے کا راج ہو، افغانستان، بوسنیا، کشمیر اور چیچنیا کے انسانوں کے ساتھ صرف اس لئے ظلم ووحشت اور درندگی کے کھیل کھیلے گئے کہ وہ مسلمان تھے لیکن اس عالمگیر فساد اور ظلمات بعضہا فوق بعض میں بھی نور کی کرنیں اللہ تعالیٰ

دکھاتا ہے، تاریکیوں سے روشنی کی طرف اللہ تعالیٰ ہی لے جاتا ہے، انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء کا قرآنی مظاہرہ ہرسرزمین پر ہوتا رہتا ہے، گھٹاٹوپ اندھیرے اور طوفانی ہواؤں میں بھی ایمانی قندیلیں روشن ہوتی رہتی ہیں اور واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون کے مناظر ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ ہزاروں مثالوں میں سے چند پیش کی جارہی ہیں یہ یقین دلانے کے لئے کہ ہرسحرخون صد ہزار انجم سے پیدا ہوتی ہے اور ہر تاتاری یورش کے بعد کعبہ کو نئے نئے پاسبان مل جاتے ہیں۔

- ایک امریکی شہر میں تبلیغی جماعت باہر سے آئی تھی، دو کاروں میں ایئرپورٹ سے تبلیغی مرکز، یہ جماعت روانہ ہوگئی، ایک کار پیچھے رہ گئی، دوسری کار آگے بڑھ گئی، پیچھے رہنے والی کار راستہ بھٹک گئی، مغرب کی نماز کے لئے وقت تنگ ہونے لگا تو ایک میدان میں گاڑی روک کر یہ جماعت نماز ادا کرنے لگی، وہاں موجود کچھ امریکی نوجوان کھیل چھوڑ کر اس عجیب وغریب جماعت کو دیکھنے لگے۔ انکی حرکات وسکنات اور رکوع وسجود انہیں عجیب سے لگے۔ بعد میں استفسار کیا کہ آپ لوگ کیا کر رہے تھے؟ جماعت والوں نے اسلام کا تعارف سادہ انداز میں کرایا۔ پندرہ بیس منٹ کی اس گفتگو کے بعد تین نوجوانوں نے اسلام قبول کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ قریبی ہوٹل جاکر انہوں نے غسل کیا، نئے کپڑے بدلے اور اسلام قبول کرلیا، جیسے ہی یہ کام ختم ہوا دوسری کار کے لوگ جماعت کی تلاش کرتے ہوئے آگئے۔ اس طرح یہ قافلہ جب اپنے مرکز پہنچا تو دو تین نومسلموں کا اضافہ ہو چکا تھا۔
- مانٹریال (کناڈا) کی ایک پچیس سالہ راہبہ جس نے اپنی زندگی کا مقصد نصرانیت کی تبلیغ قرار دے رکھا تھا، دعوتی مقصد سے ایک عرب نوجوان کے گھر جاتی ہے تاکہ مسیحیت کی تبلیغ کر سکے، وہ نوجوان تھوڑی سی مہلت لیتے ہیں، پھر اہتمام سے وضو کر کے خوشبو لگا کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگتے ہیں۔ وہ خاتون اس اہتمام کو نوٹ کرتی ہے اور تلاوت کے وقت کی کیفیت کو محسوس کرتی ہے، ان کی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسو، پرسوز لہجہ اور پرشکوہ الفاظ سنتی ہے، اُسے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نئی دُنیا میں ہو اور اس کے سامنے فرشتہ آسمانی کلام سنا رہا ہو۔ وہ مبلغہ اس رُوحانی

ماحول سے مرعوب ہو جاتی ہے۔ جب وہ نوجوان تلاوت سے فارغ ہوتے ہیں تو یہ مسیحی مبلغہ جو ایک مسلمان نوجوان کا شکار کرنے آئی تھی خود اسلام کا شکار ہو جاتی ہے۔

- ایک لندنی خاتون کو ردی کی ٹوکری میں ایک کاغذ ملتا ہے جس پر قرآن کی چند آیت درج ہیں، اُن کا ترجمہ بھی ہے، وہ ان آیات کو پڑھتی ہے، اس کی جستجو اور طلب بڑھ جاتی ہے، وہ پتہ چلاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو قرآن مجید ہے۔ دوسرے ہی دن وہ اسلام کے آغوش میں پہنچ جاتی ہے۔
- گناہوں کے دلدل میں پھنسی ایک رقاصہ پیرس کی شاہراہ پر ایک عرب خاتون کو سر سے پاؤں تک لباس میں دیکھتی ہے۔ سوال کرتی ہے کہ آپ تو مقدس مریم کی رُوح لگتی ہیں۔ آپ کون ہیں؟ وہ اپنے کو مسلمان بتاتی ہے اور کہتی ہے کہ اسلام ہی نے ہم کو یہ لباس عطا کیا ہے۔ وہ رقاصہ رنگ وروغن اور فیشن سے بے پروا معصوم ودلکش اور مقدس صورت سے مرعوب ہو جاتی ہے۔ آنکھوں میں نمی آجاتی ہے، وہ بے اختیار اس عرب خاتون کے پیچھے چلنے لگتی ہے، اس کی قیام گاہ پر جاتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رُونے لگتی ہے کہ ہمارے معاشرہ نے عورتوں کو جتنا ذلیل ورُسوا کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کلمہ پڑھتی ہے اور بیت اللہ کا رُخ کرتی ہے اور وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے۔
- وہ پیرس کا مشہور سرجن ہے، اس کے مریضوں میں الجزائر کی ایک بزرگ خاتون ہیں جن کا جسم زخموں سے چور ہے، لیکن کوئی خیریت دریافت کرتا ہے تو وہ بڑے سکون واطمینان اور مسرت کے ساتھ الحمدللہ کہتی ہے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک عجیب چمک ظاہر ہوتی ہے۔ شدید تکلیف کے باوجود آہ اور کراہ نہیں کرتی اور نہ ہی مایوسی ظاہر کرتی ہے۔ فرانسیسی سرجن حیرت سے اس مریضہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہیں، پہاڑ سے زیادہ وہ ثابت قدم ہے، وہ یہ بھی نوٹ کرتا ہے کہ شدید تکلیف کے باوجود یہ ضعیفہ اشاروں ہی اشاروں میں ہاتھ باندھتی اور کچھ زیر لب پڑھتی جاتی ہے، ایسے عالم میں اس پر عجیب نورانی کیفیت ہوتی ہے، آخر اس سرجن سے رہا نہیں جاتا، وہ اس کوہ پیکر انسان سے اس اطمینان وسکون

کی وجہ دریافت کرتا ہے، الحمدللہ کے معنی کے بارے میں معلوم کرتا ہے، دوسرے ہی دن بغیر کسی سرجری کے دل و دماغ میں ایمان داخل ہو جاتا ہے۔

- یہ ایک کیمرہ مین ہے، بین الاقوامی شہرت کے حامل رسالہ ''ٹائم'' میں کام کرتا ہے، امریکیوں کے قومی ہیرو جارج واشنگٹن کا پرپوتا ہے، مسلمانوں خصوصاً عربوں کے خلاف نفرت اس کے دل و دماغ میں مغربی میڈیا نے بھر دی ہے۔ وہ اپنے پیشے سے مجبور ہو کر لبنان جاتا ہے، افغانستان جاتا ہے تا کہ وہاں کے جنگی مناظر کی تصاویر اپنے رسالہ کو بھیج سکے۔ وہاں مسلمانوں سے ملاقاتیں ہوتی ہیں، اس کے تصورات کے شیشے چکنا چور ہو جاتے ہیں، مغربی پروپیگنڈہ کی حقیقت عریاں ہو جاتی ہے۔ وہ بوسنیا جاتا ہے وہاں دیکھتا ہے اس کے ہم مذہب امریکی چودھری کی نگرانی اور اقوام متحدہ کے پرچم تلے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا رہے ہیں، ضعیف و ناتواں مسلمان بچیوں اور عصمت مآب خواتین سے زیورِ عصمت اُتاری جا رہی ہے، یہ خوفناک مناظر دیکھ کر مسیحیت سے نفرت ہونے لگتی ہے، وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگتا ہے، خود سے یہ سوال کرتا ہے کہ کیا ان نہتے انسانوں پر مسلمان ہونے کی بنا پر دنیا ظلم کر رہی ہے، وہ ایک مسلم دوست کی تدفین میں شرکت کے لئے جاتا ہے تو وہاں مختلف ملکوں کے مسلمانوں کو دیکھتا ہے جو صرف اسلامی اخوت کے رشتہ کی وجہ سے تدفین کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ وہ یہ منظر دیکھ کر بے قابو ہو جاتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو دُنیا کے تمام امراض کا علاج کر سکتا ہے۔ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔
- یہ دیکھئے اسلام کا ایک دیوانہ ہے جو اپنے وطن رُوس سے اسلام کی راہ میں بے وطن کیا گیا ہے۔ بیوی بچوں سے محروم ہوا۔ ان پر غم کرنے اور ان کا مرثیہ کہنے کے بجائے اس نے تسکین قلب کا سامان اس طرح فراہم کیا ہے کہ جاپان جیسے صنعتی شہنشاہ کو اسلام کے پرچم تلے لانے پر تُل گیا ہے۔ اس کا مشغلہ صرف یہ ہے کہ وہ ٹوٹی پھوٹی جاپانی زبان میں اپنے ملاقاتیوں سے کلمہ طیبہ پڑھنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ان کا ایک اسلامی نام رکھ دیتا ہے، وہ اپنے مخاطب سے یہ نہیں کہتا کہ آپ اسلام قبول کر لیجئے، وہ

صرف یہ کہتا ہے کہ جاپانی بہترین قوم ہیں، ہم جس طرح یہ جملہ ادا کریں آپ بھی اس طرح ان الفاظ کو ادا کریں، مخاطب سادگی سے ان جملوں کو سوچے سمجھے بغیر ادا کر دیتا ہے، لیکن اسے نہیں معلوم کہ ان الفاظ میں کیسی نورانیت ہے، چند دنوں کے بعد کلمہ طیبہ کی نورانیت قلب کو منور کر دیتی ہے اور وہ اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ٹوکیو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ان سے اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے گئے تو اسلام قبول کر کے واپس ہوئے۔ دوسرے دن انھوں نے اس روسی مبلغ کو اپنی یونیورسٹی میں اسلام پر لیکچر دینے کیلئے مدعو کیا، وہاں پندرہ پروفیسر موجود تھے، وہ ان سے کہتا ہے کہ آپ ان الفاظ کو ایسا ہی دُہرائیے جس طرح ہم کہہ رہے ہیں۔ تین چار بار یہ عمل کرایا جاتا ہے، پھر ہر ایک کا ایک اسلامی نام رکھ دیا جاتا ہے۔ لیجئے کام ختم۔ لیکچر مکمل ہو گیا، یہ ایک دن کی کمائی ہے۔

❁ جاپان کے ایک شاہی خاندان کا ایک ذمہ دار شخص اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ تفریحی مقصد سے ٹوکیو سے باہر قومی شاہراہ پر جا رہا ہے، ایک خوبصورت چشمہ کے پاس تھوڑی دیر کے لئے یہ شاہی قافلہ رُکا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ سفید لباس میں ملبوس اُٹھ بیٹھ رہے ہیں، ان کی پیشانی پر عجیب وغریب چمک ہے، ایک شخص سب سے آگے ہے، باقی آدمی اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ یہ عجیب وغریب منظر تھا اس کے لئے۔ یہ ایک تبلیغی جماعت تھی جو نماز کے لئے راستہ میں ٹھہر گئی تھی۔ ترجمان کے ذریعہ بات چیت ہوتی ہے، سادہ گفتگو، بے تکلف اور مخلصانہ دعوت نے اس کو اسیر کر لیا اور کعبہ کو ایک نیا پاسباں جاپان کے بت خانے سے مل گیا۔(۱)

❁ ڈینیل ٹیس اور کیرٹس اپنے کروڑ پتی خاندانوں کے اکلوتے فرزند ہیں۔ ایک کی عمر بارہ، دوسرے کی تیرہ سال ہے، لیکن دونوں جرائم کی دُنیا میں بڑے بڑے شاطر اور گھاک مجرموں اور پیشہ ور قاتلوں کے بھی کان کاٹتے ہیں، ان کے خوشحال والدین نے لاکھوں ڈالر اپنے فرزند پر خرچ کر دیئے کہ وہ سدھر جائیں، ماہر نفسیات اور

---

(۱) جاپانی بدھ مت کے پیرو ہیں۔ بدھ ہی سے بت نکلا ہے۔ ۱۹۹۷ء کی رپورٹ کے مطابق روزانہ ایک سو جاپانیوں کے قبولِ اسلام کا تناسب ہے۔ ٹوکیو کا اسلامی سینٹر ایک اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کے بارے میں منصوبہ بنا رہا ہے۔

ماہرین تعلیم اور چوٹی کے مسیحی مبلغوں سے بھی انہوں نے مدد لی کہ وہ سنبھل جائیں لیکن بے سود۔ کسی نے ایک اسلامی مدرسہ کی نشاندہی کی۔ غرض مند مجنوں ہوتا ہے۔ والدین نے مجبور ہو کر اس اسلامی مدرسہ سے رُجوع کیا اور اپنے اپنے بچوں کا سارا کچا چٹھا مدرسہ کے مربی عبدالباقی کے سامنے رکھ دیا۔ اور پچاس پچاس ہزار ڈالر بھی۔ یہ ڈالر تو عبدالباقی نے واپس کر دیئے، البتہ دونوں لڑکوں کو رکھ لیا۔ پہلے ہی دن اس مدرسہ کے لڑکوں کے ساتھ مار پیٹ کے گیارہ واقعات پیش آئے۔ باوجودیکہ دونوں لڑکوں نے کسی بھی حکم کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا تھا۔ لیکن عبدالباقی مایوس نہیں ہوئے، انہوں نے شفقت و محبت کا ایسا معاملہ کیا کہ تیسرے ہی دن یہ لوہا موم ہو گیا۔ چوتھے دن نمازوں میں شریک ہونے لگا، اور ایک ماہ میں پانچ پارے قرآن مجید یاد کر کے سنا دیا۔ تین ماہ کے بعد دونوں کروڑ پتی خاندانوں نے اسلام کے مدرسہ میں یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے داخلہ لے لیا کہ جس مذہب نے ہمارے بچوں کو انسان بنایا ہم بھی اس کو قبول کرتے ہیں۔

استاذ عبدالباقی بتاتے ہیں کہ صرف دو سال کے مدت میں سولہ مسیحی خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا کہ ان کے فرزندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عبدالباقی کے بقول امریکہ میں قائم اسلامی مدارس دعوت کے میدان میں ایسا کام کر رہے ہیں جس کے دوررس اثرات ہوں گے۔ امریکی بچوں کے سرپرستوں نے بڑی صفائی سے امریکی نظام تعلیم وتربیت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ہم ان اسلامی مدارس کی قدر کرتے ہیں جہاں انسانوں کو نئے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے۔ انہیں جنسیات کی تعلیم نہیں دی جاتی اور نہ ہی انہیں جرائم سکھائے جاتے ہیں۔ عبدالباقی کی رپورٹ کے مطابق امریکی معاشرہ میں اخلاقی فساد کے عام ہونے کے باوجود اب بھی ایسے خاندان اور افراد موجود ہیں جو شراب و شباب کے قریب نہیں جاتے۔ جن کی رُوحیں بے چین اور مضطرب قلب سکون کے متلاشی ہیں۔ ٹی وی پر رُوحانی پروگراموں کی غیر معمولی مقبولیت نے مغربی معاشرہ کے اخلاص کو پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں کر دیا ہے، اسلام سے بغض و کراہیت کے سوتے اب خشک ہونے لگے ہیں۔ اب مسیحی خاندان اپنے مسخ

شدہ مذہب اور کلیسا کی کمزور گرفت سے بھی آزاد ہو کر اسلام کے قریب آ رہے ہیں۔ اسلامی مدارس جو اصلاً مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لئے قائم کئے گئے ہیں وہ اسلامی دعوت غیر مسلموں میں پھیلانے کا ذریعہ بن رہے ہیں۔(۱)

❁ ان سطور کا راقم قیام قاہرہ کے زمانہ میں (۱۹۷۵ء تا ۱۹۸۲ء) ایک گمنام داعی الی اللہ انجینئر محمد توفیق کی دعوتی سرگرمیوں کا تذکرہ کئی بار سن چکا تھا، مصر کے ساحلی شہر اسکندریہ صرف اس مقصد سے جانا ہوا کہ اللہ کے اس بندے کو دیکھا جائے جو گھر بیٹھے ہوئے ہزاروں میل دُور جیل میں محبوس مجرموں کو اسلام کے دائرے میں لانے میں بڑی خاموشی سے مشغول ہے۔ انجینئر صاحب نے بتایا کہ وہ امام حسن البنا کے فیض یافتہ ہیں۔ مزید تعلیم کے لئے امریکہ گئے تو دعوتی جذبہ موجزن تھا۔ امریکی معاشرہ کے مختلف طبقات سے ملنے سے اندازہ ہوا کہ اسلام کے چشمہ حیوان کی تلاش میں بہت سے آہوان صحرا سرگرداں ہیں۔ کوئی ان کو سوئے حرم لے جانے والا نہیں۔ امریکی جیلوں میں دعوتی مقاصد سے جانا ہوا، تھوڑی سی محنت کے بڑے حوصلہ افزا نتائج نکلے۔ ہم نے امریکہ کے زمانہ قیام میں مختلف جیلوں میں کام شروع کر دیا تھا۔ مصر واپسی کے بعد ان سے خط وکتابت جاری رہی۔ ہم نے مراسلاتی کورس کے ذریعہ قیدیوں کی ذہنی تربیت کا کام جاری رکھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دو تین ماہ کے اندر ہی یہ قیدی اسلام قبول کر لیتے، اسلام قبول کرنے والے ہمیں نئے قیدیوں کے نام اور ان کے جرائم کی نوعیت اور سزا کے بارے میں تفصیلی معلومات ارسال کرنے اور خود بھی داعی کا کردار ادا کرنے لگتے۔ اکثر جیل کے نگراں ہم کو مطلع کرتے اور مدد کی درخواست کرتے خصوصاً ان مجرموں کے بارے میں جو جیل کے نظام کے لئے مسئلہ بن جاتے، ہم ایسے تمام قیدیوں کو بڑی حکمت سے ذاتی خطوط لکھتے اور اسلام کا تعارف کراتے، مزید کتابوں کا مطالبہ کرتے تو بجائے کتاب بھیجنے کے خطوط ہی کے ذریعہ ان کی ذہنی تربیت کرتے۔ جب جیل کے حکام ان قیدیوں کو نیک چلنی کی وجہ سے رہا کرتے تو ہم امریکہ میں مقیم اپنے دوستوں کو ان نو مسلموں کے بارے میں مطلع کر کے ان سے ان

---

(۱) ہمارے ملک میں بعض مقامات پر ایسے مدارس میں غیر مسلم بچوں کے داخلہ سے بڑے حوصلہ افزا نتائج نکل رہے ہیں۔

کی سرپرستی کی درخواست کرتے۔ انجینئر صاحب نے بہت اصرار کے بعد بتایا کہ اب تک ڈیڑھ لاکھ قیدی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں۔ انجینئر صاحب نے تاکید کی کہ اس واقعہ کو شائع نہ کریں، ان کی زندگی تک تو ہم نے ان کے حکم کی تعمیل کی، دو سال قبل ان کی وفات ہو چکی ہے۔ جون ۱۹۷۹ء میں ہماری یہ گفتگو ہوئی تھی۔ باوثوق ذرائع کے مطابق انجینئر صاحب کی وفات تک امریکی جیلوں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دو لاکھ بیس ہزار ہو چکی تھی، دوسرے ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ امریکی جیل کے متعلق ایک سرکاری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ بیس سال کے اندر پانچ لاکھ قیدیوں کے حالات میں سدھار ہونے کے بعد انھیں معافی دیدی گئی اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے ان کو مالی مدد فراہم کی گئی۔ اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قیدیوں کی اصلاح کے لئے مسلمان عالموں کی جدوجہد سے بہت سے مسائل حل ہو گئے، اس لئے انتظامیہ انہیں مزید سہولتیں فراہم کرنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ (۱)

❁ آپ کیوں اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کس ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کا دین و مذہب کیا ہے؟ میرا نام مائیک ہے۔ فلپائن میرا وطن ہے۔ عیسائیت میرا دین ہے۔ میرا نام رام چندر ہے۔ میں ہندو ہوں۔ جنوبی ہند سے تعلق رکھتا ہوں۔ میری تعلیم ایم۔ اے تک ہے۔ سال بھر سے آپ کے ملک میں رہتا ہوں۔ مجھ کو آپ کی نماز بہت بھلی لگتی ہے۔ رمضان کے زمانہ میں سب لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ حالانکہ دس بارہ ملکوں کے مسلمان آپ کے فرم میں کام کرتے ہیں۔ آپ کے یہاں جتنے مسلمان کام کرتے ہیں اگرچہ ان کی زبان الگ الگ ہیں لیکن وہ سب ایک دوسرے کے حقیقی بھائی لگتے ہیں۔ مگر ہمارے ہم مذہب آپس میں مل جل کر نہیں

---

(۱) انجینئر توفیق کی طرح اللہ کے بہت سے گمنام بندے فرانس، برطانیہ اور دوسرے یورپی ملکوں میں اس مبارک کام میں بغیر کسی پروپیگنڈے کے مشغول ہیں۔ ہندوستان میں بھی یہ کام ہو رہا ہے مگر انتہائی محدود پیمانے پر، کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی نظر ثانی کر رہے تھے کہ عزیز شاگرد مولوی محمد ایوب ندوی گجراتی کا مفصل خط امریکہ سے ملا جس سے یہ معلوم کر کے قلبی مسرت ہوئی کہ دس سال سے وہ امریکی ریاست اوہایو کی جیلوں میں جمعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں۔ امریکی حکومت نے ان کو مذہبی مبلغ وواعظ کا درجہ دے رکھا ہے، ہر ماہ ۴۔۵ قیدیوں کے اسلام قبول کرنے کا اوسط ہے۔

بیٹھتے، ان کے درمیان مساوات نہیں۔ ایسے سوالات جوابات ہر ہفتہ جدہ، کویت، دبئی اور ریاض کے اسلامی مراکز پر اسلام قبول کرنے والوں کے درمیان ہوا کرتے ہیں۔ اگر آپ فجر بعد جدہ ریڈیو کا عربی پروگرام سنیں تو ہر ہفتہ آٹھ دس اسلام قبول کرنے والوں کے انٹرویو آپ سن سکتے ہیں۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے کی کوشش ظاہر کرتے ہیں پہلے انہیں اسلام سے متعلق مکمل معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔ قبولِ اسلام کے بعد بنیادی فرائض سے ان کو واقف کرایا جاتا ہے اور متوقع آزمائشوں سے بھی ان کو متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ جب وہ اسلام کے متعلق ہر طرح اطمینان کر لیتے ہیں انہیں کلمہ کی تلقین کی جاتی ہے اور ان سے دستاویز پر دستخط لئے جاتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں...... اس طرح کے قصے بکثرت سعودی عرب، کویت، عرب امارات اور قطر کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا اور تھائی لینڈ میں پیش آ رہے ہیں۔ ملیشیا میں مقیم چینیوں اور ہندوؤں کے درمیان اسلام قبول کرنے والوں کا تناسب تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے۔

یورپ وامریکہ کے معاشرہ میں اسلام کس طرح اپنی جگہ بنا رہا ہے اور کن دروازوں سے وہ داخل ہو رہا ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے امریکی روزنامہ لاس انجلو ٹائمس اپنی ایک سروے رپورٹ میں لکھتا ہے کہ شمالی امریکہ میں دین اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اخبار کے مطابق امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد اسّی لاکھ تک بتائی جاتی ہے، لیکن اخبار کے مطابق یہ اندازہ سائنٹفک سروے پر مبنی نہیں ہے۔ اخبار کے سروے میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد پانچ لاکھ بیان کی گئی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ یہ تعداد صرف ان مسلمانوں کی ہے جو امریکہ کی مسجدوں میں پابندی سے نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔

سروے کرنے والوں نے امریکہ کی ایک ہزار چھیالیس مسجدوں کے منتظمین سے معلوم کیا کہ ان کی مساجد میں پابندی کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے والوں کی تعداد کیا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ ایسے مسلمانوں کی تعداد فی مسجد ۴۶۵ ہے۔ جبکہ سروے ہی میں یہ بات کہی گئی ہے کہ مسلمانوں کی مجموعی تعداد کا دس فیصدی حصہ پابندی سے مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی کل تعداد پچاس لاکھ سے کم نہیں، لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ جو نوے فیصدی مسلمان مسجدوں میں پابندی سے نماز کے لئے نہیں

جاتے وہ نماز سے بالکل محروم ہیں۔ چنانچہ بہت سے مسلمان یا تو گھروں میں نماز پڑھ لیتے ہیں یا محلہ کی مختلف نماز گاہوں میں نماز باجماعت ادا کر لیتے ہیں۔ اخبار کا کہنا ہے کہ امریکہ میں ہر سال کم از کم سوا لاکھ مسلمانوں کا اضافہ ہو رہا ہے جن میں نومسلموں کی تعداد بھی کم نہیں۔

لندن کے مشہور اخبار لندن ٹائمس نے ۹ رنومبر ۱۹۹۳ء میں ایک رپورٹ شائع کی تھی جس کی ایک سرخی یہ تھی کہ مغربی میڈیا کی معاندانہ روش کے باوجود اسلام مغربی دلوں کو فتح کر رہا ہے۔ اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ جس بھاری تعداد میں برطانوی باشندے آجکل اسلام قبول کر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر ماضی میں نہیں ملتی اور اندازہ یہ ہے کہ آئندہ بیس سال میں برطانوی نومسلموں کی تعداد ان مسلمانوں سے زیادہ ہو جائے گی جو دوسرے ملکوں سے آکر وہاں آباد ہو رہے ہیں۔

ٹائمس کی اس رپورٹ کے مطابق دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے نومسلموں میں خواتین کی تعداد مردوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے۔ اخبار لکھتا ہے کہ یہ بھی ستم ظریفی کی بات ہے کہ اکثر برطانوی نومسلم عورتیں ہیں۔ حالانکہ مغرب میں یہ نظریہ وسیع پیمانہ پر پھیلا ہوا ہے کہ اسلام عورتوں سے گھٹیا سلوک کرتا ہے۔

لندن ٹائمس کے اس شمارے میں بہت سی خواتین کے انٹرویو بھی شائع ہوئے ہیں جو برطانوی نژاد ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور انہوں نے بصیرت کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔ متعدد انٹرویو نقل کرنے کے بعد اخبار لکھتا ہے کہ بہت سی نومسلم خواتین نے اسلام اور مغرب کا تقابل کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا کہ اسلام میں عورت کو زیادہ تقدیس اور عظمت ہے جو مغربی عورتوں کو حاصل نہیں، ان کے نزدیک مغرب کی ''تحریک آزادیٔ نسواں'' کا اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں کہ عورت دوہرے بوجھ تلے دب گئی۔ (۱)

ان دو اخباروں کی رپورٹوں سے ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے بے علمی کے باوجود اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے کس طرح کے اشاعتِ اسلام کے اسباب پیدا فرما رہے ہیں۔

---

(۱) تازہ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ برطانیہ میں آٹھ سال کے اندر دس ہزار برطانوی باشندوں نے اسلام قبول کیا، اس میں خواتین کا تناسب ۲۶ فیصدی ہے۔

فرانس کے مختلف شہروں کے بارے میں فرانسیسی وزارت داخلہ کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس کی تصدیق وہاں کی مسلم تنظیموں نے بھی کی ہے۔

فرانس میں پندرہ سال کے اندر دس ہزار فرانسیسی باشندوں نے اسلام قبول کیا، اس میں خواتین کا تناسب ۶۷ فیصدی ہے، باقی مرد ہیں۔ ان میں سائنسداں، انجینئر، صحافی، سفارت کار، مبلغ پادری، دانشور، مفکر، پروفیسر، ادیب، وزیر، ماہر نفسیات، فلم اسٹار اور فوجی افسران شامل ہیں۔ ریاض سعودی عرب سے شائع ہونے والے رسالہ الدعوۃ کی ایک رپورٹ سے یہ دلچسپ انکشاف ہوتا ہے کہ فرانسیسی وزارت داخلہ نے اپنی ایک رپورٹ میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ جس محلہ میں مسلمان مساجد تعمیر کرتے ہیں وہاں جرائم حیرت انگیز حد تک کم ہوجاتے ہیں۔ فرانس کے ایک صنعتی شہر میں مقیم مسلمانوں نے وہاں کی کارپوریشن سے مسجد تعمیر کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن شہر کے میئر نے درخواست مسترد کردی، چار سال تک یہ درخواستیں مسترد ہوتی رہیں۔ مسلمانوں نے ایک تجارتی کمپلکس تعمیر کرکے ایک بڑے ہال میں نماز شروع کردی، فرانسیسی خفیہ پولیس نے وزارت داخلہ کو رپورٹ دی کہ جب سے مسلمانوں نے یہاں نماز شروع کی ہے اس وقت سے اس علاقہ میں جرائم کم ہوگئے ہیں، فرانسیسی وزارت داخلہ نے اس بنیاد پر ان تمام محلوں میں ہورہے والے جرائم کا سروے کرایا جہاں مسجدیں ہیں، رپورٹ نے یہ انکشاف کیا کہ عام طور سے مساجد کی تعمیر کے بعد جرائم میں حیرت انگیز کمی آگئی، کیوں؟ اس کی وجہ ہمیں نہیں معلوم۔ اس رپورٹ کو بنیاد بناکر فرانسیسی وزارت داخلہ نے مساجد کی تعمیر کی عام اجازت دیدی (۱) اور سرکاری سطح پر اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ فرانس اور یورپی ممالک جرائم پر قابو پانے کے لئے کروڑوں ڈالر خرچ کرتے ہیں پھر بھی وہ ناکام رہتے ہیں، اس رپورٹ کے بعد ہی فرانسیسی جیلوں کی انتظامیہ نے مسلمان داعیوں کو جیلوں میں محبوس قیدوں کی اصلاح کے لئے مدعو کرنا شروع کردیا۔ اس کے نتائج بھی بہت جلد سامنے آنے لگے، دوسری طرف فرانسیسی مسلمانوں نے اپنے بچوں کی تعلیمی ترقی کے لئے ایسا انتظام بنایا کہ وہ تعلیم کے میدانوں میں ممتاز نمبرات سے پاس ہونے لگے اور اہم کلیدی عہدوں پر ان

(۱) لیکن ہماری حکومت کو مساجد کی تعمیر میں آئی ایس آئی کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے اور ان مساجد کے منارے بندوق کی طرح نظر آتے ہیں۔ یحسبون کل صیحة علیهم۔

کو متعین کیا جانے لگا۔(۱)

والله غالب علی امره ولکن اکثر الناس لایعلمون

ابھی حال ہی میں لندن میں احمد عبدالرحمٰن نامی ایک داعی نے ایک ڈاکومنٹری فلم تیار کی ہے جس میں انھوں نے سینتالیس نومسلموں سے سوالات کئے ہیں کہ ان کے قبول اسلام کی وجہ کیا ہوئی؟ اس فلم میں سولہ امریکی اور یورپی ملکوں کے نومسلموں کا انٹرویو تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔

فلم کے پہلے حصہ میں بتایا گیا ہے کہ عام طور مغربی مما لک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کیا شبہات پائے جاتے ہیں، مغربی میڈیا کس طرح اپنی ساری توانائی کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مرکوز کر دیتا ہے؟ لیکن اتنی شدید عداوت ومخالفت کے باوجود اسلام کیوں پھیل رہا ہے اور بغیر کسی حکومتی سرپرستی اور ادنی ترغیب وتشویق کے لوگ کیوں اسلام قبول کر رہے ہیں؟ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک برطانوی سابق سفیر نے ۔جس نے قبول اسلام کے بعد اپنا نام حسن رکھا، لکھا ہے کہ ''مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی تھی کہ اتنی شدید مخالفت اور عداوت کے باوجود آخر لوگ اسلام کیوں قبول کرتے ہیں، اس مذہب میں آخر کونسی ایسی کشش ہے کہ لوگ خود بخود اس کی طرف بے اختیار کھنچتے چلے جاتے ہیں، اس سوال پر غور کرنے سے مجھے یہی جواب ملا کہ اسلام ہی وہ آخری مذہب ہے جو تمام انسانوں کی ہدایت اور ان کی حقیقی کامیابی کا ضامن ہے یہ مذہب چونکہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہے اور انسانی مشکلات ومسائل سے وہ آنکھیں بند نہیں کرتا بلکہ ان کا صحیح حل پیش کرتا ہے، مضطرب اور بے چین انسانوں کو ذہنی اور قلبی سکون واطمینان عطا کرتا ہے اسلئے لوگ اگر کثرت سے اس کو قبول کر رہے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں...

سابق برطانوی سفیر نے مسلم اور غیر مسلم مما لک میں قیام کے دوران جو بنیادی فرق محسوس کیا وہ ان کے الفاظ میں یہ تھا کہ مسلم مما لک میں ہم نے عام طور پر امن وامان پایا۔ مسلم سوسائٹی کو بھی مطمئن اور مسرور دیکھا، اس کے برعکس غیر مسلم ملکوں میں عام طور

---

(۱) امریکی صدر کلنٹن کے دورۂ ہندوستان میں ان کے ہمراہ ماہرین کی جو ٹیم آئی تھی ان میں پانچ مسلمان تھے۔ ایک امریکی وزارت زراعت کے ماہر، دوسرے صدر کلنٹن کی تقریر لکھنے والے، تیسرے امریکی سفیر، چوتھے مالیاتی مشیر، پانچویں ایک خاتون تھیں۔

سے ہم کو لوگوں کے چہروں پر غم اور فکر کی پرچھائیں نظر آئی۔ایک سابق فرانسیسی سفیر نے بھی۔جنھوں نے سعودی عرب کویت اور عرب امارات میں خاصا وقت گذارا ہے،ایسے ہی تأثرات ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں ریاض اور جدہ میں تنہا بغیر کسی محافظ کے گھومتا تھا،ہزاروں ڈالر ہماری جیب میں ہوتے،ہماری قیام گاہ کے دروازے بھی عام طور سے کھلے رہتے،کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی۔نہ کسی نے خرید وفروخت میں ہمیں دھوکہ دیا۔ناواقفیت میں ہم نے زیادہ پیسے دیدیئے،جو دوکاندار نے واپس کردیے۔جب ہم واپس پیرس پہونچے تو پہلے ہی دن جیب کتروں نے ایرپورٹ پر ہماری جیب سے پیسے اُڑا لئے،دوسرے دن ہماری بیوی کا پرس چرالیا۔تیسرے ہفتے ہمارے فلیٹ میں چوری ہوگئی۔ہم نے تھوڑے سے غور وفکر اور اسلام کے مطالعہ کے بعد اسلام قبول کرلیا اسلئے کہ مسیحیت ایک بے جان لاشہ ہے،زندگی سے اس کا کوئی ربط وتعلق نہیں،اس کی واضح دلیل اگر آپ چاہتے ہیں تو ان لوگوں کو دیکھئے جو پابندی سے گرجا گھر جاتے ہیں،فرانس میں صرف چار فیصدی لوگ اتوار کو گرجا گھر جاتے ہیں،جرمنی میں چھ فیصدی اور برطانیہ میں سات فیصدی لیکن مسلمان ہرروز اپنی مسجدوں میں پانچ وقت جاتے ہیں،اور دیگر نمازیوں کا تناسب ساٹھ ستر فیصدی سے زیادہ ہے۔دوسری بنیادی خصوصیت مسلمانوں کی یہ ہے کہ اپنے مذہب سے ان کا زندہ تعلق ہے اور اسلام ان کی چوبیس گھنٹے کی زندگی میں بڑی حد تک دخیل ہے۔ہم نے مغربی ملکوں کے لوگوں کو نجی مجلسوں میں عام طور سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسیحیت پر سے ہم لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا ہے،ہمارے مسیحی مبلغین ہر طرح کی نالی اور اخلاقی جرائم کے مرتکب ہورہے ہیں۔

اس ڈاکومنٹری فلم میں اسلام قبول کی جو وجہ بتائی ہے اس میں قدر مشترک سب کی نظر میں یہی ہے کہ تنہا اسلام ہی وہ مذہب ہے جو پوری انسانیت کو ہلاکت وبربادی سے بچا سکتا ہے۔آکسفورڈ میں اسلامک سینٹر کے ڈاکٹر گراہم کا کہنا ہے کہ اب اسلام مشرق ومغرب کا قضیہ نہیں رہا،وہ ایک مکمل معاشرہ کا داعی ہے۔اسلام توحید کا سب سے بڑا داعی ہے۔

برطانوی شہر ویلز کے ایک سابق مسیحی مبلغ کہتے ہیں کہ میں اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک متعصب مسیحی تھا۔یہودیوں سے مجھے اتنی زبردست ہمدردی تھی کہ ان کی مدد کے

لئے میں اسرائیل گیا، یہودیوں اور فلسطینی مسلمانوں سے میل جول کے بعد چند ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ مسلمان مظلوم ہیں، ان کی زمین یہودیوں نے غصب کی ہے، یہودی بڑے ظالم، قسی القلب اور متکبر ہیں، بداخلاق ہیں، انسانیت سے قطعی عاری ہیں، مکروفریب سے ان کی پوری زندگی عبارت ہے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو ہم نے اخلاقی لحاظ سے بہت بلند پایا۔ اسرائیل سے دوسرے ہی ہفتہ میں واپس آ گیا، میں نے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق پڑھنا شروع کیا، تو اندازہ ہوا کہ مغربی میڈیا نے کس طرح ہمارے ذہنوں کو مسموم کر دیا تھا۔ ایک ماہ بعد ہم نے اسلام قبول کر لیا۔

فلم کے ایک حصہ میں بتایا گیا ہے کہ عام طور پر اسلام قبول کرنے والوں کی زندگی یکسر تبدیل ہو گی، خصوصاً مغربی ماحول کی پروردہ خواتین نے اسلام کی عائد کردہ پابندیوں کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا، اسلئے کہ جرمن خاتون حناء کے بقول اسلام نے خواتین کو جو حقوق دیئے ہیں وہ کسی مذہب نے نہیں دیئے، اسلام میں خاندان کا شیرازہ یکجا رہتا ہے، بلجیم کی نومسلمہ رابعہ کہتی ہیں کہ مسلمان خاندانوں میں خواتین کا بڑا احترام کیا جاتا ہے، جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی ہے ماں اور دادی کی حیثیت سے اس کے احترام اور تقدس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اسلام کی بنیادی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک سابق فرانسیسی مسیحی مبلغ نے بتایا کہ جب ہم نماز میں ہوتے ہیں تو براہ راست اپنے خالق سے ہم کلام ہوتے ہیں، ہمارے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا جیسا کہ مسیحی مذہب میں پادری واسطہ ہوتا ہے، امریکی نومسلمہ عائشہ صوفیہ کہتی ہیں کہ اسلام میں قضاوقدر پر ایمان لانا ایسی خوبی ہے کہ مغربی لوگ اگر اسپر ایمان لے آئیں تو ان کے تمام عقلی، قلبی اور اعصابی امراض کا یکسر خاتمہ ہو جائے۔ ایک دوسرے نومسلم نے (جو یہودی تھے اور فری میسن تنظیم میں اپنی سرگرم جدوجہد کی وجہ سے اس کے خاص معتمد علیہ اور ممتاز ارکان میں ان کا شمار ہونے لگا تھا) اسلام قبول کرنے کے بعد اپنا نام رکن الدین رکھا۔ انھوں نے قرآن مجید کے متعلق اپنے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جب میں نے پہلی بار قرآن مجید پڑھا تو وہ معجزہ معلوم ہوا، اس کا نور میرے قلب میں داخل ہو گیا اور مجھے زندگی میں پہلی بار سکون محسوس ہوا، اور یہی احساس میرے قبول اسلام کا سبب بنا۔ جو شخص بھی قلبی سکون کا متلاشی ہو اس کو

میں قرآن مجید پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں، جو شخص ایک بار بھی قرآن مجید پڑھ لے گا وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکے گا کہ قرآن ''کلام اللہ'' ہے۔ میں نے ذہنی سکون کی تلاش میں دنیا بھر کے چکر لگائے اور لاکھوں ڈالر خرچ کئے لیکن قرآن مجید نے مجھے جو دولت عطا کی اس کی قیمت کوئی نہیں لگا سکتا۔ میری زندگی قرآن مجید پڑھنے یکسر تبدیل ہوگئی جو صرف قرآن کا معجزہ ہے۔ افسوس ہے کہ دنیا اس نور سے محروم ہے۔ فلم کے آخری حصہ میں نومسلموں نے مغربی سوسائٹی کی مشکلات رسائل اور ان کے اسلامی حل کا تذکرہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ غیر اسلامی سوسائٹی جس جنسی انارکی، اخلاقی فساد، مالی بحران، اور اعصابی امراض میں گرفتار ہے ان سے نجات صرف اسلام ہی دے سکتا ہے۔ مغربی جرمنی کی نومسلمہ خاتون رابعہ کہتی ہیں کہ مغربی سوسائٹی میں جو آزادی دی گئی ہے وہ سب جھوٹ اور فراڈ ہے، مغربی آزادی کا مفہوم صرف یہ ہے کہ وہ شخص من مانی زندگی گذارے۔ لیکن حقیقی آزادی اسلام کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے ملتی ہے (۱)

برطانیہ کے مشہور مغنی نے اسلام قبول کر کے اپنا نام یوسف اسلام رکھا۔ اب وہ اپنی ساری صلاحیتیں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت پر صرف کر رہے ہیں، اس کے ساتھ اسلامی تاریخ، سیرت نبویؐ سے متعلق واقعات کو ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اسلامی تاریخ سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

امریکی کلیسا کی مرکزی تنظیم نے چھ ہزار چار سو ترپین مسیحی مبلغوں کو اسلامی اور افریقی ملکوں میں بھیجا تاکہ وہ مسیحیت کی تبلیغ کر سکیں، ان کی تیاری پر دس سال کے عرصہ میں ایک کروڑ تیس لاکھ ڈالر صرف ہوئے، لیکن دو سال بعد یہ رپورٹ ملی کہ آدھے سے زائد کلیسائی مبلغین کعبہ کے پاسبان بن گئے اور اب وہ افریقی اور مغربی ملکوں میں اسلام کے داعی کی حیثیت سے زندگی گذار رہے ہیں، قبول اسلام کے یہ واقعات زیادہ تر افریقی ملکوں میں پیش آئے۔

---

(۱) مغربی جرمنی میں آٹھ سال کے اندر بارہ ہزار خواتین نے اسلام قبول کیا ہے۔ سابق جرمن سفیر متعین ترکی نے اسلام قبول کر کے اپنا نام مراد ہوف مین رکھا ہے، اور اسلام کے دفاع اور اس کے موثر تعارف میں کئی کتابیں لکھیں جو بڑی دلچسپی سے پڑھی جارہی ہیں۔ سرکاری حلقوں نے اب مسلمانوں کو اس کی اجازت دے دی ہے کہ تعلیمی اداروں میں دینیات کا نصاب پڑھایا جائے۔

۱۹۹۶ء میں جو رپورٹ امریکی مسلمانوں سے متعلق شائع ہوئی تھی اس میں بتایا گیا تھا کہ امریکی افواج میں مسلمان فوجیوں کی تعداد دس ہزار ہوگئی ہے، ان امریکی فوجیوں میں خاص تعداد ان لوگوں کی ہے جنھوں نے سعودی عرب میں قیام کے دوران اسلام قبول کیا تھا، ان فوجیوں کی دینی رہنمائی، اخلاقی تربیت اور نمازوں کی امامت کے لئے عبدالرشید امریکی فوجی کو بطور امام دینی مرشد کے متعین کیا گیا ہے، ان کو جو فوجی نشان دیا گیا ہے اس میں ہلال اور ستارہ بھی ہے۔ عیدین کی نماز اور خطبے پہلی بار جب سرکاری طور پر ٹی وی اور ریڈیو پر براہ راست نشر کئے گئے تو چھ ماہ کے اندر پندرہ سو فوجیوں نے عبدالرشید کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ عبدالرشید کے بقول عید کی نماز کے بعد امریکی فوجی مراکز سے ٹیلیفون کئی ہفتے تک آتے رہے جس میں وہ اسلام سے متعلق معلومات حاصل کرتے تھے۔

امریکی فوجوں کی قابل لحاظ تعداد، اور خود امریکہ میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور ان کی تعمیری سرگرمیوں کا اثر تھا کہ امریکہ کی تاریخ میں پہلی بار امریکی کانگریس کی عمارت میں افطار پارٹی اور وہائٹ ہاؤس میں عید ملن تقریب منعقد کی گئی، اس میں ڈیڑھ سو مسلمانوں کو مدعو کیا گیا، امریکی نائب صدر الگور واشنگٹن کے اسلامی مرکز گئے اور اسلام کے بارے میں اچھے اور مثبت خیالات کا اظہار کیا۔

برطانیہ جیسے اسلام دشمن اور مسلم کش ملک میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی سینٹر قائم ہوا، برطانی شہزادہ چارلس نے عالمی تہذیب پر اسلام کے اثرات اور انسانی سوسائٹی پر اس کے احسانات کا اعتراف کیا۔ برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیر نے کہا کہ وہ ان دنوں قرآن مجید کا مطالعہ کر رہے ہیں تاکہ برطانیہ میں آباد مسلمانوں کے عقائد اور ان کے طرز فکر اور تہذیب سے واقف ہوسکیں۔

یہ صرف مغربی ممالک سے متعلق ہزاروں واقعات میں سے چند کا اجمالی ذکر تھا، ورنہ افریقی اور ایشائی ملکوں میں قبول اسلام کے واقعات بکثرت پیش آرہے ہیں، ان ملکوں میں تو پوری پوری بستی اور پورے قبیلہ کا قبیلہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوجاتا ہے، افریقی ملکوں میں سب سے زیادہ مساوات کا اثر پڑتا ہے، ہندوستان میں طبقاتی اونچ نیچ اور دلتوں پر برہموں کے مظالم نے بھی اسلام قبول کرنے پر لوگوں کو آمادہ کیا، اس کے علاوہ خود

ہندوؤں کے مذہبی عقائد اور رسوم نے بھی ہندومت کے خلاف ان کے ماننے والوں میں نفرت پیدا کی، متعدد واقعات ایسے بھی پیش آئے کہ بعض ہندو نوجوانوں نے اپنی ماں کی موت پر اس کو جلتے دیکھ کر اور مردہ کی بے حرمتی کی تاب نہ لاکر اسلام قبول کرلیا کہ اس مذہب میں مرنے کے بعد بھی عزت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا میں اسلامی بیداری کی لہروں کا دوسرا پہلو خود مسلمانوں سے متعلق ہے، یہ بیداری بعض مسلمان ملکوں اور دینی وعوتی جماعتوں اور بعض ممتاز داعیوں اور اہل قلم کی سرگرم جدوجہد کے نتیجہ میں پیدا ہو رہی ہے، مسلم ممالک میں سرفہرست مملکت سعودی عرب ہے جس نے بلاشبہ خلافت کے الغاء کے بعد اسلامی دنیا کی پاسبانی کا فریضہ بڑی حد تک انجام دیا ہے اور اس خلا کو پر کرنے کی کوشش کی جو خلافت کے خاتمہ کے بعد مسلمانوں کے اندر پایا جارہا تھا، دوسرے نمبر پر وہ رفاہی ادارے ہیں جن کو مخیر امراء کی سرپرستی حاصل ہے۔

۱۹۲۴ء میں مصطفیٰ کمال نے خلافت عثمانیہ کے الغاء کا جب اعلان کیا تو پورے عالم اسلام میں زبردست ردعمل ہوا، اور عام طور سے مایوسی اور شکست خوردگی کا احساس مسلمانوں کو ہوا، اس نازک صورت حال سے بچنے کے لئے مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر جدوجہد کا آغاز کردیا، ہندوستان میں تحریک خلافت نے دینی وسیاسی شعور بیدار کرنے میں بنیادی رول ادا کیا، دینی تعلیم کا دائرہ بھی پھیلنے لگا، دینی جماعتوں نے برصغیر کے مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں اسلام بارے میں پیدا ہونے والے شکوک اور ملحدانہ خیالات کو دور کر کے از سر نو اسلام پر اعتماد بحال کرنے کا کام کیا، عوام کے اندر بھی بڑے پیمانہ پر دین کی بنیادی تعلیمات کو عام کرنے کی جدوجہد کی گئی، برصغیر سے نکل کر یہ کام دنیا کے تمام ملکوں میں پھیل رہا ہے۔ مصر میں امام حسن البنا اور ان کی تحریک اخوان المسلمون کے ذریعہ پورے عالم عربی میں دینی بیداری کی عام لہر پیدا ہوئی فرمانروائے سعودی عرب ملک عبدالعزیز نے پہلے مرحلہ میں حجاز میں امن وامان قائم کیا پھر عوام میں پھیلے شرک وبدعات کی طرف توجہ دی، جب اللہ تعالیٰ نے سیال سونے کی دولت سے مالا مال کیا تو مملکت کے تمام فرمانرواؤں نے پوری دنیا کے مسلمانوں میں دینی بیداری میں آگے بڑھ کر حصہ لیا اور دنیا کے تمام خطوں میں بسنے والے مسلمانوں کی (اقلیت میں ہوں یا اکثریت) مادی اور اخلاقی سرپرستی اور اسلامی دعوت کو عام کرنے کی طرف توجہ کی، جن

ملکوں میں پہلے سے دعوت دین اور دینی تعلیم کا کام ہورہا تھا ان کے تعمیری اور تعلیمی منصوبوں کی تکمیل میں بے دریغ مدد دی، افریقہ، ایشیا، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا کہ اپنے نمائندوں کو بھیج کر مسلمانوں کے حالات کا سروے کرایا، اپنے خرچ پر مساجد، مدارس تعمیر کرائے، شفا خانے اور ریڈیو اسٹیشن قائم کیے، کنویں کھدوائے، یتیم خانے بنوائے، کویت کے رفاہی اداروں الهيئة الخيريه، سعودی عرب کے رابطہ عالم اسلامی، جامعہ اسلامیہ، وزارت اوقاف، دار الافتاء، ندوۃ الشباب الاسلامی، موسسة الحرمين، مؤسسة اقرا الخيريه، مؤسسة الملک فیصل الخیریہ جیسے رفاہی اداروں نے پوری دنیا کے مسلمانوں کی بھی مختلف طریقوں سے مدد کی، حرمین شریفین کی تعمیر کے بعد دوسرا بڑا کارنامہ سعودی عرب کا یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی طباعت اور اس کی مفت تقسیم کا مبارک کام اپنے ذمہ لیا، دوسری طرف تمام براعظم سے مسلمان نوجوانوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے اپنی تعلیم گاہوں کے دروازے کھولدیے، رابطہ عالم اسلامی کے ذریعہ ساٹھ ہزار سے زائد مساجد تعمیر کرائیں، پچیس ہزار مدارس کی تعمیر وتوسیع کے لئے مدد دی، موسسۃ الملک فیصل الخیریہ نے دینی، دعوتی ادبی اور علمی میدانوں میں کام کرنے والے داعیوں، مربیوں اور علماء ومحققین کی حوصلہ افزائی کے لئے گراں قدر انعامات دیے(۱) سعودی عرب، کویت، قطر، عرب امارات اور لیبیا نے ملکی ترقی کے لیے مسلمان ماہرین سے مدد لی، اس سے ایک طرف مسلمانوں میں اقتصادی خوش حالی آئی، دوسری طرف خود ان کے عقائد واعمال میں بنیادی تبدیلیاں آئیں، تیسری طرف غیر مسلم کارکنوں اور فنی ماہرین نے عربوں کے درمیان رہ کر بغیر کسی تحفظ کے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، ان کے عقائد اور تہذیب کا مطالعہ ومشاہدہ کیا، وہاں کے امن وامان اور مساوات کی اسلامی فضا دیکھ کر تاثر قبول کیا، ایک تعداد نے وسیع تر اسلامی برادری سے اپنا رشتہ جوڑ لیا، اور ایک تعداد کے اندر اسلام کے تئیں ہمدردی کے جذبات پیدا ہوئے اور ان کے ذہنوں کی سلوٹیں دور ہوئیں، عرب ممالک میں سالانہ تین ہزار سے زائد اسلام قبول کرنے کا اوسط ہے، اس میں خواتین کا تناسب ۲۷ رفیصدی ہے۔ (۲)

---

(۱) چند سال سے دبئی کی حکومت نے بھی سالانہ اسلامی شخصیت ایوارڈ دینے کا مبارک سلسلہ شروع کیا ہے۔
(۲) یہ خواتین عام طور سے گھریلو خادمائیں ہوتی ہیں جو سری لنکا، فلپائن، اور جنوبی ہند سے تعلق رکھتی ہیں۔

جدید ترین ذرائع ابلاغ سے بھی سعودی عرب، کویت، قطر اور ترکی نے فائدہ اٹھایا ہے، جس کے بڑے اور دور رس اثرات مرتب ہور ہے ہیں، ۱۹۹۹ء میں حج کے شعائر کو سعودی عرب نے 'C'N'N اور STAR،B'B'C' کے ذریعہ ایک سوبیں ملکوں تک نشر کرنے کا معاہدہ کیا، اس کے ساتھ اس کا بھی اہتمام کیا کہ آن ایر پروگرام میں فون کے ذریعہ اسلام کے متعلق دنیا بھر سے سوالات کیے گئے جن کے جوابات اسی وقت ریاض اور جدہ کے اسٹوڈیو سے ممتاز عالموں اور داعیوں نے انگریزی اور فرنچ میں دیے۔ حج کے بعد کی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عالمی پروگرام کو دیکھ کر ٹی وی مشاہدین نے یورپ وامریکہ کے اسلامی مراکز سے جو رابطہ فون کے ذریعہ قائم کیا اس کی تعداد آٹھ لاکھ سے زائد تھی، ان مشاہدین کی نصف تعداد ایسی تھی جس نے اعتراف کیا کہ اسلام کے بارے میں ان کے ذہنوں میں بڑے شکوک وشبہات تھے اور مسلمانوں کے متعلق بدگمانیاں بڑھ گئی تھیں۔ سعودی عرب، کویت، قطر اور ترکی میں انٹرنٹ اور ٹی وی کے ذریعہ پوری دنیا مین اسلامی دعوت کو پھیلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ترکی میں تین ٹیلیویژن کمپنیاں اسلامی اصول وضوابط کے مطابق اعلیٰ معیار کے ساتھ اپنا پروگرام پیش کررہی ہیں، ان کا دائرہ مشرقی یورپ اور مغربی جرمن تک پھیلا ہوا ہے، اقتصادی اعتبار سے بھی ان کمپنیوں کو فائدہ ہورہا ہے، دوسری طرف اسلامی اصولوں کے مطابق اقتصادی بنک اور تجارتی کمپنیاں اور کارخانے قائم ہورہے ہیں جنھوں نے ملک کو خود کفیل بنانے میں زبردست پیش قدمی کی ہے، ترکی میں تیار کیے گئے ٹی وی پروگرام کی مانگ دوسرے عرب ملکوں میں بھی ہورہی ہے، قطر کی حکومت نے ایک فضائی چینل قائم کر کے اسلامی دعوت کیلیے وقف کردیا ہے، اس چینل کو ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی رہنمائی اور سرپرستی حاصل ہے، اگر چہ اسلامی بینک اسلامی ملکوں میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکے لیکن مغربی ملکوں میں اسلامی بینکوں کا بڑا استقبال کیا جارہا ہے، غیر مسلم تاجروں اور سرمایہ داروں نے ایسے بینکوں میں سرمایہ لگانے میں دلچسپی ظاہر کی ہے، مغربی ملکوں میں روز بروز ان بینکوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، بالفاظ دیگر اقتصادی میدانوں میں بھی مسلمان مغربی ملکوں میں آگے بڑھ رہے ہیں، کمپیوٹر سافٹ ویر کے دوسرے بڑے صنعت کار کیلیفورنیا میں ایک مسلمان ہیں جو بل کلنس کمپنی کے سب سے بڑے سپلائر ہیں۔

یورپ وامریکہ اور افریقہ کے علاوہ اسلام نے جہاں اپنا راستہ بنایا اور دبے کچلے مسلمانوں میں اسلامی بیداری کی لہریں پیدا ہوئیں وہ روس ہے جو دنیا کی دوسری بڑی طاقت تھی اور اپنی آہنی دیواروں کی بدولت ستر سال تک ناقابل شکست سمجھی جاتی تھی، اس کی مضبوط فولادی دیواروں کو اسلام کی شعاعوں نے پگھلا کر رکھدیا، اب اس سپر پاور کو اپنا وجود برقرار رکھنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنے پڑ رہے ہیں اور چیچنیا کے نہتے مسلمانوں سے امن کی بھیک مانگنے پر وہ مجبور ہو رہا ہے، اس عظیم طاقت کے شیرازہ بکھرنے کی ابتداء ۱۹۷۹ء سے ہوئی جب روس فوجوں نے افغانستان پر یورش کی، جو روس فوجی افغانستان میں جنگ کرنے آئے وہ یا تو افغان مجاہدین کے ہاتھوں کیفر کردار کو پہونچے یا پھر اسلام کی زنجیروں میں ہمیشہ کے لئے اسیر ہو گئے۔ روس نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روسی مسلمان فوجیوں کو اس منصوبے کے تحت بھیجا تھا کہ یا تو یہ اپنے ہم مذہب بھائیوں کو مار کر آئیں گے یا ان کی لاشیں آئیں گی، ہر حال میں ہماری چاندی ہوگی، لیکن یہ سارے منصوبے الٹے ہو گئے، یہ روس مسلمان فوجی افغانستان سے واپس آئے تو نئے جذبے کے ساتھ واپس ہوئے، انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلامیت کی تبلیغ شروع کردی۔ دوسری طرف افغانستان میں زبردست جانی اور مالی خسارے نے روس کی کمر توڑ کر رکھدی، امریکی سی، آئی، اے نے امریکی ذمہ داروں کو رپورٹ دی کہ اگر افغانستان میں جاری جہاد کو ختم کرنے کی جلد کوشش نہیں کی گئی تو روس کا شیرازہ تو بکھرے گا ہی خود یورپ امریکہ کے وسیع تر مفادات متاثر ہوں گے، اسلئے کہ افغانستان کی جنگ سے پوری دنیا کے مسلمانوں میں جہاد کی روح بیدار ہو رہی ہے۔ خصوصا عرب ممالک سے مجاہدین افغانستان پہونچ رہے ہیں جس سے یہ اندیشہ قوی ہوتا جا رہا ہے کہ مسلم ممالک میں قائم آمرانہ وملحدانہ حکومتوں کا زوال ہو جائے گا، بالفاظ دیگران ممالک سے مغربی ملکوں کے جو مفادات وابستہ ہیں ان پر کاری ضرب لگے گی، بالآخر روس پر دباؤ ڈال کر امریکہ نے اس کو افغانستان سے باعزت پسپائی پر مجبور کردیا، اس طرح دنیا کی دوسری بڑی طاقت روس کو شکست دینے کا منصوبہ بنانیوالے مردمومن جنرل ضیاء الحق شہید، جنرل اختر عبدالرحمٰن شہید کی یہ پیشینگوئی پوری ہوگئی کہ افغانستان کی جنگ کا خاتمہ روس کی سرزمین پر ہوگا اور جب پروپیگنڈے اور فوجی آمریت کی بنیاد پر قائم اشتراکی روس کی عمارت چشم زدن میں زمین بوس ہوگئی تو یہ خوش گوار انکشاف ہوا کہ ستر سال سے روسی مسلمان اسلام کو اپنے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، اب

انکے اندر اسلامی بیداری کی لہر پیدا ہو رہی ہے، اسلام کی طرف از سر نو واپس آ رہے ہیں، اور یہ خون صد ہزار انجم کا فطری نتیجہ ہے۔ (۱)

اب مسلمان اس انتظار میں ہیں کہ جس طرح امریکہ کا اخلاقی زوال ہو گیا ہے اس طرح اس کا سیاسی شیرازہ بھی بکھر جائے اور ہم تمام مسلمان اس جنازہ کی تدفین کا تماشہ دیکھیں۔ وما ذلك علي الله بعزيز

امریکہ کے اخلاقی زوال کی طرف ہم آغاز ہی میں اشارے کر چکے ہیں، اس سلسلہ میں امریکی مفکرین اور دانشوروں کی شہادتین بھی پیش کر چکے ہیں، جہاں تک اقتصادی زوال کا تعلق ہے تو اس میدان میں بھی اس کے زوال کا آغاز ہو چکا ہے، امریکی اقتصادیات پر نظر رکھنے والوں کا کہنا ہے کہ امریکہ خلیجی ملکوں کے دفاع پر سالانہ تیس سے ساٹھ ارب ڈالر خرچ کر رہا ہے تا کہ جاپان، چین، ایران، عراق اور روس پر قابو پا سکے، لیکن اصل فائدہ جاپان کو ہو رہا ہے، جس نے برقی ساز و سامان کی مصنوعات پر قبضہ کر کے امریکہ کو عالمی مارکیٹ سے نکال باہر کیا ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امریکہ اسرائیل کے وجود کی حفاظت کی خاطر اتنے اخراجات کر رہا ہے تا کہ مشرق وسطی سے وابستہ امریکی مفادات کو نقصان نہ پہونچے، اس کی بنا پر امریکہ ہر سال دو کھرب ڈالر کا مقروض ہو جاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ معاشی نمو کی شرح بالکل گھٹ گئی ہے، پال کینیڈی نے ۱۹۸۷ء میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا عنوان تھا ''بڑی طاقتوں کا عروج و زوال''، اس میں مصنف نے یہ پیشینگوئی کی تھی کہ اس صدی کے آخر تک امریکی صدی کا خاتمہ ہو جائے گا، جسکی ابتدا دوسری عالمی جنگ عظیم سے ہوئی تھی، مصنف کا کہنا ہے کہ جس سرعت سے امریکہ اپنی فوجی طاقت پر خرچ کر رہا ہے اس تیزی سے اس کی اقتصادی طاقت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ یہی حال امریکہ سے پہلے بڑی حکومتوں کا تھا، اس غیر متوازن پالیسی سے ملک میں سرمایہ کاری کم ہو جائے گی، اقتصادی نمو کی شرح میں کمی اور ٹیکسوں میں زیادتی ہو جائے

---

(۱) روسی جمہوریتوں کی آزادی کے بعد علاقوں کے مسلمان اپنے مدارس قائم کر رہے ہیں اور اپنے نوجوانوں کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے عرب ممالک بھیج رہے ہیں، لیکن بہت سی ریاستیں سیاسی آزادی کے باوجود ابھی تک روسی جال سے نہیں نکل سکیں، اس کے علاوہ مغربی ممالک اور اسرائیل بھی ان مسلم ریاستوں کو اقتصادی اور فنی امداد کے جال میں پھنسانا چاہتے ہیں، اگر عرب ممالک اور پاکستان وترکی منصوبہ بند طریقہ سے فنی و اقتصادی اور فوجی مدد کریں، نوجوانوں کی دینی تعلیم و تربیت کا صحیح انتظام کریں تو روسی ریچھ سے چھٹکارا مل سکتا ہے۔

گی، اس طرح سیاسی کشمکش میں اضافہ ہوجائے گا، مغربی ماہرین کے مطابق اس میں شبہ ہے کہ امریکہ اکیسویں صدی کے ساتھ صحیح معاملہ کر سکے گا۔

اقتصادی تجزیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، مثلاً ۱۹۹۵ء میں عالمی بازار میں امریکی تجارت کا توازن تیس فیصدی تک گھٹ کر آ گیا، مقامی مارکیٹ میں بھی جاپان کی وجہ سے اس کو پسپا ہونا پڑا، ٹیلیفون برقی ساز وسامان، مشینریز اور رنگین ٹی وی میں جاپان امریکی بازار پر چھا گیا۔ ان میدانوں میں دس فیصدی سے ۲۵ر فیصدی تک اور بعض میدانوں میں ۹۰ فیصدی تک امریکی تجارت گھٹ گئی۔

عالمی سطح کی کمپنیوں کو دیکھئے تو ۱۹۸۷ء میں امریکہ میں عالمی سطح کی کمپنیوں کی تعداد چونتیس (۳۴) تھی تنہا جاپان میں ایسی کمپنیوں کی تعداد ۵۳ر تھی۔ امریکہ کے پاس پہلے سو بینک تھے جو عالمی سطح پر کام کرتے تھے، یہ تعداد گھٹ کر گیارہ رہ گئی ہے، جبکہ جاپان کے پاس اٹھائیس عالمی بینک ہیں، تیسرے نمبر پر جرمنی ہے جس کے پاس گیارہ عالمی بینک ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر ایک گروپ کہتا ہے کہ امریکہ کو چاہئے کہ اپنے وجود کو باقی رکھنے کیلئے مزید اخراجات سے نہ ڈرے، تاکہ عالمی مارکیٹ اس کے قبضہ میں رہے۔ دوسرا گروپ کہتا ہے کہ امریکہ کو اپنے داخلی امور سے نمٹنا چاہئے، باہر کی طرف دیکھنا نہیں چاہئے، اس گروپ کا یہ بھی کہنا ہے کہ ۲۰۲۵ء تک امریکہ کے اصل باشندوں کی تعداد اقلیت میں رہ جائے گی، دوسرے ملکوں کے لوگ (کالے) اکثریت میں ہوجائیں گے، اس لئے باہر سے آنے والوں پر پابندی عائد کردی جائے، خصوصاً عربوں اور مسلمانوں پر، جن کیا آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ان کی وجہ سے امریکی سرزمین پر تشدد پروان چڑھ رہا ہے، امریکہ کو چاروں طرف سے خطرہ ہے، اخراجات کے مقابلے میں نفع کم ہے، اس بات کو لیکر امریکہ میں بحث ومباحثہ ہورہا ہے۔ یہودی گروپ کہتا ہے کہ عرب اور مسلمان امریکہ کے لئے خطرہ ہیں، آئندہ جو تصادم ہوگا وہ تہذیبوں کا ہوگا، اس کشمکش میں مسلمان چین کے حلیف ہونگے تا کہ امریکہ سے نمٹ سکیں۔ دوسرا گروپ کہتا ہے کہ تیسری دنیا سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہئے، ایسی دنیا جو بأوں اور تشدد سے بھری ہوئی ہے، ہم اسرائیل پر بلاوجہ کیوں اربوں ڈالر خرچ کررہے ہیں، فوجی اور اقتصادی امداد کے علاوہ اربوں ڈالر کا عوامی چندہ بھی دیا جاتا ہے، ہم نے ایک چھوٹے سے ملک کی خاطر درجنوں ملکوں کو ناراض کرلیا ہے، اور ہمارے دشمنوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

فہرست مآخذ

عربی روزنامے

۱۔ روزنامہ الاہرام .... قاہرہ

۲۔ روزنامہ الاخبار .... قاہرہ

۳۔ روزنامہ الشرق الاوسط .... جدہ

۴۔ روزنامہ القبس .... کویت

۵۔ روزنامہ السیاسۃ .... کویت

۶۔ الرای العام .... کویت

۷۔ روزنامہ الشرق .... دوحہ (قطر)

۸۔ روزنامہ عکاظ .... ریاض

عربی ہفت روزہ و ماہنامے، کتابیں

۹۔ ہفتہ روزہ المجتمع .... کویت

۱۰۔ ماہنامہ البعث الاسلامی .... لکھنؤ

۱۱۔ الاذاعۃ والتلفزیون .... قاہرہ

۱۲۔ ماہنامہ الدعوۃ .... ریاض

۱۳۔ ماہنامہ المختار الاسلامی .... قاہرہ

۱۴۔ ماہنامہ الاعتصام .... قاہرہ

۱۵۔ ماہنامہ الدعوۃ .... لندن

۱۶۔ الرائد .... لکھنؤ

۱۷۔ الرائد .... میونخ (جرمنی)

۱۸۔ ہفت روزہ روز الیوسف .... قاہرہ

۱۹۔ ہفت روزہ آخر ساعۃ .... قاہرہ

۲۰۔ ہفت روزہ الشبکۃ .... بیروت

۲۱۔ ہفت روزہ الصیّاد .... بیروت

۲۲۔ ہفت روزہ ہو۔ ہی .... قاہرہ

۲۳۔ ہفت روزہ سیدتی .... لندن

۲۴۔ الادب العربی الحدیث/ الدسوقی

۲۵۔ التبشیر والاستعمار/عمر فروخ

۲۶۔ الاعلام الخلیجی / محمد علی العوینی

۲۷۔ الاعلام الاسلامی والعلاقات الانسانیۃ/ندوۃ الشباب الاسلامی۔ ریاض

۲۸۔ الاعلام الدولی

۲۹۔ الاعلام السعودی/ستمبر ۱۹۸۵

۳۰۔ التلفزیون فی دول الخلیج (جولائی ۱۹۸۲)

۳۱۔ الاعلام والبیت المسلم /فہمی الطیب النجار

۳۲۔ من خصائص الاعلام الاسلامی/محمد خیر رمضان یوسف

۳۳۔ اصول الاعلام الاسلامی/ ابراہیم امام

۳۴۔ اصول الاعلام الاسلامی واسسہ/سید محمد ساداتی

۳۵۔ الاعلام الاسلامی وتطبیقاتہ العلمیۃ/محی الدین عبدالحلیم

۳۶۔ الاعلام فی صدر الاسلام/عبداللطیف حمزہ

۳۷۔ الاعلام والدعایۃ/عبداللطیف حمزہ

۳۸۔ نظریات الاعلام الاسلامی/محمد منیر حجاب

۳۹۔ الاسلام فی وجہ التغریب/انور الجندی

۴۰۔ دمروا الاسلام وابیدوا اہلہ/جلال العالم

۴۱۔ الی این یتجہ اعلامنا الاسلامی المعاصر/المستشار علی جریشۃ

خصائص الاعلام الاسلامی/علی جریشہ

اُردو، انگلش اخبارات ورسائل

۴۲۔ سہ روزہ دعوت .... دہلی

۴۳۔ پندرہ روزہ تعمیر حیات .... لکھنؤ

۴۴۔ روزنامہ قومی آواز .... لکھنؤ

۴۵۔ ماہنامہ افکار ملّی .... دہلی

۴۶۔ ٹائمس آف انڈیا .... لکھنؤ

۴۷۔ انڈیا ٹوڈے .... دہلی

۴۸۔ ہفت روزہ سنڈے .... دہلی

"مغربی میڈیا اور اس کے اثرات"

مبصرین کی نظر میں

"میں عام طور پر کوئی کتاب پڑھتا ہوں تو ادھر ادھر سے دیکھ لیتا ہوں۔ لیکن یہ کتاب میں نے پوری پڑھی۔ اور ایک نشست میں ختم کی۔ کتاب تو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دیئے جانے کی مستحق ہے۔"

(سابق جج سپریم کورٹ سید صغیر احمد۔ رسم اجراء کے موقع پر کی گئی تقریر سے ماخوذ)

"یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ اور بڑی محنت و دیدہ ریزی سے تیار کی گئی ہے۔"

(ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور)

"کتاب کافی محنت سے تیار کی گئی ہے۔ اور اس موضوع پر کافی مواد جمع کر دیا گیا ہے، اس موضوع پر مواد کو ایک جگہ جمع کر دینے اور صورت حال کا اس طرح جائزہ لینے کی یہ ایک نہایت قابل قدر کوشش ہے۔"

(سہ روزہ دعوت دہلی ۱۶/ اپریل)

"چار سو سے زائد صفحات کی اس کتاب کو نو (۹) ابواب میں پھیلا دیا گیا ہے جس میں ہر باب کو ایک مرکزی عنوان دے کر الگ الگ ضمنی سرخیوں کے تحت اصل موضوع کا حق ادا کیا گیا ہے، ابواب کی سرخیوں سے اس کتاب کی اہمیت افادیت بھی واضح ہوتی ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اپنے موضوع پر یہ کتاب ایک تحقیقی مقالہ سے کم نہیں کہ جس میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ مغربی میڈیا کی طاقت اور اس کا دشمنان اسلام و مسلمان کے ذریعہ بے جا استعمال کی قلعی مصنف نے کھول دی ہے اور اسلام نے جس کو "حق پسندی" کہا ہے اس کی شرح کتاب کے آخری حصے میں بڑے سلیقے سے بیان کر دی ہے نذر الحفیظ ندوی کا اس موضوع سے شغف اور اس پر غائر نظر قابل داد و تحسین ہے"۔

(روزنامہ انقلاب بمبئی ۱۶/ مارچ ۲۰۰۱ء)

طبع جدید۔ اضافوں کے بعد۔ قیمت ۸۰/ روپے

لکھنؤ، دہلی، دیوبند، حیدرآباد، جموں کشمیر کے تمام مکتبوں پر دستیاب

Designed & Printed at : Kakori Offset Press, Lko. Ph. 229618